لیلی کے خطوط
اور
مجنوں کی ڈائری

# لیلیٰ کے خطوط

اور

# مجنوں کی ڈائری

از

**قاضی عبدالغفار**

ادارہ تحقیقات اردو، پٹنہ

پہلی بار : لیلیٰ کے خطوط ۱۹۳۲ء، مجنوں کی ڈائری ۱۹۳۲ء

خدا بخش ایڈیشن : ۱۹۹۱ء

تقسیم کار:

صدر دفتر:

- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ــــ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں:

- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، نئی دہلی ــــ ۱۱۰۰۰۶
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ــــ ۴۰۰۰۰۳
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ــــ ۲۰۲۰۰۲

۱۹۹۱ء

قیمت : چالیس روپے

لبرٹی آرٹ پریس دریا گنج (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) نئی دہلی میں طبع ہوا

یونس سلیم صاحب نے قاضی عبدالغفار صاحب سے پوچھا کیا لیلیٰ کے خطوط لکھتے وقت دوما کی لیڈی وِدھ دی کیمیلیس آپ کے پیشِ نظر رہی تھی؟ قاضی عبدالغفار صاحب نے اثبات میں سر ہلایا مگر بات کچھ آگے نہ بڑھ سکی! اس کتاب کا سرورق دیا جا رہا ہے۔

THE

# Lady with the Camellias

BY

ALEXANDRE DUMAS FILS

*A NEW TRANSLATION*

WITH

A NEW PREFACE BY THE AUTHOR

Forty-one Illustrations by Albert Lynch

PHILADELPHIA
GEBBIE & CO., PUBLISHERS
1889

تقابلِ ادب کے طالب علم کے لیے عموماً اور قاضی عبدالغفار کے سوانح نگار کے لیے خصوصاً دوما اور لیلیٰ کے خطوط کو آمنے سامنے رکھ کے پڑھنا ایک دلچسپ مطالعہ ہوگا ——————— (ع۔ س۔ ب)

# حرفے چند

ہم نے قاضی عبدالغفار کو بھی دیکھا ہے، ان کی لیلیٰ کو بھی ——— یہ اس وقت جب ان کتابوں کی تصنیف کو دو ڈھائی دہائیاں بیت چکی تھیں اور قاضی صاحب پر بھی زمانہ کی اچھی بُری، سرد و گرم سب رُتیں گزر چکی تھیں۔ علیگڑھ میں آفتاب منزل کا ایک گوشہ کرایہ پر لے رکھا تھا اور وہیں مجنوں سے زیادہ نحیف و نزار، اکثر صاحبِ فراش انھوں نے سات آٹھ سال گزار دیے۔ انجمن کا دفتر سامنے تھا، بس کوئی آدھا فرلانگ۔ کبھی کبھی مہینہ پندرہ دن میں صحت اجازت دیتی تو ادھر بھی چلے جاتے ورنہ گھر پر سے ہی کام چلاتے رہے۔ خیر بہوردی، احمق پھپھوندوی، یونس خالدی اور بہت سے اچھے لوگ جمع کر لیے تھے انجمن میں؛ اس لیے بہت اچھا کام چلتا رہا۔ میں بھی کبھی کبھی گھر پر چلا جاتا۔ وہیں کسی نے گھر کے دوسرے افراد کا تعارف کرایا تھا؛ لیلیٰ کا بھی: شرافت اور حسن دونوں کی تجسیم!

قاضی صاحب (پ ۱۹۰۰ء — م ۱۹۵۵ء) پیام کے ایڈیٹر، پھر آثار جمال الدین افغانی کی معرکہ آرا تحقیق کے مولف؛ اور آخر میں اپنے عہدِ اخیر کے مربّی کے تعقیب آثار ابوالکلام آزاد کے لیے معروف ہیں۔ اور اسی واسطے سے انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری کے طور سے بھی؛ لیکن اردو میں اگر ان کی شناخت ہے تو بس 'لیلیٰ کے خطوط' سے اور 'مجنوں کی ڈائری' سے۔ سو آیئے انھیں یاد کر لیں۔

انہیں یاد کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہمیں کسی طرح یاد آ جائے کہ کبھی ہم اردو والے بھی، چاہے شاعر ہوں، صورت گر ہوں، افسانہ نویس ہوں، سب کے سب سوچا کرتے تھے، خوب سوچتے تھے اور سوچے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے ——— اور اب عبداللہ حسین کے ناول 'اُداس نسلیں' کے ہیرو نعیم کی آواز میں آواز ملا کر اردو والے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ:

"مت سوچو، مت سوچو، سوچ ہمیں ختم کر دیتی ہے، ہم سوچے بغیر بھی رہ سکتے ہیں!"

——— ع۔ ب

# لیلیٰ کے خطوط

از

قاضی عبدالغفار

دارالادب پنجاب
بارود خانہ سٹریٹ - لاہور

ایک گناہگار بہن ـــ کا

# ہدیۂ حقیر

ان محترم اور خوش قسمت بہنوں کی خدمت میں جو اُس
کی طرح زخم نعیب نہیں ہیں

# عرضِ ناشر

خطوط و روزنامچہ کا پہلا ایڈیشن تین ماہ کے قلیل عرصے میں ختم ہو گیا تھا، اس صورت میں کہ کتابت کی غلطیاں۔ طباعت کے معائب اور قیمت میں گرانی نکاسی کے راستے میں رکاوٹ ہو سکتے تھے لیکن ملک کے سب سے بڑے فلسفی ادیب قاضی عبدالغفار کی تصانیف خصوصاً "خطوط و روزنامچہ" کے بارے میں "کسی کتاب کی نکاسی کا انحصار بڑی حد تک اس کے ظاہری محاسن پر ہے"۔ غلط ثابت ہوا۔ خیر! دوسرے ایڈیشن کو احسن صورت میں پیش کرنے کے لئے میں بیتاب تھا۔ اپنے منہ میاں مٹھو نہیں، یہ حقیقت ہے کہ "خطوط و روزنامچہ" کی اشاعت کسی زمانے میں "اردو زبان کی ایک زبردست خدمت قرار دیجائیگی ——

لیکن اسی اثنا میں لاہور —— حادثۂ شہید گنج کے وقوع سے آگ اور خون کے ایک سنسنی خیز ڈرامے کا محل وقوع بن گیا اور اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آکر اس نادر کتاب کا ناشر خدمت ادب سے ایک سال کیلئے محروم رہا۔ آج بھی اگرچہ حالات سازگار نہیں لیکن اپنے محترم بزرگ جناب حافظ محمد عالم صاحب مالک و ایڈیٹر رسالہ عالمگیر اور مسٹر غلام قادر کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کی سرپرستی کے طفیل کتاب کا دوسرا ایڈیشن پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے کتابت کی غلطیاں اس مرتبہ شاید آپ کو نظر نہ آئیں کاغذ عمدہ لگایا گیا ہے اور طباعت جناب حافظ صاحب کے اعلیٰ ذوق کی نظیر ہے اس پر طرہ یہ کہ قیمت تین روپے آٹھ آنے کی بجائے صرف عہ؍ کر دی گئی ہے اور اس کیلئے حافظ صاحب موصوف اور مسٹر غلام قادر مستحق امتنان و تبریک ہیں۔

خاکسار:۔ محمد یعقوب حسن

# مقدمہ

یہ صفحات اپنی شرح خود ہیں۔ ایک چھوٹا سا آئینہ ہے جو ہندوستان کے نام نہاد مصلحین قوم اور مذہبی رہنماؤں کے سامنے رکھدیا گیا ہے کہ وہ اس میں عورت کے متعلق اپنی غفلت شعاریوں کا مکروہ چہرہ دیکھ سکیں!

مجھ پر ظلم ہوگا اگر ان صفحات کو ناول یا افسانہ سمجھ کر پڑھا گیا، حقیقت یہ ہے کہ اس کاغذی پیرہن میں خراب آباد ہندوستان کی نسوانی زندگی کے چند نقوش پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ اگر اس بدنصیب ملک میں کچھ لوگ ان نقوش کے معنی سمجھ سکیں تو سمجھ لیں۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جب وقت تک ہندوستان کی عورت کے ساتھ پورا انصاف نہ کیا جائے گا سیاسی آزادی اور قومی ترقی کا ادعا محض حرف غلط رہیگا!

یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک بازاری عورت کی ظاہری اور باطنی زندگی کا یہ عکس مبالغہ سے یکسر پاک ہے، مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ حسن فروشی کے بازار میں ہندوستانی عورت کی خونچکاں فطرت کا یہ ایک "مطالعہ" ہے جو زبان اُردو کی علمی دنیا اور ہندوستانیوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں چشم عبرت کا محتاج ہے! اس دردناک تصویر

کی رنگ آمیزی اُسکو جاذب نظر بنانے کے لئے ضروری تھی ۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر!

لیلیٰ کے قلم سے جو خطوط لکھوائے گئے ہیں اونکا یہ مجموعہ نہ انشا پردازی کی مشق ہے، نہ زورِ قلم کا مظاہرہ ہے ۔ بلکہ ان خطوط میں جو دیکھ سکتے ہوں، اونکے لئے ۔ لیلیٰ کا تبسم ایک فوارہ خون ، اوسکی بذلہ سنجی ایک فریاد اور اوسکی ظرافت ایک دُکھی کی پکار ہے! اوسکی شوخیوں میں اوسکے دل کا درد مستور ہے، اوسکی شرارتوں میں اوسکی جراحتیں پوشیدہ ہیں! لیلیٰ کی زندگی کا فلسفہ اس قدر نفرت انگیز نہیں جسقدر درد انگیز ہے! وہ ہنس ہنس کر اپنے اون زخموں سے کھیلتی ہے ۔ جو اوسکے وجود معنوی پہ ناسور بن کر رہ گئے ہیں! اپنی مختصر داستان میں وہ اپنی اون لاکھوں بدنصیب بہنوں کی روئداد زندگی بیان کرتی ہے جو اس مُلک میں مردوں کی نفس پرستی پہ قربان کی جاتی ہیں ۔ لیلیٰ کی زندگی کا ہر نقش فریادی ہے!!!

ان خطوط کے اجمال میں، مظلوم کی طرف سے ظالم کی جانب چند اشارے ہیں، مگر ظالم مظلوم کی تصویر دیکھنے سے ہمیشہ گھبرایا کرتا ہے اسلئے کہ اوسکو اس آئینہ میں اپنی اصلی صورت نظر آیا کرتی ہے! پس تعجب نہیں کہ بعض حلقوں میں یہ خطوط سختی کے ساتھ ناپسند کئے جائیں ۔ لیکن عورت کی دنیا میں جہاں ہندوستان کی تقریبًا نصف آبادی ابھی تک پا بہ زنجیر اور مُہر بہ لب ہے مجھے امید ہے کہ ان اوراق کا بیشتر حصہ غور کے ساتھ پڑھا جائیگا ۔

اسی سلسلہ کے چند خطوط اس سے پہلے شایع ہو چکے ہیں،
اور اس طرح لیلیٰ کی فریاد کا کچھ حصہ اس کے ہمدردوں تک پہونچایا جا چکا
ہے مجھے معلوم ہے کہ بعض حلقوں میں یہ فریاد ہمدردی کے ساتھ سنی
گئی، اب ان خطوط کی یکجا اشاعت سے مقصود صرف یہ ہے کہ جو لوگ لیلیٰ کے
مخاطب اصلی ہیں، ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے ایک قطرۂ خون نکال کر
خوردبین کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ اس ایک قطرہ سے ان تمام جراثیم
کا پتہ چل جائے جو ہمارے نظام زندگی کو گھن لگا رہے ہیں۔ لیلیٰ درحقیقت
ہمارے جسد اجتماعی کا صرف ایک قطرۂ خون ہے جو میں ان "بزرگان ملت"
کی خدمت میں نذر لایا ہوں، جن کا فرض تھا کہ مصلّوں پہ تسبیح لے کر
بیٹھنے اور ممبروں پر بے معنی اور بے نتیجہ وعظ فرمانے کے بجائے اپنی
تہذیب کے اس ناسور کے لئے جس کا ایک قطرۂ خون لیلیٰ ہے
کوئی مرہم تجویز کرتے۔ اور اپنی "لیڈری" کے پلیٹ فارم پر محض تقریریں
کر کے اپنے مجرم ضمیر کو تسکین دینے کی کوشش نہ کرتے!!

عبدالغفار

لکھنؤ

۴ر دسمبر ۱۹۳۲ء

پہلی کتاب

# پہلا خط

آپ کی چند سطریں مختصر ہیں مگر ناقابلِ فہم نہیں، میری زندگی میں آپ کا یہ عنایت نامہ اپنی قسم کا پہلا مکتوب نہیں ہے! برسوں گذر گئے کہ میرے دن اور میری رات کا زیادہ حصہ اسی قسم کی خط وکتابت میں گذرتا ہے۔ یہ زندگی جو میں بسر کر رہی ہوں میرے لئے اب نئی نہیں، آپ نے کیوں اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کے پردہ میں چھپایا، شرمانے کا کوئی محل نہیں! یہی تو کہ آپ "راہ ورسم" پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے صاف یوں کیوں نہ کہا کہ آپ بھی میرے حسن کے خریدار ہیں: آپ نے شب کے دسترخوان پر میری شرکت اپنے لئے باعث مسرت تبائی ہے، آپ نے کیوں نہ فرما دیا کہ آپ کی منزل دسترخوان کی حدود سے آگے ہے! کیا نہیں ہے؟ بندہ نواز کسی دکان پر جایئے تو استعارہ اور اشارہ سے قطع نظر کرکے گاہک کی طرح کھل کر سودا کیجئے، آپ کہیں گے کہ آپ نے اپنے خط میں آداب حجاب وحیا کو ملحوظ رکھا مگر میرے لئے اس پردہ کی کیا ضرورت ہے؟ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں بقول آپ کے آج شب کو آپ کی مہمان بنوں تو مجھے عذر ہی کیا ہوسکتا ہے؟ میں تو اسی لئے سربازار اپنا اشتہار دیتی ہوں،

# دوسرا خط

بندہ پرور! گذشتہ شب کی مہربانیوں کا شکریہ! اور پھر مزید یادآوری کا شکریہ! آپ اپنے اظہار التفات کو اس ناچیز پر کیوں ضایع کرتے ہیں، شب کا لطف وکرم ضرور نہیں کہ صبح کو بھی باقی رہے! آپ اپنی جگہ پر رہئے اور مجھے میری جگہ پر رہنے دیجئے۔ آپ یوں سمجھئے کہ آپ نے

ایک کھلونا خریدا تھا جس سے شب بھر آپ اپنا دل بہلاتے رہے اور میں یہ سمجھوں کہ جو کچھ آپ کے جیب سے نکال لائی وہ میرا سرمایہ تجارت ہے، اس کے علاوہ آپ کا تمام شاعرانہ تخیل اور انداز تحریر محض تضیع اوقات ہے، میں آہ سرد اور لب خشک کی منزل سے بہت آگے نکل گئی ہوں۔ وہ طلسم جس میں مرد اور عورت باہم مبتلا ہوتے ہیں میرے لئے محض بے معنی ہے آپ کی وزنی جیب اور میرا حسین جسم یہی دو چیزیں ہیں جن پر میرے آپکے تعلقات کا انحصار ہے آپ کے عیش کا مدار آپ کی جیب پر اور میری آسائش کا انحصار میرے چہرے اور جسم کی خوبصورتی پر۔ معاف کیجئے میں نے ایک دنیا دیکھی ہے آپ ابھی نوجوان ہیں اس لئے صاف صاف کہتی ہوں کہ میری کتاب زندگی کا وہ باب ختم ہو گیا جب میں آپکے اظہار التفات سے خوش ہوتی آپ بھی اس جھگڑے میں اپنی جان نہ پھنسایئے مجھے آپ پسند کرتے ہیں تو اس کھیل کو کھیل ہی سمجھ کر کھیلئے۔ میں تو اپنی نسوانیت فنا کر چکی۔ آپ کا جی چاہے تو اپنی جوانی اور اس کے ساتھ اپنی دولت خرچ کیجئے مگر انداز عاشقانہ کی شعریت سے مجھے معاف فرمایئے میں ایک بازاری شراب ہوں، مدہوش کر سکتی ہوں مگر مجھ سے کسی کیف اعلیٰ کی توقع فضول ہے اگر میری آپ کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا تو شاید کبھی اپنی داستان زندگی کے چند حرف آپ کو سناؤں مگر وہ ایک الجھن ہے جس میں کوئی میرا شریک نہیں میرے بستر میں بہت سے شریک ہیں۔ میرا جسم بہت سے دل جلوں کا مشترکہ سرمایہ ہے مگر میرا ماضی صرف میرا ہی ہے آپکے پاس روپیہ ہے میرے پاس حسن ہے آپ کہتے ہیں آپکے پاس دل بھی ہے، شاید ہو مگر میرے پاس نہیں ہے، اس کی جستجو فضول ہے۔ ساز کے اس تار کو نہ چھیڑیئے جو ٹوٹا ہوا ہے ـــــ اس میں آپ نغمہ نہ پائیں گے۔

## تیسرا خط

محبِ عزیز! کتنے دن ہوئے جب پہلی دفعہ میں آپ کی مہمان ہوئی تھی۔ کتنے دن ہوئے جب آپ نے اپنی جوانی مجھ پر ضائع کرنا شروع کی تھی۔ میں نے کتنی دفعہ آپ سے کہا کہ ورائے امکان نہ جائیے، جو نہیں ہے اس کو نہ مانگئے، کل رات آپ نے اپنے اظہار عشق کی بہت دیر گرم گرم آنسوؤں اور الجھی ہوئی ہچکیوں سے تائید کی۔ مجھے آپ نے بالکل تھکا دیا۔ آپ کو کیونکر یقین دلاؤں کہ یہ ہنگامے میرے لئے ایک ذرہ دلچسپ نہیں ہیں۔ اپنی نسوانیت اپنی نسوانی آبرو سر بازار فروخت کیا کرتی ہوں اور لوگ خریدا کرتے ہیں، یہ میری زندگی کا کاروبار ہے، اگر آپ اس حقیقت کو بھولنے پر مصر ہوتے ہیں، آپ کی وارفتگی ہزار دفعہ مجھ سے الجھیگی اور دو ہزار دفعہ یہی جواب پائیگی۔ میرے پاس کوئی دوسرا جواب نہیں آج میرا آنا ناممکن ہے۔ کل یا پرسوں آپ یاد فرمائیں گے تو میں ضرور آؤنگی، مگر آپ کو عہد کرنا ہوگا کہ آپ کا شاعرانہ تخیل مجھے نہ ستائے گا۔ آپ بچوں کی طرح ایک بے اصل پرچھائیں کو پکڑنا چاہتے ہیں اور وہ ہاتھ نہیں آتی تو مچلتے ہیں۔ بندہ نواز! جس منزل پر ہم دونوں آ گئے ہیں وہی ہمارے سفر کی انتہا ہے۔ اس کے آگے ہمارے راستے جدا ہیں، چلئے جہاں تک میں آپ کے ساتھ چل سکوں، اس کے آگے جانا ہو تو پھر تنہا جانا ہوگا۔

## چوتھا خط

وارفتہ تخیل! آپ منتظر رہے ہونگے، اپنے نہ آنے کی وجہ بیان کروں تو تم کہو گے کہ یہ عورت کس درجہ سنگدل ہے مگر کیوں کیا، واقعات کو چھپا چھپا کر بیان کرنے کی عادت

نہیں شروع ہی سے کوشش کر رہی ہوں کہ تم سیاہ کو سیاہ سمجھو، اور میرے دامن کے گندہ
دھبّوں کو اپنی آنکھ سے دیکھو۔ میری زنانہ زینت و آرائش سے جو محض ایک کاروباری
اشتہار ہے دھوکہ نہ کھاؤ۔ تمہاری انسانیت کو اپنی انسانیت سے بہتر سمجھتی ہوں
اور اگرچہ تم سے محبت نہیں کرتی مگر تمہارا بھلا چاہتی ہوں، تم نے ابھی دنیا کے نشیب و فراز
میں قدم رکھا ہے۔ دھوکہ کھا گئے تو گئے گذرے، میرا کیا ہے تم کو ہاتھ سے کھو بیٹھوں تب
بھی دنیا احمقوں سے خالی نہیں،

پیارے دوست! گو کہ میں تمہارے اظہارِ عشق سے متاثر نہیں ہوتی، نہ ہو سکتی ہوں
تاہم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارے آغوش میں اپنے لئے کوئی راحت نہیں پاتی۔ "قسمت بری سہی پہ
طبیعت بری نہیں"۔ میری زندگی ناپاک ہے مگر اس عشوہ فروشی کے بازار میں آنے سے پہلے مجھے
علم و تہذیب شرافت کی اتنی دولت حاصل ہو چکی تھی جتنی کہ عام طور پر شاید اچھے گھرانوں کی
بہو بیٹیوں کو بھی حاصل نہ ہوتی ہو، اس بیان کو خود فریبی اور پندار پر محمول نہ کرنا۔ جوہرِ عالی کچھ
میرے پاس بھی تھا فطرتِ الٰہی نے مجھے بھی بیرا حصہ دیا تھا۔ مگر میرے قلب کو میری زندگی نے
تلخ کام کر دیا ہے میں دل ہی دل میں اپنے وجود سے شرمایا کرتی ہوں مگر اس مکروہ دنیا اور مکروہ
تر دنیا والوں نے جہاں پھینک دیا جس گندگی میں ڈال دیا اسی میں مبتلا ہوں اور اب گناہ
کی بھاری زنجیریں میرے پاؤں میں ہیں لیکن یہ نہیں کہ حس باقی نہ ہو۔ حس باقی نہ ہوتی تو
میں تم سے اس طرح کی باتیں نہ کرتی، تم جب اظہارِ عشق کے ہجوم سے تھک جاتے ہو اور اپنی
تقریروں کے جواب میں مجھ سے ایک حرفِ محبت بھی نہیں پاتے تو پھر مجھ سے کیا کیا احمقانہ سوالات
کیا کرتے ہو کبھی کہتے ہو۔ "لیلیٰ تم خفا ہو گئیں" "کیا تم کبھی مجھ سے محبت نہیں کر سکتیں؟" "کیا
تیری محبت کبھی بار آور نہیں ہو سکتی؟" "تم اتنی سنگدل ہو" تم اس قدر بے پروا ہو، تم اس قدر
بےحس ہو۔ تمہارے ساز کے کسی تار میں آواز نہیں، تم ایک تودہ برف ہو، تم ایک بھاری پتھر

ہو، تم ایک ہیجان تصویر ہو، تم ایک دریا ہو جس کا پانی منجمد ہے اور متحرک نہیں ہو سکتا ــــــ

تم ایسی کیوں ہو؟ پھر تمہیں میری موجودہ زندگی یاد آتی ہے اور تم میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر بار بار مجھ سے کہتے ہو کیا تم اپنے ہر دوست کے ساتھ ایسی ہی ہو؟ تم نے کبھی محبت کا مزہ نہیں چکھا؟ کیا وہ خوش نصیب اب تک پیدا نہیں ہوا جس کو تم دل سے پیار کر سکو؟ غرض پیارے دوست! تم نے کتنی راتیں اس طرح ضائع کی ہیں، تم ایک ویرانہ میں آبادی ڈھونڈھتے ہو ایک ریگستان میں مرغزار چاہتے ہو، تم اپنی محبت کے آغوش میں ایک ہمدم و مونس مانگتے ہو، یہ کچھ بھی تمھیں نہیں مل سکتا۔ ہاں تمھارے آغوش میں ایک نازک جسم سما سکتا ہے، تمھارے پہلو میں ایک حسین چہرہ آسکتا ہے۔ تمھارے شانوں پر معطر بال بکھر سکتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ کچھ نہ مانگو، کچھ نہ چاہو۔

ایک دن جب تم بار بار مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آخر تم ایسی کیوں ہو؟ تو شاید میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی ممکن ہوا تو بتاؤنگی کہ میں ایسی کیوں ہوں، اس عرصہ میں کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب تمھاری اس وارفتگی پر میں اپنے نفس کو ملامت کرتی تھی تو خیال آیا کہ لاؤ آج تمھیں ایک داستان سناؤں، مگر دل نے کہا کہ ابھی تو اس نوجوان کی عقل بھی ٹھکانے نہیں، وارفتگی کم ہو اور حواس درست ہوں تو کچھ کہوں۔ تم کو دیکھتی ہوں کہ تمھارا پاؤں اس چکنی زمین پر کسی طرح نہیں جمتا۔ تم جس گندہ تالاب کو طوفان خیز سمندر سمجھ رہے ہو اس میں تمھارے لئے پایاب جانا مشکل نہ تھا۔ مگر اس کو کیا کروں کہ تم سمجھتے ہو کہ تم ایک بحر ناپید اکنار میں ہو حالانکہ طوفان خیز سمندر اور چھوٹا سا تالاب دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ یہ سب تخیل ہے سمندر کا طوفان، تالاب کا سکون سب ایک دھوکہ ہے، تم چاہو تو سمندر تالاب اور تالاب سمندر نظر آئے وہ جو ایک تخیل دماغ میں پیدا ہوتا ہے وہی اصل ہے باقی سب فروع ہیں تمھارے دماغ میں سمندر بھی ہے تالاب بھی، اور دراصل دونوں ایک ہیں مگر جب تم آنکھیں بند کر کے

اس امر پر اصرار کرو کہ تالاب درحقیقت سمندر ہے تو پھر پانی کا ہر قطرہ تمھارے لیے طوفان خیز ہوگا۔ تم نے بہت سے حکیم اور فلسفی دیکھے ہونگے میں ایک حسن فروش فلسفی ہوں۔

کمھار نے ایک خوبصورت آبخورہ بنایا، لوگوں نے اس کو جام صہبا بنا لیا، یا کمھار نے ایک جام صہبا بنایا اور لوگوں نے اسے آبخورہ سمجھ کر مسجد کی دیوار پر رکھدیا۔ تو پھر کیا اُس مٹی کی حقیقت بدل گئی؟ جام میں چاہے شراب بھر دو چاہے زمزم، عورت کو بیوا بنا دو یا گھر کی ملکہ، جو چاہے بنا دو، مردوں نے جیسا چاہا عورت کو ویسا بنا دیا، غلام بنا دیا، اپنے نفس کا خدمتگزار بنا دیا، بازاروں میں بٹھا دیا، برباد کر دیا، ہیرے کی چمک تم نے چھین لی اور جو سنگریزہ بچا اس کو مٹی میں ملا دیا، موتی کی آب تم اُڑا لے گئے اور باقی جو کچھ رہا اس کو ہوا میں اُڑا دیا۔ اب رہا کیا ہے کہ تم عشق و عاشقی کی داستان لے کر آئے ہو؟

تم میری اس خرافات سے اکتا گئے ہوگے مگر جو کچھ کہتی ہوں اس کے پردوں کو اٹھا سکو تو اٹھاؤ اور مجھ سے کچھ عقل سیکھو۔

آج کی شب خالی ہے، میرا یہ خاص شغلہ ہے کہ جب کبھی سوا میری خلوت میں کوئی نہیں ہوتا چاہنے والوں کے ہجوم سے نجات پاتی ہوں اور بستر میں جو مجھ کم بخت کو بہت کم خالی ملتا ہے جا کر لیٹتی ہوں تو اپنے عاشقوں کو مع ان کی عاشقی کے تمام ساز و سامان کے بھول جاتی ہوں اور تھوڑی دیر کے لیے میں خود عاشق بنتی ہوں اور اپنے وجود معنوی کو اپنا معشوق بناتی ہوں، گویا ایک دوسرا کوئی ہوتا ہے جس کا سر میں اپنے بازو پر رکھتی ہوں اور کہتی ہوں "لیلیٰ! کم بخت لیلیٰ! بدنصیب لیلیٰ! کیا آج فرصت ہے؟ تعطیل ہے؟ تھک گئی ہے؟ کچھ ڈھونڈھ رہی ہے؟ کوئی یاد آتا ہے؟ یہ رات خالی ہے جا سو جا، کل پھر دکان لگانی ہوگی، خریدار آئیں گے سودا چکایا جائیگا، تھی دست قسمت سو جا،

# پانچواں خط

"شکر ہے کہ آپ اپنی بیقراری اور بیصبری کی لگام کھینچے رہنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ میں شام کو آؤں گی، برسات کے زمانہ میں جو عقلمند ہوتے ہیں وہ ایک کے بجائے دو چھتریاں رکھتے ہیں ضرورت کے وقت ایک گم ہو جائے تو دوسری کام آئے۔ عقلمند مرد بھی صرف ایک ہی عورت کو اپنی خلوت کا کھلونا نہیں بنانا، کئی رکھتا ہے تاکہ راتیں ضایع نہ ہوں۔ جب مجھے تمھارے پاس آنے کی فرصت نہیں ہوتی تو ساری رات تنہا پڑے ہوئے جلتے بھنتے رہتے ہو، اگر وہ دوسرا انتظام بھی رہے تو تمھاری رات میری وجہ سے کیوں ضایع جائے ایک ہی عشوہ فروش پر قناعت نہ کرو۔ تمھارے ہوس کے ترکش میں ایک سے زیادہ تیر رہنے چاہئیں مجھے دیکھو کہ میں ایک رنگین تتلی کی طرح ہر چمن میں جاتی ہوں اور ہر پھول سے دو باتیں کرتی ہوں، تم بھی شہد کی مکھی کی طرح بہت سے پھولوں کی پنکھڑیوں پر تھوڑا تھوڑا وقت گذارو تاکہ زندگی کی صبح شام ہو جائے تم کہاں میرے فلسفہ کی الجھنوں میں پھنس کر رہ گئے۔ یہ فلسفہ بہت خشک اور تلخ ہے۔ مجھے دیکھو میں ایک آب تند و تیز سے بھری ہوئی مینا ہوں، میرا نشہ تیز ہے مگر عموماً دیرپا نہیں۔ میں تنہا کتنے ساغر بھرتی ہوں اور کتنے بادہ پرستوں کو کھلا کرتی ہوں، تم بھی ایک چھلکتا ہوا ساغر بن کر محفلوں میں رقص کرو، یا پھر اس میخانہ کی طرف رخ نہ کرو ـــ کسی زمانہ میں (اور جیسے کہ وہ زمانہ اب آ گیا) جب میں لیلیٰ مجنوں، اور شیریں فرہاد کے قصے پڑھا کرتی تھی تو یہ ناکردہ گناہ قلب اس جہان بے اختیاری اور عالم بیخودی کی کیسی کیسی خوابیں دیکھا کرتا تھا مگر معلوم ہوا کہ زندگی کی کشاکش میں اتنی گنجائش اور فرصت نہیں کہ انسان تخیل کی شعبدہ بازی میں اپنا وقت گذارے۔ جب زندگی کا مدار غذا کے چند لقموں پر ہو اور روح کا تعلق منحصر ہو معدہ کی اعانت

پر جب ہوس پیٹ کیلئے اچھا کھانا ملنگے اور جسم کیلئے سامان زینت تو پھر اتنی مہلت کہاں کہ

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

زندگی کے مکروہات تم کو تنگ نہیں کرتے جسم و جان کا اطمینان حاصل ہے معاش

کی فکر نہیں، کوئی ایسا کام نہیں جس کا ہر روز انجام دینا حصول معاش کیلئے ضروری ہو صبح سے

شام تک وقت اپنا ہے اور خالی ہے، لیلیٰ مجنوں کی کہانیوں کا خواب دیکھا کرو ہضم صحیح

ہو، معدہ قوی ہو صحت درست ہو، تولید خون کافی ہو تو پھر دیکھو کہ کیونکر گذرتی ہے،

مجھے دیکھو میں نے ایک پیشہ، ایک وسیلہ معاش اختیار کیا ہے یا یوں کہوں کہ مجھے

ایک پیشہ نے اختیار کرلیا ہے۔

میں آپ آئی نہیں لائی گئی ہوں

تو بھلا میں فروعات میں اپنا وقت کیوں ضائع کروں۔ پھر کہتی ہوں کہ اگر آپ عورت اور اسکے

حسن ظاہر سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں ـــــ جس طرح شکاری محض اس لئے ہرن کے

گولی مارتا ہے کہ اس کے بہیمانہ قوی اپنی قوت حیوانی کی مستی کا نظارہ کریں اور اس کا نفس مسرور

ہو ـــــ تو اس چمن میں تنگ داماں نہ ہوجئے، پھول بہت ہیں۔

میں جانتی ہوں، آپ کہینگے ہونگے کہ یہ عورت کس قدر بےحس اور بےحیا ہے۔ جناب قیس

آپ کی لیلیٰ نہ بےحس ـــــ ہے۔ نہ بےحیا ہے۔ وہ اس فریبی دنیا کی ایک شکم پرست بیٹی ہے

وہ اگر حیا اور حس کی اصطلاحات پر غور کرنے لگے تو کھائے کہاں سے، زندہ کیونکر رہے آپ

کے درس اخلاق سے اگر وہ متاثر ہونے لگے تو پھر دنیا والے نہ اس کو مرنے دینگے نہ جینے

دینگے، اب اتنا تو ہے کہ وہ اپنی گناہ کی دنیا میں کسی نکتہ چیں کی پرواہ نہیں کرتی۔ آپ جیسے

اپنی عشق و عاشقی کے ساتھ ساتھ اصلاح نفوس و اخلاق کا علم بلند کر رہے ہیں اور مکار صوفی

کی طرح "مجاز" و "حقیقت" اور "حقیقت" و "مجاز" کے درمیانی خلا میں مکڑی کا جالا پور رہے

ہے۔ ایک احمقانہ حرکت ہے اور میری نظر میں تمسخر انگیز! آپ گویا میرے اپنے تعلقات کو ایک آسمانی برکت سمجھ رہے ہیں اور میں ——— میں سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھتی کہ میری دکان کے گاہکوں میں سے ایک آپ بھی ہیں۔

حقیقت نا آشنا! تمہارے آغوش میں مجھ جیسی عورت اپنی عشوہ طرازی کے لاکھوں تماشے دکھا سکتی لیکن تم جو چاہو کہ پانی کی مچھلی خشکی پر دوڑا کرے یا جنگل کا ہرن پانی کے اندر اپنا مسکن بنالے یا شیر اپنا گھونسلہ درخت کی شاخوں میں بنائے تو یہ غلطی تمہاری ہے۔ مچھلی، مچھلی، ہرن ہرن، اور شیر شیر ہی رہیگا! تم میخانے میں جا کر وضو کے لئے پانی مانگو۔ یا مسجد میں بیٹھ کر مئے گلفام کی صراحی جیب سے نکالو تو دنیا کیا کہے گی؟ تمہارے تخیل کا رہوار کس قدر الٹا چلتا ہے۔!

# چھٹا خط

میرے مہربان! تم پوچھتے ہو کہ رات تمہارے آغوش میں میں روکیوں رہی تھی؟ تم میرے رونے پر اس قدر حیران ہو کہ گویا تمہارے خیال میں میری آنکھ کے اندر آنسو پیدا ہی نہیں ہوتے، اس نادان کی طرح جو محفل میں ایک ستار اٹھا کر بجانا چاہتا ہے اور بجانا جانتا نہیں پھر جب اس کے تاروں میں سے کسی ایک تار کو اس نادان کی انگلی مس کرتی ہے تو وہ سوچتا ہے کہ اس تار سے یہ آواز کیوں پیدا ہوئی؟ وہ کیوں نہ نکلی جو اس کے خیال میں نکلنا چاہئے تھی، وہ نہیں جانتا کہ تاروں کی ترکیب کیا ہے۔ وہ بار بار ان پر ہاتھ مارتا ہے اور شکوہ کرتا ہے کہ ان سے نغمہ نہیں نکلتا۔ اور محض شور پیدا ہوتا ہے مگر یہ نادان! نہ ان تاروں سے واقف ہے نہ ان کی موسیقی سے آشنا ہے، نہیں جانتا کہ کس تار کو چھیڑ رہا ہے اور اس کی آواز کیا ہوگی، تمہیں کیا معلوم کہ میرے ساز خاموش میں کتنے تار ہیں۔ جب کسی نادان کی مضراب

ان میں سے کسی ایک کو چھو جاتی ہے تو موسیقی کی ایک بے اختیار چیخ فضا میں گونجتی ہے اور وہ نادان نہیں جانتا ـــــ نہیں جان سکتا ـــــ کہ یہ سوز و ساز کہاں سے آیا؟ تم کیا جانو تم کیا جان سکو کہ عورت کے آنسو کے اندر موسیقی کی ایک دنیا موجود ہے۔ آہ، تم کہ میری آنکھوں کے سرخ ڈوروں کو دیکھ کر مست ہو جاتے ہو، میرے آنسوؤں کی موسیقی کو کہاں پاؤ ـــــ یہ میرا راز ہے ـــــ

عورت زندگی کی موسیقی اور شعر سے لبریز ہے، تمھیں بھی اس کی خبر ہے؟ میرے دوست! ایک نادان تیماردار کی طرح جو نہیں جانتا کہ مجروح کے جسم پر چادر سے ڈھکے ہوئے کتنے زخم ہیں اور کہاں کہاں ہیں، پھر نادانستہ جہاں چاہتا ہے ہاتھ لگا دیتا ہے اور جب اس تکلیف سے مریض چیختا ہے تو حیران ہوتا ہے کہ وہ چیخا کیوں، تم کہاں کہاں میرے زخموں کو چھیڑ دیتے ہو اور نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہو، پھر اگر میں درد و کرب سے تلملا جاتی ہوں تو سوال کرتے ہو کہ تم روئیں کیوں؟ تم کو خبر نہیں کہ تم میرے شکستہ ساز کے تاروں سے کھیلتے ہو، تمھاری طرح بہت سے مرد کھیلتے ہیں۔ کھیلتے کھیلتے، کتنے تار توڑ ڈالے جن کی موسیقی ہمیشہ کے لئے ناپید ہو گئی، شاید ابھی کوئی تار سالم باقی ہو، اس کی جستجو نہ کرو، مبادا تمھاری بے حس انگلیاں اس سے بھی کھیلنا چاہیں، ماشاء اللہ! میرے رونے کے کیا کیا مسحور انگیز وجوہ تمھارے خیال میں آئے تم کہتے ہو "کیا مالی مشکلات پریشان کر رہی ہیں"؟ "کیا کوئی یاد آیا؟" "کیا کسی سے کوئی تکلیف پہونچی" میرے حسن پرست دوست! میرے آنسوؤں کو بھی تم ایک ادائے حسن سمجھو اور اس دیو کو جو تمھارے اندر ہے، ہر مرد کے اندر ہوتا ہے یوں سمجھا دو کہ عورت کے آنسو بھی مرد کے لئے ایک کیف رکھتے ہیں عورت کو کبھی کبھی رونا بھی چاہئے کہ آنسوؤں کی جھڑی حسن میں ایک اور جھلک پیدا کرتی ہے جو بجائے خود مرد کیلئے عالم مستی میں طرب انگیز ہے مرد ہر دفعہ عورت سے ایک نئی ادا مانگتا ہے اور اپنے لئے صرف ایک ہی انداز حیوانیت

کافی سمجھتا ہے۔ وہ عورت کے ہمیشہ ہنسنے سے بھی تھک جاتا ہے اور پیہم رونے سے بھی تھک جاتا ہے وہ ہر کیفیت عارضی چاہتا ہے۔ اس کی حیوانیت کے نشہ کو جرعہائے پیہم کی امداد درکار ہے ــــ اس کا دیوِ عورت کے خون سے بھرے ساغر ہر وقت اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے تاکہ اس کا نشہ قائم رہے ــــ اے نافہم تیرے نشہ کی آخری گھڑیاں کس قدر کٹھن ہوتی ہیں۔

# ساتواں خط

دردنا آشنا! تم کیوں اپنے دل کو دھوکہ دے رہے ہو۔ تمہارا دل بے لگام جا رہا ہے تمہارا ادعائے عاشقی اس ساری فضا میں گونجتا ہے کہ گویا تمہارے عشق اور میرے حسن کے سوا اس عالم میں کچھ بھی نہیں، یہی دو چیزیں حاصل کائنات ہیں! تم سمجھتے ہو کہ تم شاید پہلے آدمی ہو جو میرے ساتھ مبتلائے عشق ہوئے، جس نے سب سے پہلے میرے حسن کی دہلیز پہ سجدہ کیا، کبھی سناؤنگی کہ میرے کیسے کیسے عاشق جانباز ہر روز تشریف لاتے ہیں۔ جو عشق کی دوڑ میں تم سے کوسوں آگے جا رہے ہیں، اس فہرست میں ایک تمہارا نام بھی ہے جو لکھ لیا گیا ہے۔ اور کیا چاہتے ہو؟ مانا کہ تم عاشق صادق ہو مگر خدا کے لئے یہ کیا زبردستی ہے کہ معشوق بھی بننا چاہتے ہو۔ کوئی چاہنے والا زبان سے نہ کہے مگر چاہتے سب یہ ہیں کہ جس طرح وہ چاہتے ہیں ان کو بھی چاہا جائے، آخر کیوں؟ معشوق نے کب آپ سے التجا کی تھی کہ آپ تشریف لائیے اور مجھے چاہنا شروع کیجئے، اگر آپ مجبور ہیں کہ مجھے چاہیں تو بسم اللہ! چاہئے، دل بھر کر چاہیے لیکن یہ کیا منطق ہے کہ چونکہ آپ مبتلا ہوئے ہیں اس لئے آپ کا معشوق بھی آپ پر مرنے لگے۔!

سنو! عزیز دوست، تمہاری سادہ لوحی مجھے عزیز ہے، محبت ایک کیف زندگی ہے ناقابل بیان! اگر تم کو نصیب ہو تو تمہارا یہ ابتلا مبارک ہے! مگر مجھ سے فرائشی محبت کی توقع کیوں ہے؟ گویا تم نے مجھ سے کہا کہ مجھے چاہو اور میں نے اسی لمحہ سے تمہیں چاہنا شروع کر دیا! دو طرفہ

عشق شروع ہوگیا، کیا خوب! باورچی کی دکان پر آپ کھانا کھانے گئے اور اس سے کہا کہ تو بھی کھا، اب اگر وہ صبح سے شام تک ہر کھانے والے کے ساتھ کھانے بیٹھ جایا کرے تو سخت بدہضمی کے سوا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس کی دکان کا ہر خریدار اپنا پیٹ بھر کر اپنے راستے جائیگا لیکن وہ ضعف معدہ کے مرض میں مبتلا ہو کر عمر بھر ایڑیاں رگڑا کریگا۔ میں تو آج تک یہ نہ سمجھی کہ آخر تمھیں وحشت سی کیا ہے؟ کیا میں تمھارے پاس آتی ہوں تو گھنٹوں تمھارے آغوش میں نہیں رہتی، تم مجھے پیار کرتے ہو تو کیا میں تمھیں پیار نہیں کرتی، تم حال دل بیان کرتے ہو تو کیا میں توجہ کے ساتھ نہیں سنتی۔ ساری مشکل یہ ہے کہ تم تانبے کو زر خالص سمجھ رہے ہو، تم سے کہتی ہوں کہ میں وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو! اور تم یقین نہیں کرتے، اپنی گنہگار زندگی کو تمھارے سامنے عریاں پیش کرتی ہوں اور تم آنکھیں بند کر لیتے ہو، اپنے وجود کے ناپاک دھبّوں کو دکھاتی ہوں اور تم نہیں دیکھتے، پھر مجھے اپنے اضطراب بے محابا اور اپنی بے اختیاریوں سے پراگندہ خاطر کرتے ہو! تم طعنے دیتے ہو کہ تیرا دل سخت ہوگیا ہے اور اس گناہ کی زندگی میں تو بےحس ہوگئی ہے۔ تمھارے الفاظ خوب ہیں یعنی، اس پھول نے جو باغوں میں صبا کا ہم نفس ہوتا ایک زہریلی زمین میں پرورش پائی۔ تم غلط کہتے ہو، نہ پھول کا قصور ہے نہ زمین کا۔ اس نے تو ویسی ہی پرورش پائی جیسی کہ ہر پھول پاتا ہے، وہ تو اسی زمین میں پیدا ہوا جس میں ہر پھول پیدا ہوا کرتا ہے لیکن کسی گلچین نے، باغ کے کسی چور نے اس کو سر شاخ سے چن کر گناہگاروں کے گلے میں ڈالدیا کہ وہ ان کی سیاہ مستیوں میں روندا جائے اور کچلا جائے، دنیا بیباک اور سفاک موذیوں سے بھری ہوئی تھی جن کا تمام تر جذبۂ حیوانی عورت کا گلا گھونٹنے کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ ہماری —— ہم عورتوں کی —— زندگی کو کہ ہم دنیا میں تمھاری آسائش اور اپنی آرائش کے لئے بھیجے گئے تھے، تم —— تم مردوں نے —— تلخ کر دیا، برباد کر ڈالا، دنیا کی لاکھوں کروڑوں عورتیں جن کو کارساز حقیقی نے گھروں کی رونق، دلوں کی آسودگی، آشفتہ حال انسانوں کی راحت، اور دنیا کے تھکے ہوئے مسافروں

کا سہارا بنایا تھا، ان کو زندگی کے بدرو میں پھینکنے والے تم ہو! کیا عورت کی فطرت گناہ کا تقاضہ
کرتی ہے؟ اس کی فطرت کبھی گناہ کی طرف پہلا قدم نہیں بڑھاتی لیکن ایک درندہ کی طرح مرد
کا نفس ہر وقت اس کی گھات میں رہتا ہے اور جب معصوم ہرنیاں بےخبر ہوتی ہیں تو ان پر
یہ درندہ حملہ کرتا ہے، پھر اس فاختہ کی طرح جو ابھی ابھی شاہین کے چنگل سے چھوٹ کر بھاگی ہو، خدا
کی یہ مظلوم مخلوق اپنے زخم کو چھپانا چاہتی ہے، نہیں چھپا سکتی ہے تو رسوا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ
اس رسوائی کی عادی ہو جاتی ہے ــــ میں اس دنیا میں ہوں جہاں ایسے زخم نصیب بہت ہیں
ــــ بہت ہیں! تم اس دنیا میں ہو جہاں ایسے درندے اور ڈاکو بہت ہیں ــــ بہت ہیں
اپنے ضمیر سے نہیں پوچھ سکتے تو ہم سے پوچھو کہ تم لوگ کیا کرتے ہو؟ تمھارے نفس کی تاخت و
تاراج کا زندہ نمونہ ہم ہیں، عورت کی فطرت معصوم ہے، تمھاری فطرت گناہ سے لبریز ہے میں
تم سے پوچھتی ہوں، تم ہی ایمان سے بتاؤ کہ جب تم مجھے اپنی آغوش میں لیتے ہو تو اپنی نفس،
پروری کے علاوہ کبھی میرے وجود نسوانی کی حقیقی شعریت کو بھی محسوس کرتے ہو۔ کبھی یہ بھی خیال
آتا ہے کہ یہ کھلونا جس سے تمھاری دولت کھیل رہی ہے کھلونا نہ تھا، زندگی کی ایک مطلا اور منقش
تصویر تھا۔ اگر تم نے اس کھلونے کو توڑ ڈالا، اگر تمھارے جبر نے اس کے اختیار کو سلب کر لیا تو
کھلونے غریب کا کیا قصور؟ اس پر کیوں خفا ہوتے ہو؟ اس کو کیوں طعنے دیتے ہو، کتنی عورتیں
ہیں جو زندگی میں پہلی دفعہ خود مرد کی طرف گئی ہوں، انھوں نے اپنا آغوش مرد کے لیے کھولا ہو، حتیٰ
کہ وہ دوشیزہ جس نے گناہ کی چار دیواری میں پرورش پائی ہو، وہ بدنصیب بھی، وہ بےشرم
بھی آپ کو کبھی اپنی طرف نہیں بلاتی کہ آیئے اور میری فطرت کا گلا گھونٹ دیجیے، تم نے خود
اس کے جسم کی قیمت مقرر کی، تمھارے نفس نے اس کو تاکا، تم نے اس کی روح کو اپنی طاقت
اور اپنے سونے چاندی سے دبا دیا۔ کچل ڈالا۔ جب تم میری طرف اپنا دست طلب بڑھاتے ہو
تو اپنے نفس لئیم سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ عورت جو اپنی نسوانیت کا اعلیٰ ترین جوہر

نذر کئے دیتی ہے کبھی وہ بچی کہ کسی گھر کا اجالا ہوتی اور انسان کی ایک نسل کو اپنی گود میں پالتی! آج شب کو وہ آپ کے بستر کی آرائش ہے اور کل صبح منظر عام پر آپ اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ فرمائیں گے،

حقیقت یہ ہے کہ مرد اپنے ضمیر کو خوب دھوکے دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے گناہگار نفس کے مکروہ چہرے کو خوشنما رنگ روغن سے چھپا لیتا ہے اپنی ہوس کو عشق کہتا ہے! اس عشق کی قسمیں کھاتا ہے اور اپنے دل و دماغ کو زبردستی ایک تند شراب پلا کر بیخود کر لیتا ہے دوسروں سے کہتا ہے، دیکھو میں مبتلائے عشق ہوں، میں فریب خوردہ حسن ہوں، میں مظلوم ہوں اور میں ــــ پاکباز ہوں! مگر یہ سارا ادعائے الفت پرستی ہوس کا ایک تماشہ ہوتا ہے جو تم ہم کو دکھاتے ہو ــــ ہم تمہاری درازدستیوں سے بچ نہیں سکتے۔ کاش کہ تم خود اپنے فریب سے محفوظ رہ سکتے! اپنی نفس پرست زندگی کا ایک لمحہ صرف کیجئے اور میری اس گذارش پر غور فرمائیے!

تم مجھ سے فرمائش کرتے ہو کہ کچھ آپ بیتی سناؤں، یہ کہانی تمہارے لئے بمنزلہ ہوگی تمہارے عیش کو خراب کریگی۔ اپنی ہزاروں، لاکھوں بدنصیب بہنوں کی طرح

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

ابھی تم کو اپنی داستان عشق بیان کرنے سے کب فرصت ہے کہ میری کہانی سن سکو میں زندگی کی ایک بگاڑی ہوئی تصویر ہوں جس کے لئے کہیں سے چشم عبرت لاؤ۔!

# آٹھواں خط

یہ تو نیا رنگ ہے! چشم بددور! آپ مجھے طعنے دے رہے ہیں! لیلیٰ کے مجنوں ــ! مل گئی تو کسی بازار سے تولہ دو تولہ عقل تمہارے لئے خریدونگی۔ سچ کہنا تمہاری نظر میں میری

عیش وراحت کے معنی کیا ہیں؟ تم نے بغیر سوچے کہا اور کس قدر غلط کہا کہ۔

بزیرِ شاخِ گل افعی گزیدہ بلبل را
نواگران نخوردہ گزند را چہ خبر

عطائے تو بہ لقائے تو! میں یہی عرض کرتی ہوں کہ " نواگران نخوردہ گزند را چہ خبر۔"
تمھاری منتخب اللغات میں افعی کس کا نام ہے؟ تم نہ جانتے ہو تو میں بتاؤں۔ ایک افعی تیرے پاس بھی ہے، ایک افعی میری رگ جان سے بھی لپٹا ہوا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ تمھارا افعی تمھارا نفس لئیم ہے جو تمھیں کھائے جاتا ہے اور میرا افعی مجھ سے دونوں وقت کھانے کو مانگتا ہے، تم مجھے " نہ خوردہ گزند " کہتے ہو۔ شرم تو نہ آتی ہوگی، کم نظر نظر باز" کاشکہ تو جانتا کہ میرا افعی تیرے افعی سے بہت زیادہ زہریلا ہے۔ میں چاہتی تو اس " بزیر شاخ گل افعی " کا جواب یوں دیتی کہ ؎

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ برپا را

مگر تم سے کیا لکھوں؟ جانتی ہوں کہ تم نہ " بزیر شاخ گل افعی گزیدہ " کو سمجھے، اور نہ " تپیدن دل مرغان رشتہ برپا " کو سمجھ سکتے ہو! تمھاری کج فہمیاں اور نافہمیاں مجھے ہنساتی بھی ہیں اور رلاتی بھی ہیں، ہوشمند، تعلیم یافتہ نوجوان کیسے جاتے ہو اور ایک بچہ سے زیادہ شعور نہیں رکھتے! میری عمر ہنوز ۲۵ سال کی نہیں مگر شباب کی تمام نعمتوں سے محروم ہو چکی ہوں! لوگ بظاہر میرا عنفوان شباب دیکھتے ہیں، اور میں اپنے اندر جوانی کا ایک شائبہ بھی نہیں پاتی۔ اس نرم حسین اور گلابی کھال کے نیچے گویا ایک خزاں رسیدہ جھریاں پڑا ہوا بوڑھا جسم ہے، جس کی بدصورتی پہ باہر کا خوں پردہ ڈالے ہوئے ہے — زندگی کا آتش دان کس قدر سرد ہے! کاش کہ تم ۲۲ سال کے ننھے بچے نہ ہوتے اور میں ۲۵

سال کی بڑھیا نہ ہوتی! اگر میں اور تم جگہ بدل سکیں تو آؤ چند روز کے لیے جگہ بدل لیں، تم میری جگہ آجاؤ اور میں تمہاری جگہ ـــــ پھر دیکھو ساری جوانی بھول جاؤ گے؟ ـــــ،

یہ بھی تمہاری طفلانہ سادگی کا ایک نمونہ ہے کہ کچھ بن نہ آئی تو مجھے طعنے دینے لگے۔ تم نے عورت کی کتاب زندگی کا ایک حرف نہیں پڑھا، لو آؤ، آج دعویٰ کرتی ہوں میری زندگی کا ایک تماشہ دیکھ لو، میری کسی ایک شب یا کسی ایک دن کے چند گھنٹوں کو اپنی عشق و عاشقی کے سارے عہد سے بدل لو۔ اپنی عمر بھر کی کلفتوں کو مجھے دو اور میرے کرب روحانی کی چند ساعتوں کو مجھ سے لیلو، پھر دیکھو کہ کس کا افعی زیادہ زہریلا ہے؟ کس کے زخم زیادہ گہرے ہیں اور کس کا ناسور زیادہ پرانا ہے؟

تمہیں اپنی زندگی کا ہر روز پیش آنے والا صرف ایک واقعہ سناتی ہوں اور پھر تم سے سوال کرتی ہوں کہ کیا تم بھی کبھی اپنے دل و دماغ اور اپنے تمام تر وجود روحانی کو اس طرح خاک میں ملا سکتے ہو؟

میری زندگی کی ہزاروں راتوں کی طرح گذشتہ شب بھی ایک رات تھی جب میں اپنے جسم کو ایک اجنبی کے آغوش میں پاتی تھی، صرف اس لئے کہ اس نے میرے حسین جسم کی معقول قیمت ادا کی تھی، اس شب میں وہ مجھ سے کس کس طرح اظہار الفت کرتا تھا اور میں اس سے، میں کوشاں تھی کہ وہ اجنبی مجھ پر ہمہ تن مبتلا ہو جائے اور وہ چاہتا تھا کہ میرے جسم کی تمام تر نزاکت و رعنائی کو اپنے نفس پرستانہ قربان کر ڈالے میں جانتی تھی کہ شاید صبح کے بعد میں اور وہ کبھی پہچانا نہ ہونگے مگر شب کے چند گھنٹوں کی قیمت تو بہرحال اس نے ادا ہی کی تھی اور وہ تو مجھے اُس کے آغوش میں ہنس ہنس کر گذارنے

ہی تھے۔ تمہیں یقین نہ آئیگا کہ میں اس کی باتوں پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ میرے قہقہوں سے سارا کمرہ گونج رہا تھا۔ وہ اپنے بھدے اور بیشتر گھنونے عامیانہ مذاق اور ہزلیات سے اپنی دنیا کی عیش پرستی کا اظہار کرتا تھا اور میں اس کے بھونڈے اور بازاری فقروں کی داد دیکر گویا اس کو خوش کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ رات کے اس سفر کی ہر منزل میں میرا قدم اس کے ساتھ اٹھتا تھا۔

پھر میں صبح کو گھر آئی، تھکی ہوئی، بے خواب آنکھیں، بیٹھا ہوا، ڈوبا ہوا دل — پریشان دماغ، چاہتی تھی کہ چند ساعت سو رہوں اور گذشتہ رات کے ہنگامہ گناہ کو بھلا کر آئندہ رات کی عشوہ فروشی کے لئے تازہ دم ہو جاؤں لیکن ابھی بستر پر جانے کا ارادہ ہی کررہی تھی، رات کے مرجھائے ہوئے پھول ہنوز میرے گلے میں تھے کہ کسی کی آہٹ پاکر سنبھل بیٹھی، یہ آنے والے ایک چاہنے والے تھے، یکے از گروہ عاشقاں! اپنے عشق کی ایک طویل داستان لے کر آئے، ہمیشہ اسی طرح آتے ہیں بیٹھے، بسورتے میری طرف تکتے رہے، میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر دباتے رہے —— گویا اپنے عشق کی بجلی کو میرے جسم میں پہونچا رہے ہیں —— پھر وہ ہاتھ میری کمر تک پہونچا۔ سر میرے سر سے مل گیا۔ ان کا گرم اور متعفن سانس، جس میں پائیریا کی بدبو اور خوردنی تمباکو کا بھبکا بھی شامل تھا میرے رخساروں سے باد سموم کی طرح ٹکرایا۔ آخر بہت سی عاشقانہ تمہیدوں کے بعد مدعا زبان پر آیا دہی کہ "آج شب کو تشریف لائیے"۔ میری طرف سے بھی اظہار التفات میں کمی نہ ہوئی۔ ایسے موقعوں پر میں ہمیشہ اپنے اصلی چہرے پر گویا ایک کاروباری چہرہ، مسکراتا ہوا، چمکتا ہوا، ہمت افزا چڑھا لیا کرتی ہوں، وہ بھی ایک خوبصورت تحفہ میرے لئے لیکر آئے تھے اور اس کے بعد "شب کو تشریف لائیگا" کا مطلب یہی تھا کہ نقد قیمت عنایت فرمائی —— خدا خدا کر کے وہ تشریف لے گئے اور میں نے سر

تکیہ پر رکھا۔ ابھی آنکھ نہ جھپکی تھی کہ ماما ایک خط لے کر آئی۔ یہ بھی ایک پیام الفت تھا۔
معہ اس التجا کے کہ "آج شب کو تشریف لائیے"۔ ناچار اٹھ بیٹھی، جواب لکھا کہ۔

"میرے پیارے! آج طبیعت بہت خراب ہے۔ کل ضرور آؤنگی، تم سے
جدا رہنا مجھے کب گوارا ہے۔ آج کی غیر حاضری معاف کرو ——
تمھاری جان نثار وغیرہ وغیرہ —"

بارے آنکھ لگ گئی۔ کوئی آدھ ہی گھنٹہ سوئی ہونگی کہ مرا سانگار عاشق زار —— جن کی میں ابھی ابھی جان نثار وغیرہ وغیرہ تھی متیاب ہوکر خود ہی تشریف لائے، بیچارے نحیف العمر ہیں، پنجاہ و پنج۔ بالوں پر سفیدی کی نوبت کافی ہے۔ داڑھی بھی رکھتے ہیں گو زیادہ لمبی نہیں۔ کمر میں اکثر درد رہتا ہے۔ دائم المریض ہیں۔ ایک آنکھ سے ذرا کم نظر آتا ہے۔ گذشتہ موسم سرما میں داہنی جانب فالج کا اثر ہو گیا تھا۔ مگر کیا کریں بایں حال خراب مجھ پر مرتے ہیں، ان کی جیب پُر ہے اس لئے میں بھی اس طرف مائل ہوں! میرا جواب پاکر اور یہ سن کر کہ میں نصیب دشمناں بیمار ہوں، بھاگے ہوئے، گھبرائے ہوئے آئے جب وہ اس طرح تشریف لاتے ہیں تو پہلے چند منٹ دالان کے باہر ٹھہر کر اپنا سانس درست کرتے ہیں تب اندر قدم رکھتے ہیں۔ میں یہ تماشہ گوشۂ چشم سے دیکھا کرتی ہوں معمولی ادائے عشق یہ ہے کہ ہر ملاقات میں ایک دفعہ روتے ضرور ہیں! میرے گلے میں باہنیں ڈالکر یوں شروع کرتے ہیں۔" میری پیاری (میری پر زیادہ زور ہوتا ہے) میری پیاری (کبھی پیا پر زور اور کبھی ری پر) پیا...... پیار...... ی..." کہتے کہتے ایک ہی دفعہ ڈھیر ہوجاتے ہیں۔ چند آنسو ان کی آنکھوں سے نکل کر داڑھی کے گھنے جنگل میں غایب ہوجاتے ہیں —— تھوڑی دیر کے لئے —— تا آنکہ وہ داڑھی ان قطرات خون جگر کو میرے رخسار تک پہونچا دیتی ہے جب وہ یہ خراج محبت ادا فرما چکتے ہیں تب اپنی محبت کی ایک لاکھ دفعہ دہرائی ہوئی داستان

پھر مفصل اور مشرح سناتے ہیں اور کہیں کہیں مجھ سے داد بھی چاہتے جاتے ہیں" میری عمر دیکھو اور تمہارے عشق کے یہ صدمے ـــــ پیاری ـــــ واللہ کوئی دوسرا ہوتا تو مر جاتا ـــــ پیاری۔ لفظ پیاری کثرت استعمال سے ان کی گفتگو کے ایک مستقل ردیف ہو گیا ہے۔ کبھی تین چار گھنٹے سے پہلے اٹھتے نہیں اور جب اٹھتے ہیں تو دروازے تک جاتے جاتے داغ کے دو چار اشعار بھی سناتے جاتے ہیں! ہاں، یہ کہنا بھول گئی کہ کبھی کبھی جب میں ان کے پاس ہوتی ہوں اور کوئی تیسرا نہیں ہوتا ـــــ خلوت کامل ہوتی ہے ـــــ تو گاتے بھی ہیں۔ کیا خوب گاتے ہیں ـــــ غرض یوں شام ہو گئی، پھر دکانداری کا وقت آ گیا۔

تم نے سنا یہ وہی لیلیٰ ہے جو کبھی کبھی تمہارے پہلو میں بیٹھ کر زندگی کا فلسفہ بیان کیا کرتی ہے! یہ وہ عورت ہے جس کے زخم تمہاری محدود نظر سے دور ہیں۔ وہ اپنے وجود فانی کے عزیز ترین سرمایہ کو ہر روز اور ہر شب اس طرح فروخت کرتی ہے اسی کو تم "نجودہ گزند" کہتے ہو، تم اس عورت کے تبسم میں اس درد و کرب کو نہیں دیکھتے جس نے اس کی زندگی کی ساری عمارت کو ہلا دیا ہے؟ تم اس جنازہ میں جس پر کمخواب و دیبا کی چادریں ڈال دی گئی ہیں موت کی تصویر نہیں دیکھ سکتے؟ تم سمجھتے ہو کہ یہ حسین عورت ہنستی ہے تو واقعی وہ ہنستی ہے؟ تمہارے خیال میں وہ افعی کے زہر سے محفوظ ہے؟ اس نے کبھی افعی کے پیچ در پیچ جسم کو اپنے گلے میں لپٹا ہوا نہیں دیکھا، کاش تم جانتے کہ تمہارے افعی کا نیش اس بدنصیب کے زخموں کے مقابلے میں ایک پھانس کی خلش سے زیادہ نہیں، مگر تم کب جانتے ہو کہ ایک مٹھی بھر آٹے کے لئے یہ جوہر زندگی کس طرح ارزاں فروخت ہو رہا ہے، آؤ! ایک دن میری زندگی کے چند لمحے دیکھ لو۔ تم کبھی کبھی رو دیتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ "عشق" ہے۔ مگر میں ہنستی ہوں، اس لئے کہ ہنسنا میرا پیشہ ہے اور اس لئے کہ رو نہیں سکتی ـــــ آنسو کہاں سے لاؤں؟ میری ہنسی میرا سرمایہ تجارت ہے سن لو اور یاد رکھو کہ ایک خانماں برباد عورت کو جو چاہے کہو مگر طعنے نہ دو ـــــ تمہیں اس بدنصیب

کی مصیبت معلوم نہیں —،

# نواں خط

زندگی کا یہ ہنگامہ، انسان کے گناہ، اس کی کمزوریاں اور زبردستیاں، قوی کا ظلم ضعیف پر، طاقتور کا پنجہ کمزور پر، بڑی مچھلیوں کا کھلا ہوا منہ چھوٹی مچھلیوں کیلئے، چیونٹیوں پر ہاتھی کے پاؤں کا فنا کر دینے والا وزن، مغرور شہ سوار کا بدلگام گھوڑا اور سڑک پر چلنے والے اندھے، بہرے — کیا یہ سب تقدیر الہٰی ہے، نظام فطرت ہے؟ یہ اشرف المخلوقات کیا اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کا گوشت اور پوست نوچیں اور کھائیں؟ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے پر، گیہوں کے ایک ایک دانے پر خون کی ندیاں بہادیں؟ کیا ساری دنیا انسان صورت درندوں سے اسی لئے بھر دی گئی ہے کہ وہ خدا کی زمین پر کسی ایک گھر میں بھی سکون اور اطمینان باقی نہ رہنے دیں؟ — مگر آپ زندگی کے ان حقائق کے مطالعہ میں کیوں اپنا وقت ضائع کریں آپ کو اتنی فرصت کہاں؟ آپ تو میرے عشق میں مبتلا ہیں! مرد جب عورت سے عشق کرتا ہے، عورت پر مرتا ہے تو اس کا صرف ایک ادنیٰ مگر بہت قوی جذبہ ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ "یہ عورت حسین ہے، یہ تیرا شکار ہے، یہ تیرے نفس کا مذدانہ ہے!" مرد نے اپنے نفس کی خواہشوں کا نام "عشق" رکھا ہے۔ اپنے ضمیر کے پنجرے پر سیاہ غلاف چڑھا تا کہ اس کا ضمیر نہ کچھ دیکھ سکے نہ سن سکے۔ مرد اپنے نفس کی مشعل روشن کر کے گناہ کا راستہ طے کرتا ہے خدا کی کسی مخلوق کو اپنے ضمیر کو دھوکے دینے کا یہ کمال حاصل نہیں جو مرد کو حاصل ہے۔ یہ اشرف المخلوقات کے لئے وجہ شرف گویا یہی فریب اور مکر ہے جس کا سب سے زیادہ استعمال عورتوں پر کیا جاتا ہے۔ عورت بھی مکر و فریب میں مرد کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتی ہے مرد بلا شبہ عورت سے اس فن میں بہت آگے ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ میں فلاں عورت کو چاہتا ہوں تو اس کی،

خواہش کا صحیح ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں عورت سے بستر کی خلوت چاہتا ہے۔ لیکن وہ اپنی
اس خواہش کے مکروہ چہرے کو الفاظ کے پردہ میں چھپا دیتا ہے، عورت اس کے خوبصورت
اور شیریں الفاظ سے دھوکہ کھاتی ہے، جیسے چڑیا جال کے اوپر بکھرے ہوئے دانے کو دیکھ کر۔
اور پھر اس عشق کے معنی اس وقت سمجھتی ہے۔ جب پانی سر سے گذر جاتا ہے! بدنصیب عورت
کہا جاتا ہے کہ عورت فطرتاً حیلہ جو اور مکار اور مرد فطرتاً بھولا اور سادہ لوح ہے! اللہ اللہ
عورت کا مکر و کید، اور مرد کی سادہ دلی، کوئی مجھ سے پوچھے، مجھ جیسی عورت کی زندگی اس
دعویٰ کی سراسر تکذیب ہی۔ جب میرے عاشقان صادق میری خلوت میں تشریف لاتے ہیں
تو مجھ سے پوچھو، میں ان کی "سادہ دلی" کے کیا کیا تماشے دیکھتی ہوں جس کو وہ عشق کہتے ہیں
وہ ایک غزل ہے جس کا مقطع وہی نجاست بے ناموسی ہے۔ جب وہ میرے پہلو میں آکر بیٹھتے ہیں اور
بسور بسور کر سوز و گداز عشق کا حال بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں "میں مرتا ہوں میں تم پر جان
دیتا ہوں۔ مجھے جیسی تم سے محبت ہے ایسی تو کبھی کسی سے نہیں ہوئی، تم میری جان و دل کی مالک
ہو، تم بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا" تو میں دل میں ہنستی ہوں اور کن آنکھوں سے دیکھتی ہوں
کہ اس اظہار التفات بے پایاں کے ساتھ وہ اب میری طرف کھسکتے آتے ہیں، اس عالم بے
اختیاری میں ان کا ایک ہاتھ میرے ہاتھ کی طرف آتا ہے، ان کا سر میرے شانے کی طرف، ان
کا دوسرا ہاتھ میری کمر کی جانب اور میں اندازہ کر لیتی ہوں کہ غزل کا مقطع قریب ہے۔ پھر چند روز
ان کا عشق کافی گرم رہتا ہے، تا آنکہ ہوس کا اشارہ کسی دوسری جانب ہوتا ہے اور میرے
باسی بوسوں کی تھکن کو وہ محسوس کرنے لگتے ہیں، ان کا عشق بھی رفتہ رفتہ کھلنے لگتا ہے اور فوراً
شوق کی واماندگی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کسی دن وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی میری طرف نہیں
آتے۔ کبھی سن لیتی ہوں کہ اب ان کے عشق کے سمند بادپائی باگ کسی دوسری طرف پھر گئی ہے
اس کا نام "عشق" ہے! اور یہ "عشق" ۹۵ فیصدی مردوں کا مابہ الامتیاز ہے۔ گھر کی بیویوں

کے ساتھ ہو یا بازار کی عورتوں کے ساتھ ان کے عشق کی نوعیت اکثر یہی ہوتی ہے۔ میخانہ کے چپہ چپہ سے لیکر مسجد کے اونچے سے اونچے مینار تک؛ بڑی سے بڑی مونچھ سے لیکر لمبی سے لمبی ڈاڑھی تک، مرد کی حقیقت یکساں ہے، ناقابل تغیر۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش،

من انداز قدت را می شناسم ؎ ،

ایک مہربان اکثر تشریف لاتے ہیں "صرف گانا سننے کیلئے" ان کے اظہار حال میں لفظ "صرف" پر بہت زیادہ تاکید ہوتی ہے وہ جب موقع پاتے ہیں تو اپنی اور اپنی بیوی کی باہمی الفت کی بہت خوشگوار داستان مجھے سنایا کرتے ہیں "میری بیوی لاکھوں میں ایک ہے۔" مجھے اس کے بغیر قرار نہیں آتا" قسم لو جو آج تک سوائے اس کے کسی دوسری عورت کی طرف نیت بھی کی ہو" میں حیران ہوتی ہوں کہ خانگی زندگی کی ان برکات کے باوجود مجھ پر یہ کرم کیوں ہے؟ آخر ایک دن مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے اس داستان کو سنتے سنتے عرض کیا کہ "حضرت! آپ، جیسے خوش نصیبوں کے لئے ہم جیسوں کے سیاہ خانہ پر اس قدر آنا جانا ہرگز مناسب نہیں زندگی کی وہ نعمت جو آپ کو اپنے گھر میسر ہے ہم لوگوں کے پاس کہاں"؟ کچھ شرمائے کہنے لگے "مجھے تو موسیقی کا شوق ہے اسی کی خاطر آپ کے یہاں آتا ہوں" میں نے عرض کیا کہ آپ کہیں تو آپ کی بیوی کو گانا سکھا دوں، پھر آپ کو میرے یہاں آنے جانے کی زحمت برداشت کرنی نہ پڑیگی" بولے کہ "یہی تو ممکن نہیں، شرفا کے دستور کے خلاف ہے" میں نے عرض کیا کہ اگر ان کو گانا، سکھانا شرفا کے دستور کے خلاف ہے تو بازاری عورت کے گھر آنا بھی تو شرفا کا شیوہ نہیں سمجھا جاتا" زچ ہو گئے کھسیانی ہنسی ہنسکر کہنے لگے کہ "اچھا کوئی مزیدار غزل تو سنائیے ——

خدا کی پناہ! موسیقی جو دیوتاؤں کا جادو ہے اس کو بھی ہوس پرست مرد نے اپنے نفس کی جائداد بنا لیا ہے، وہ بازاری عورت کے حسن کی خوشہ چینی کرنے کیلئے موسیقی کا نام درمیان میں لاتا ہے

مگر موسیقی کا کیا ذکر وہ تو اپنی نفس پرستی میں بلا تکلف خدا کا نام بھی درمیان میں لاتا ہے کسی نئی اور حسین تر عورت کو پہلو میں بٹھانے کی خواہش ہوتی ہے تو کہتا ہے خدا نے چار بیویوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ گویا خدا نے اجازت دی ہے کہ تم میرا نام لے کر عیاشی کر سکتے ہو۔ غرضیکہ موسیقی اور فنون لطیفہ تو کیا مرد کی ہوسناکیوں نے تو خدا اور پیغمبر کے نام کو بھی آلودہ کئے بغیر نہ چھوڑا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

کائنات کا حسن حقیقی بھی اس کے نفس کے دستر خوان کی چٹنی ہے: عورت کا گانا وہ اس لئے نہیں سنتا کہ موسیقی اس کے دل میں کوئی سوز و ساز پیدا کرتی ہے۔ وہ عورت کی خاطر موسیقی کا ذوق ظاہر کرتا ہے! اس کے دل میں موسیقی کے ذریعہ سے "عشق" پیدا ہوتا ہے۔ میں موسیقی کے ان قدر دانوں کو خوب جانتی ہوں ــــ خدا کی مار ان مکاروں پر! جب وہ میری موسیقی پر جھوم جھوم کر سر ہلاتے ہیں اور مست ہو ہو کر کودتے ہیں تو مجھ پر ان کے کیف و سرور کی حقیقت اس قدر واضح ہوتی ہے کہ اکثر جی چاہتا ہے کہ بر سر محفل ان جھومنے والوں کے سر پر سارنگی کھینچ ماروں۔ یہ حیوان اپنے نفس کو قدرت کی نعمتوں کا اجارہ دار سمجھتے ہیں اور ان کا مجرمانہ استعمال اپنے لئے بالکل جائز سمجھتے ہیں۔ قدرت نے انگور پیدا کیا اور انھوں نے اس کو سڑا گلا کر شراب بنائی کہ وہ ان کے گناہوں میں ان کی اعانت کرے! قدرت نے پھول پیدا کئے اور انھوں نے ان پھولوں کو درختوں سے چن چن کر اپنے گناہ آلود بستروں پر کھیلا اور مسلا، قدرت نے لوہا دیا اور انھوں نے اس کی تلواریں بنائیں اور پھر ان تلواروں کو ایک دوسرے کے خون سے رنگا۔ حفاظت جان و مال کے جس قدر سامان خدا نے عطا کئے وہ سب ظلم اور زبردستی کے لئے استعمال کئے گئے۔ خوشنوا اور خوبصورت پرند جن کو جنگلوں اور باغوں کی زینت بنایا گیا تھا، پنجروں میں بند کئے گئے۔ ان کے نغمے آزاد نہ رہے۔ ان کے پروں کی طاقت سلب کر لی گئی اور یہی حال عورت کا ہوا! یہ حقوق ملکیت جن کا اعلان کیا جاتا ہے جن کو جزو مذہب د

اخلاق بتایا جاتا ہے، یہ تفوق فضیلت و برتری جس کا اشتہار دیا جاتا ہے مدرسوں میں، مسجدوں اور خانقاہوں میں، یہ سب زیردستیوں کے ساتھ زبردستوں کی زبردستی کا اعلان و اشتہار ہے ـــــ اعلان و اشتہار نہیں ادعا ہے۔ تم جو بار بار کہتے ہو کہ میں تمہاری زندگی کا سرمایہ ہوں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ تمہارا بس چلے تو ایک خوبصورت چڑیا کی طرح مجھے پنجرے میں بند کرکے رکھو اور میرے حسن کا سرمایہ تمہاری نفسانیت کے کھاتہ میں درج ہو جائے ـــــ حسن کے شقی القلب مہاجن۔!

۴۰

# دسواں خط

اگر تم میرے ان پرزوں کو جمع کرتے جاؤ اور کسی دن چھپوا کر شائع کردو تو ملک کے علمی حلقوں میں تمہارا نام عزت کے ساتھ لیا جائے یا نہ لیا جائے مگر مشہور خوب ہو جاؤ گے! بازارِ حسن میں میری دکان اس قدر کافی مشہور ہو چکی ہے کہ اب تم جیسے لوگ، مجھ سے نسبت قریب رکھنے والے، پھر ماشاء اللہ دولتمند، تعلیم یافتہ، میرا دامن پکڑ کر اچھے خاصے قومی لیڈر بن سکتے ہیں! اس زمانہ میں قومی لیڈری کیلئے صرف ایک لمبی زبان اور بڑے سے نقارے کی ضرورت ہے۔ جو کوئی کچھ عرصہ تک اخباروں میں چھپتا رہے۔ وہ بڑی آسانی سے لیڈر قوم بن جاتا ہے۔ تم بھی اگر کہیں "چھپ" جاؤ تو رہنمائے ملت ہو جاؤ گے۔ یہ انقلاب جنسیت کچھ مشکل نہیں، مطبع کی سیر آدھ سیر سیاہی اور دو چار پتھر، ان دونوں کا مرکب لیڈر ہوتا ہے اگر ہندوستان کے "بزرگان ملت" میں سے کوئی صاحب اپنی سارنگی میں ایک تار کا اضافہ کرنا چاہیں تو میں ان اوراق کا حق تصنیف ان کی نذر کر سکتی ہوں۔ یا اگر محراب و منبر کی

قندیلیوں کو زیادہ روشنی اور چمک درکار ہو تو وہ بھی ان اوراق کے خلاف احکام و فتاویٰ کا جہاد کر سکتے ہیں اور بلا شبہ ان کی شہرت و عظمت میں ایک بازاری عورت کی بیحیائی کے خلاف جہاد بہت کچھ اضافہ کر دے گا۔ وہ جب فرمائیں گے کہ ایک فاسق و فاجر عورت کے ادنیٰ جذبات کی ملک میں اشاعت ایک اخلاقی جرم ہے اور اپنے اس قول پر بہت کچھ "قال اللہ" و "قال الرسول" پیش کریں گے تو کون ہے جو بجا و درست نہ کہے؛ جب وہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر اور عبا کی چوڑی آستینوں کو اکسا کر ایک چیخ ماریں گے اور کہیں گے کہ لوگو اس فاحشہ کو سنگسار کرو جو ہماری آئندہ نسلوں کی زندگی کے شفاف چشموں کو گدلا کر رہی ہے جو "حاملین شریعت حقہ" پر فقرہ بازی کرتی ہے تو معلوم نہیں میرا کیا حال ہوگا؟ کسی جمعیۃ علماء نے ——— دلی کی، کانپور کی، پٹنہ کی، دلدار نگر کی، فرخ آباد کی، لکھنؤ کی (اب تو جتنے "علمائے کرام" ہیں اتنی ہی جمعیتیں بھی ہیں) میرے مکان پر پکٹنگ شروع کرا دیا تو پھر میرے گھر امن داماں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بڑے بڑے شرفا اور معززین کو میرے گھر آنے جانے میں سخت زحمت پیش آئیگی اور امن عامہ کا قائم رہنا مشکل ہو جائیگا غرضیکہ ان اوراق کی اشاعت بہت سے مست بیلوں کے سامنے سرخ کپڑے کا کام دیگی، اور ان کی آتش غضب میں میں تو جل بھن کر ختم ہو جاؤنگی ——— تفنن برطرف، واقعہ تو یہ ہے کہ میں تو ہر مقدس عبا کے دامن پر سجدے کرتی۔ اگر وہی مقدس عبا والے میری ساڑھی کے آنچل پر سر نہ جھکائے ہوتے، یہ اوراق شائع ہوں یا نہ ہوں، مظلوم عورت کی آواز کو نفس پرست اور خود پرست مرد سنیں یا نہ سنیں، لیکن جو آواز بلند ہو چکی ہے وہ بند نہیں ہو سکتی، پانی کا وہ قطرہ جو مسلسل پتھر پر گرتا رہتا ہے ایک دن اس پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے، آج اپنی مظلومیت کا ایک حقیقت ناشناس، خود غرض اور ظاہر پرست دنیا کو یقین دلانا مشکل ہے، لیکن وہ دن بھی آئیگا جب پتھروں میں سوراخ ہو جائیں گے

جب بڑے بڑے سرکش سر جھکانے پر مجبور ہونگے! آج ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا کر جس قدر چاہو ہم سے نفرت کرو۔ ہماری کمزوریوں کو مبالغہ کے ساتھ مشتہر کر کے جس قدر چاہو اپنے تفوق کی سند حاصل کرو۔ آج بر سر بازار ہمارا سلام قبول کرنا بھی ایک معزز اور مغرور مرد کی کسرِ شان ہے گو یہ اور بات ہے کہ وہی مرد ظلمت شب کی خلوت میں اپنے نفس کی خاطر ایک فاحشہ کے قدموں پر سر رکھ کر بیچ کر دیتا ہو! کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ گناہ کس کو کہتے ہیں؟ گناہ اس بُرے عمل کو کہتے ہیں جو چھپا نہ رہے اور ظاہر ہو جائے، جو گناہ چھپا رہے وہ گناہ نہیں ہے! تمھارے اخلاقی دستور العمل میں رسوائی گناہ ہے۔ گناہ اگر راز ہو تو اس کا جواز ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اگر جذام کے داغ لباس کے نیچے چھپے ہوئے ہیں تو تم ہرگز جذامی نہیں ہو۔ عیب تو صرف وہ ہے جو ظاہر ہو جائے۔ تمھارے اخلاق کی عمارت کا سب سے بڑا ستون اخفا ہے۔ لیکن مرد اپنی زندگی کے اس اہم فریب سے قطع نظر کر لیتا ہے اور عورت کی مکاری اور عیاری کی داستانوں سے دنیا کے کان بھر دیتا ہے۔ شاید تمھیں بھی میرے ہر لفظ سے بوئے مکر آئیگی۔

عورت مکار ہے، عورت مکار ہے، عورت جو مرد کی طرف قدم بھی نہیں اٹھا سکتی تا آنکہ مرد اس کی طرف خود ہاتھ نہ بڑھائے۔ وہ مکار ہے۔ عورت اپنے جذبات کو کبھی زبان پہ نہیں لا سکتی تا آنکہ مرد قسمیں کھا کھا کر اپنے عشق کی داستان سینکڑوں دفعہ نہ دہرائے مکار ہے۔ عورت جو عمر بھر ایک بُرے سے بُرے مرد کا دامن تھام کر زندگی کی تمام سختیاں سہہ جاتی ہے اور کبھی مرد کے مظالم کو زبان پر نہیں لاتی مکار ہے، وہ بغیر آنسوؤں کے روتی ہے وہ بغیر آواز کے چیختی ہے، وہ آنکھیں بند کئے رکھتی ہے اور دیکھتی ہے، وہ دیکھتی ہے مگر زبان نہیں کھولتی اور صبر کرتی ہے۔ یہ سب عورت کا مکر و فریب ہے؟ اب مرد کی صداقت اور راستبازی بھی دیکھو، وہ عورت کی طرف آتا ہے۔ لب خشک اور آہ سرد بھی ساتھ لاتا ہے

عشق و محبت کا تمام ظاہری سامان لے کر آتا ہے اس کی داستان عشق طویل ہوتی ہے۔ وہ فراق کے صدمے بیان کرتا ہے۔ وہ جدائی کی سختیوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس طرح روتا ہے کہ گویا اس کا کلیجہ شق ہو جائیگا۔ اس طرح گڑگڑاتا ہے کہ گویا آسمان و زمین اس کے نزدیک شاہد عادل ہیں۔ وہ عورت کا آنچل پکڑتا ہے اور اس آنچل کو عرش کے پایہ سے باندھ دیتا ہے وہ کہتا ہے "اے عورت! میری روح تیری روح کو بلا رہی ہے"۔ وہ اپنے جذبات خواہشات پر فطرت کو گواہ لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے "تو کمزور ہے میری جان! میں تیرا محافظ ہوں، تو کم عقل ہے میں تیرے لئے عقل کی مشعل لیکر آیا ہوں، تو اپنی مدد خود نہیں کرسکتی، میں تیرا مددگار ہوں۔ تو ایک امانت ہے جو خدا نے مجھے دی ہے" اس طرح، کہے جاتا ہے — تا آنکہ — ،

اس کی آہ سرد حیوانی خون کی گردش میں گرم ہو جاتی ہے۔ لب خشک عورت کے ہونٹوں سے تر ہو جاتے ہیں، طویل داستان عشق ایک، اور تنہا ایک کامیاب حرف مدعا پر ختم ہو جاتی ہے فراق، اتصال جسمانی کے ایک کیف عارضی سے بدل جاتا ہے، عرش کے پائے سے بندھا ہوا آنچل زمین پر گر پڑتا ہے، عورت کی جو روح ڈھونڈی جا رہی تھی وہ ایک سراب میں غایب ہو جاتی ہے۔ "میری روح تیری روح کو بلاتی ہے" کے بجائے مرد کا نفس پکارتا ہے کہ "اے عورت، میرا جسم تیرے جسم کا طالب ہے"۔ فطرت کی گواہی نظر انداز کی جاتی ہے اور نفس کا دیوتا فیصلہ کرتا ہے کہ ہر ایک مرد کے نفس پر ہزار عورتیں بھی قربان ہو جائیں تو کم ہے" شب کی خلوت میں خدا کی دی ہوئی یہ امانت مرد کے نفس کی مملوکہ اور مقبوضہ ہو جاتی ہے۔ آخر اس کی خواہش کے طوفانی سمندر میں ہزاروں کشتیوں کی طرح یہ ایک کشتی بھی غرق ہو جاتی ہے۔ پانی میں حلقے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر سطح برابر ہو جاتی ہے گویا کوئی کشتی ڈوبی ہی نہ تھی — شیر اپنے شکار سے سیر ہو کر ایک فاتحانہ آسودگی کے ساتھ آرام کرتا ہے! اس شیر کے خون آلودہ دانتوں

کی دھار کا حال اس ہرنی سے پوچھو جس کے تمام تر وجود روحانی کو اس موذی کے دانتوں نے چھلنی کر دیا ہے ___،

جاؤ! خونِ جگر کے ان بے حساب قطرات کا حساب لگاؤ ___ جس سے تمہارے اس عہدِ جوانی میں ___ جس پر تمہیں ناز ہے ___ ہر مرد کو ناز ہوتا ہے، تمہاری تواضع کی گئی ہے ___ جاؤ!

# گیارھواں خط

کبھی تم نے اپنی گذری ہوئی عمر کو اپنے ضمیر کے آئینے میں دیکھا ہے؟ اتنی استعداد بھی ہے؟ جوانی کی مستیوں نے اس آئینہ کے ٹکڑے کر ڈالے ہونگے۔ پھر بھی کوئی ٹکڑا اگر باقی ہو تو ڈھونڈھ کر گرہ میں باندھ لو۔ جب جوانی کا بھوت تمھاری گردن سے اُترے گا ___ تو وہ ٹکڑا کام آئے گا۔

گذشتہ شب میں تنہا تھی، صرف اس لئے کہ تنہا رہنا چاہتی تھی، مردانہ عشق و ہوس کے مظاہرے مجھ پیشہ ور کو بھی کبھی کبھی تھکا دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ میری خلوت کے حصہ دار حاضر نہ ہوں ___ وہ کب حاضر نہیں رہتے، ایک نہ ہوگا تو کوئی دوسرا ہوگا۔ مگر اصل یہ ہے کہ میں نے دردِ سر کا بہانہ کر کے سرِ شام ہی مکان کا دروازہ بند کرا لیا تھا۔ پھر بھی، "خاں صاحب" تشریف لائے اور آوازیں دے کر واپس گئے۔ "میر صاحب" بھی دروازہ پر بہت دیر تک کھانستے کھنکھارتے رہے۔ "شیخ جی" بھی کچھ دیر ___ تک پیادہ ادھر ادھر پھرتے رہے، آخر چلے گئے۔ ساہو صاحب نے بھی اپنی موٹر کا ہارن بہت دیر تک میری دیوار کے

سے نیچے بچایا، افسوس ہے کہ مایوس گئے۔ "اڈیٹر صاحب" نے بھی دو تین حملے کئے مگر مجھ تک نہ پہونچ سکے۔ "وکیل صاحب" کا آدمی بھی آیا مگر دروازے پر دو چار ہاتھ مار کر لوٹ گیا اس طرح میرے حسن کے تمام چوکیدار آدمی رات تک آوازیں لگا لگا کے گھروں کو سدھارے میں نے سر تکیہ پر رکھا اور نیند کا انتظار کرنے لگی ۔۔۔۔ یہ گویا میری شب تعطیل تھی۔

شام بستر کی چادر اور تکیوں کے غلاف سب بدلوا دیئے تھے۔ تم نے ایک روز خوب کہا تھا کہ اس بستر میں قسم قسم کے عشق مرکب کی بو آتی ہے! کبھی کبھی خوب کہتے ہو، ظریف ہو مگر حیف کہ فلسفی نہیں، عاشق کو فلسفی ضرور ہونا چاہئے۔ غرضیکہ اس "عشق مرکب" سے گھبرا کر شام میں نے سارا بستر بدلوا دیا تھا۔ ہائے تمھیں معلوم نہیں کہ اس بستر کا ہر تار کس قدر آلودہ ہے۔ تمھیں معلوم ہوتا تو میرے بستر پر کبھی قدم نہ رکھتے۔ میرے بستر کے تکلفات کو دیکھ دیکھ کر تم کیسے کیسے پیچ و تاب کھاتے ہو۔ گویا کہ چادر کی ہر شکن میں تمھارا ایک رقیب پوشیدہ ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ یہ کچھ غلط بھی نہیں! مگر تم ان احمقوں کو کیا کہو گے جو اس بستر پر آرام کرنے کے لئے مرے جاتے ہیں، گویا وہ دوسروں کا منہ کالا دیکھ کر رشک کرتے ہیں کہ ان کا منہ کیوں کالا نہ ہو۔؟

میری نیند میری نہیں، حسن کے ساتھ میند بھی فروخت کرنی ہوتی ہے۔ مرد کا مطالبہ فطرت کے تقاضوں کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جس عورت کو مرد نے شب بھر کیلئے خریدا اوس کے سارے قوی دماغی اور جسمانی گویا مرد کی جائداد ہو گئے۔ ہنسے تو وہ ہنسنا اس کا نہیں، روئے تو رونا اس کا نہیں، خوابگاہ اس کی نہیں۔ بستر اس کا نہیں جو کچھ ہے سب "مرد" دیوتا کا ہے۔ وہ عورت پن، وہ نسوانیت، جس کے وضع کرنے میں فطرت نے اپنی تمام تر شعریت اور اپنی انتہائی صنعت صرف کی، ماں کے آغوش میں ضرور

میرا حصہ تھی مگر اب نہیں ! میں نے بھی قدرت کے خوان یغما سے اپنا حصہ پایا تھا، میں بھی اپنی پونجی لیکر دنیا میں آئی تھی مگر اب نہیں ؟ اب میرا وجود ظاہری ایک زرکار خریطہ ہے جس کے اندر کبھی زندگی کی ایک دستاویز رکھی ہوئی آئی تھی ۔ وہ دستاویز گم ہو گئی ۔ مگر خریطہ پر ظاہر پرستوں کا ہجوم ہے ! کاغذ کی قندیل کا کاغذ بیشک خوبصورت ہے مگر اندر کا چراغ روشن نہیں ۔ اس جملہ معترضہ کے بعد پھر اپنی شب کی بیتی سناتی ہوں ۔

رات میری خواب گاہ میں کوئی نہ تھا ۔ مگر ایک شمع جو فرش پر رکھی ہوئی جل رہی تھی کچھ سوچتے سوچتے میری نظر اس شمع پر پڑی ـــــ نظر پڑی اور وہیں جم گئی ۔ میں اس حالت میں تھی کہ نہ سو رہی تھی نہ جاگ رہی تھی ۔ آنکھیں جھپک رہی تھی مگر دماغ ہوشیار تھا ۔ کمرے کی تاریکی میں شمع کی لو گویا سیاہ چادر کا ایک شگاف تھا ، ایک حلقہ تصویر تھا ، جس سے باہر کی روشنی نظر آ رہی تھی ۔ اس روشنی میں کچھ متحرک اجسام بھی تھے ۔ ہر تصویر اس دریچے کے سامنے سے گذرتی تھی اور میں اس کو پہچانتی جاتی تھی ـــــ یہ میری استانی کا کمرہ ہے اس کے دروازے پر میں اپنی گڑیا سنبھالے کھڑی ہوں ۔ ایک حسین عورت مجھے بلا رہی ہے وہ میری ماں ہے ـــــ ایک خوشرو متین اور دراز قد شخص میری طرف آ رہا ہے ، وہ میرا باپ ہے ـــــ یہ خوبصورت عمارت میرا اسکول ہے ـــــ ہم کہیں جا رہے ہیں ریل کا اسٹیشن ہے ـــــ میرے والد کے ساتھ ایک خوشرو نوجوان ہے ، مردانہ حسن کی ایک تصویر ، جو ہنوز مکمل نہ ہوئی تھی ۔ یہ میرا منگیتر ہے ، جس کے ساتھ میری جوانی اور میرا بڑھاپا گذرنا چاہیئے تھا ـــــ میں اس کی طرف نیچی نگاہوں سے دیکھ رہی ہوں اس طرح کہ گویا دیکھ نہیں رہی ۔ میرے جسم میں ایک ناقابل بیان لرزہ ہے ۔ آغاز زندگی کی اس لرزش کا ترجمہ قلم اور زبان کی طاقت سے باہر ہے ۔ عورت کی جوانی کی وہ پہلی لرزش تھی جو اس دن اسٹیشن پر میرے جسم میں پیدا ہوئی ! مرد عورت کی اس کیفیت سے کبھی واقف

نہیں ہو سکتا ـــــ شمع کی لو بھی لرز رہی تھی ـــــ پھر ایک بائیس سالہ جوان رعنا اس دریچہ کے سامنے سے گذرا ـــــ یہ میرا پہلا مرد ہے جس نے مجھے عورت بنایا مگر بیوی نہ بنایا۔ جس نے مجھے میری شاخ سے پھول چن کر چند روز گلے کا ہار بنایا اور پھر مسل کر بدرو میں پھینک دیا۔ جس ظالم نے میری دوشیزگی کو وہاں پہونچا دیا۔ جہاں اب تم دیکھ رہے ہو! جس نے مجھے وہ بنا دیا جو میں اب نظر آتی ہوں! ـــــ کھڑکی میں سے ہوا کا ایک جھونکا آیا، شمع کی لو کانپی اور گل ہو گئی! میری آنکھ لگ چکی تھی! تاہم فانوس خیال کا یہ پیکر دماغ کے کسی گوشہ میں جہاں غیر کا تخیل نہیں پہونچ سکتا۔ کوئی ایسی تصویر چھپائے رکھتا ہے جو میری گذری ہوئی زندگی کی مکمل تصویر ہے ـــــ محبت کے اس محفوظ سرمایہ میں میرا کوئی شریک نہیں۔ رات میں نے شمع کی لرزتی ہوئی لو میں پھر ایک دفعہ وہ تصویر دیکھ لی، گویا میں پھر اپنی پہلی زندگی میں ـــــ دوشیزگی کی زندگی میں واپس چلی گئی ہوں ـــــ لیکن صبح کی روشنی میں میری یاد کے اس خزانے پر اژدہے بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں جن میں سے ایک تم بھی ہو! اس خزانہ تک میں پہونچ نہیں سکتی۔ تم لوگ وہاں مجھے پہونچنے نہیں دیتے۔ اپنی حسن پرستی کے ہنگاموں سے تم نے میرے تخیل کے راستے تک بند کر دیئے ہیں۔ تمھاری عشق بازیوں میں مجھے اس کی بھی فرصت نہیں کہ خلوت خیال میں ایک لمحہ فارغ ہو سکوں! ـــــ صبح آنکھ کھلی تو شمع ختم ہو چکی تھی! اور سورج کی شعاعیں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ شمع کس قدر جلد پگھلتی ہے۔ جس قدر تیز جلتی ہے اسی قدر جلد ختم ہوتی ہے۔ میری زندگی کی شمع اب بہت تیز روشن ہے اور انشاء اللہ بہت جلد گل ہو گی اپنی زندگی کو دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہوں، تم اور تم جیسے سب آئیں اور مجھ خانہ برانداز زندگی کی پونجی کو جلد سے جلد لوٹ لیں! یہ سرمایہ میری گردن پر ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے لوٹ لو، جس قدر لوٹ سکو۔ مجھ پر تم لوگوں کا احسان ہوگا۔!!

# بارھواں خط

لوگ جب قے کرنا چاہتے ہیں تو سکنجبین پی کر حلق میں پر ڈالتے ہیں۔ مجھے قے کرنے کیلئے اس عمل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ سکنجبین پیتی ہوں نہ پر استعمال کرتی ہوں، اس سے زیادہ آسان اور زود اثر ترکیب یہ ہے کہ اپنے عشاق میں سے دو چار کے محبت نامے پڑھ لیتی ہوں اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے —— تم لوگوں کی دریغ بافیاں کس قدر گھناؤنی ہیں! وہ عبارت آرائیاں، بیان حال دل کی وہ رنگینیاں، میرے حسن کے ساتھ کاغذ کے پردے میں ان کا وہ اختلاط، نثر میں داستان عشق اور نظم میں احوال الفت، یہ کڑوے گھونٹ اس قدر پینے پڑتے ہیں کہ اگر میں فلسفی نہ ہوتی تو ان رشحات عاشقانہ اور تم لوگوں کے اس ہذیان نفس نے مجھے پاگل کر دیا ہوتا! تم لوگ جب میرے حسن کی تعریفوں کے چاند اور سورج سے بلند تر مینار بناتے ہو! جن کی بنیاد محض کاغذ پر ہوتی ہے تو میں تمھاری عقل کی پستی پر آنسو بہاتی ہوں۔ تم لوگ جانتے ہی نہیں کہ حسن اور بدصورتی میں کتنا فاصلہ ہے، تم اگر پھول کی تعریف کرتے ہو تو کیا حقیقی حسن پھول کے اندر ہے؟ تم دن کو روشن اور رات کو تاریک کہتے ہو تو کیا یہ دن اور رات کی کوئی قدرتی خصوصیت ہے؟ تمھارا دماغ صحیح ہو تو اس ذرا سے نکتہ پر غور کرو کہ اچھے، برے، خوش اور ناخوش، سیاہ اور سفید، یہ تمام امتیازات اشیاء کے نہیں ہیں۔ بلکہ تمھارے دماغ کی کیفیات کے ہیں، فی نفسہ نہ کچھ اچھا ہے نہ برا ہے۔ نہ سیاہ ہے نہ سفید تم نے یہ سب نام رکھ لئے ہیں۔ جو چیز تم کو خوشگوار معلوم ہوئی وہ اچھی، جو چیز تمھارے کانوں اور آنکھوں کو بری معلوم ہوئی وہ بری، ہر شخص اپنی پسند کے مطابق ہر چیز کی نوعیت قرار دیتا ہے، تعریف کرتا ہے یا مذمت، مرد عورت کی نسبت جو معیار اپنے نفس کی تواضع کے لئے قائم کرتا ہے اس کو عورت سے بھی منوانا چاہتا ہے گویا کہ اس معاملہ میں عورت کو اختیار

تمیز ہی قطعاً حاصل نہیں۔ وہ صرف اس لیئے ہے کہ۔

اگر شہ روز را گوید شب است ایں

بباید گفت اینک ماہ و پروین،

مرد دن کہے تو ہم بھی دن کہیں، وہ رات کہے تو ہم رات کہیں - ایک صاحب اگر اپنی مونچھوں کی نوکوں کو بلند کرکے قیصر جرمنی بن جاتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کا فرض ہے کہ وہ ان کی اس ادا کو پسند کرے، یا اگر کسی صاحب نے انگرکھا اپنے جسم پر چپکا لیا ہے۔ تو وہ مطمئن ہیں کہ کوئی عورت ان کی طرف بغیر متاثر ہوئے نہیں دیکھ سکتی! اگر کسی صاحب کے سر کے بال اچھے بنے ہوئے ہیں تو وہ متوقع ہوتے ہیں کہ عورت ضرور ان کے بالوں پر فدا ہو جائیگی! میں نے اکثر خود پرست عشاق کے ہجوم میں ان نکات پر غور کیا ہے۔ میں اگر کسی صاحب کی آواز میں کشش پاتی ہوں تو وہ اپنے گھونگھر والے بالوں کی داد چاہتے ہیں۔ میں کسی صاحب کی سادہ وضع کو پسند کرتی ہوں تو وہ مجھے رجھانے کیلئے چھیلا بننے کی کوشش میں اپنا وقت ضایع کرتے ہیں، اگر مجھے کسی صاحب کا طرز کلام پسند ہے تو وہ خود اپنی جامہ زیبی پر مفتون کرنا چاہتے ہیں۔ عورت اور مرد کی نفسیات کس قدر مختلف اور ایک دوسرے سے بعید ہیں! مرد ایک خود مختار بادشاہ کی طرح متوقع ہوتا ہے کہ جس بات کو میں اچھا کہوں، اسی بات کو عورت بھی اچھا کہے۔ جس چیز کو میں اچھا سمجھوں وہی عورت کو بھی بھلے، یہ عورت کا فرض ہے اس لیئے قانون ساز ہم ہیں، تفوق ہم کو حاصل ہے، حاکم ہم ہیں، قانون ہمارا ہے۔

تم اپنے طویل، الفاظ سے پُر، اور معنی سے خالی خطوط میں اپنے عشق و ابتلاء کی جانب کیسے کیسے، اپنی دانست میں لطیف اور میری رائے میں بھدّے اور بھونڈے اشارے کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ عورت کے دل کو قابو میں لانے کیلئے یہی انداز بیان مناسب ہے حالانکہ تمھیں خبر نہیں کہ میں دل ہی دل میں تمھاری ان عاشقانہ لغویات یا لغو عشقیات

سے کس قدر استہزا کرتی ہوں! تمھارے خطوں کا ایک انبار میرے پاس موجود ہے اور ڈرتی ہوں کہ یہی ذوق وشوق اگر چند روز جاری رہا تو میرے گھر میں کتنے بکس اس ردی سے بھر جائینگے۔ جب کبھی میرے بکری کیے جاتے ہیں کسی اخبار کا اڈیٹر یا مطبع کا مالک آکر ملیگا تو میں اس سے فرمائش کرونگی کہ وہ ان جواہر ریزوں کو ضرور شایع کردے۔ اس وقت تک آپ غالباً خودکشی کر چکے ہونگے؛ دراصل اندوہناک واقعہ کے بعد غالباً آپکے نام کی اشاعت بھی نامناسب نہ ہوگی۔ آپ کی ان "ادبیات" سے ایک دنیا گونج اٹھیگی اور نقادانِ سخن ان صفحات پر کیا کیا سر دھنینگے، آپ کی خاطر ان ملفوظات پر میں خود ایک مقدمہ لکھدونگی گو کہ یہ کام تو دراصل قیس بن عامری کیلئے موزوں ہوتا۔

تو غرض آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ میں اظہار التفات عاشقانہ کے ان بیمثل نقوش کو ضائع کر دیتی ہوں یا بقول آپ کے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتی ہوں۔ کم ازکم اس کا تو یقین دلاتی ہوں کہ اگر میری نسل میں میرے نام کا کوئی لینے والا باقی رہا ——— جس کی بظاہر کوئی امید نہیں ——— تو آپ کی اس ادبی مصوری کا پلندہ میرے بعد نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطناً ایک تاریخی یادگار کی طرح محفوظ رہے گا۔ اور یہ سمجھ کر کہ میں آپ کے التفات بے پایاں کی قدر نہیں کرتی دل شکستہ نہ ہوجیے اور اپنی غیرت مردانہ کو ٹھیس نہ لگنے دیجیے۔ آپ کا یہ خیال غلط ہے۔

تم اس خط کو پڑھتے جاؤگے اور خفا ہوتے جاؤگے۔ میں جانتی ہوں لیکن ایمان سے کہتی ہوں کہ تمھاری شکایت کے جواب میں جو کچھ عرض کیا اس سے کم یا اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کسی دن تم آؤگے تو میں تم کو تمھاری جیسی اور بھی بہت سی تصانیف دکھاؤنگی القاب وآداب اور اشتیاق ملاقات و دیدار و "وصل" سے لے کر "تم پر جان فدا کرنے والا"۔ نامراد، ناکام، ناشاد، غم نصیب تک یہ سب نسخے یا تو تمھارے خطوط کی نقل ہیں یا تمھارے خطوط

ان صفحات کی، شاید ابھی ان شکایات کے جواب میں تم چاہتے ہو کہ میں بھی بہت سا وقت
اسی طرح ضائع کیا کروں؟ تم ہی بتاؤ کہ میں دوکانداری کروں، روزی کماؤں، نان شبینہ
کا وسیلہ ڈھونڈھوں، اپنے گاہکوں کی تعداد میں اضافہ کی فکریں کروں یا بیٹھی ہوئی
تمھارے ادبی مذاق، نکتہ سنجی اور قلم کی روانی کی داد دیا کروں، میرے خطوط کی تم
بہت حیران ہو ہو کر تعریفیں کیا کرتے ہو گویا تمھارے خیال میں انشا پردازی صرف
مردوں ہی کا حصہ ہے! اگرچہ اس قدر دلچسپ خطوط کے جو میں تم کو لکھتی ہوں تم جو
میری کم التفاتی کا گلہ کرتے ہو تو یہ نہیں دیکھتے کہ میرا یہ التفات کیا کم ہے کہ میں تم کو اپنے دل و
دماغ کی یہ تصویریں بھیجا کرتی ہوں۔ میری کتاب زندگی میرے عشاق کے لئے سربمہر ہے
آج تک بہت سے آئے اور بہت سے چلے گئے۔ اور علائے عاشقی کے ساتھ روتے ہوئے چلے
گئے۔ قسم لو جو اس کتاب کا ایک ورق بھی ان کے سامنے کھلا گیا ہو۔ میں تم کو چاہتی ہوں
_ بہت تھوڑا سا، خفیف سا چاہتی ہوں _ بس اتنا چاہتی ہوں کہ تم کو دھوکا دینا
نہیں چاہتی _ مگر تم اڑے ہوئے ہو کہ مردہ کو قبر سے نکال لاؤ! اس راکھ کے ڈھیر کو
نہ کریدو مبادا کوئی چنگاری نکل آئے اور ناحق تمھاری انگلیاں جل جائیں۔ حاصل کچھ بھی نہ
ہوگا، یاد رکھو کہ یہ ناپاک جسم کتنے ہزار مردوں کے سامنے عریاں ہو جائے مگر یہ روح پھر بھی کسی
کے سامنے عریاں نہ ہوگی _ ہاں اگر، جب وہ شخص آئے جس کو میری روح کے عریاں
دیکھنے کا حق اور حوصلہ ہو! تمھارا جی گھبرایا کرے تو شام کے چار بجے کے قریب میرے گھر آ
جایا کرو اور بیٹھے ہوئے دیکھا کرو کہ جس طرح تم اپنے عاشقانہ خطوط میں اپنے عشق کی داستان
بنا سنوار کر بیان کرتے ہو۔ میں بھی تم جیسوں کیلئے اپنے حسن کی دمک میں اضافہ کرنے کی
کوششیں کیا کرتی ہوں! دیکھا کرو کہ پلکوں کی نوکیں کس طرح نوکدار بنائی جاتی ہیں،
دشنہ مژگان کس طرح تیز کئے جاتے ہیں، بال کس طرح سنوارے جاتے ہیں، رخسار کو

کو کس طرح سُرخ بنایا جاتا ہے۔ ناخن کیونکر خوبصورت بنائے جاتے ہیں۔ تیغ ابرو کو کس طرح "آلہ دھاردار" بنایا جاتا ہے۔ آنکھوں میں کیونکر سُرخ ڈورے پیدا کئے جاتے ہیں۔ ——— پھر میرا تمھارا مقابلہ رہے، میری تمھاری صناعی اور خیال آفرینی کا مقابلہ ہو ——— میں ہر روز کوئی نئی ایجاد کروں اور تم ہر روز ایک نئے انداز سے قصیدہ خوانی کرو۔

---

# تیرہواں خط

قدرت کے دو بچوں نے کہا: "آؤ ایک کشتی بنائیں"۔ انھوں نے ایک چھوٹی سی کشتی بنائی، محبت سے اس کے تختے جوڑے اور اس کو اپنے باغ کے خوبصورت تالاب میں ڈال دیا، جہاں موسم بہار کی معطر ہوائیں اس ننھے سفینے کو پانی کی ہلکی لہروں پر جھولا جھولایا کرتی تھیں۔ وہ کشتی کاغذ کی نہ تھی، نہ لکڑی کی تھی۔ نہ لوہے کی، لیکن کاغذ سے بھی زیادہ نازک تھی۔ مگر اس کے بنانے والے نہ جانتے تھے کہ ایسی کشتیاں کس قدر نازک ہوتی ہیں۔ شاید انھوں نے یہ سمجھا کہ ایک چھوٹے سے باغ کے چھوٹے سے تالاب کے بے موج اور بے طوفان پانی کے لئے کشتی کو مضبوط بنانے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھول گئے کہ تالاب کی کشتی کو بھی کسی دن طوفان خیز سمندروں اور تیز دریاؤں میں جانا پڑتا ہے۔ تالاب بھی دریا و سمندر بن سکتا ہے ——— وہ خطرات کو بھول گئے، مگر بھول جانے سے خطرات کم نہیں ہوا کرتے یہ خدا کا نہ بدلنے والا قانون ہے! ———

برسات آئی، ایسی برسات آئی کہ چاروں طرف سے نالے، چشمے اور دریا امنڈ

آئے۔ پھولوں کی کیاریوں کو پانی کی چادر نے ڈھانک لیا۔ جنگل کے درخت پانی کی قوت اور
ہولکے طپانچوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ زمین کا کوئی نشیب ایسا نہ تھا جس پر پانی نے قبضہ
نہ کر لیا ہو۔ قرب وجوار کی جھیلیں پانی سے لبریز ہو کر چل نکلیں اور انھوں نے گویا ایک دوسرے
کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر انسانوں کی آبادیوں کو گھیر لیا۔ بڑے بڑے میدان جزیرے
بن گئے۔ ننھی کشتی والا تالاب بھی دریا ہو کر بہہ نکلا۔ اس کی ذرا سی کشتی جو ہوا کا ایک
جھونکا بھی نہ سہار سکتی تھی سیلاب کے آغوش میں پھنس گئی۔ وہ اس کو ٹھکراتا ہوا لے چلا
—— منزل فنا کی طرف —— جنگل کے بادشاہ کی طرح جو بےخبر بچارے کو منہ میں بھر
کرلے جاتا ہے۔ یہ سیل فنا اپنا شکار لے کر چل دیا —— جب تک اس ننھے سفینے میں دم تھا
—— اور دم ہی کتنا تھا —— اس نے سنبھلنے کی کوشش کی، لیکن کوئی سہارا نہ تھا کشتی
والے بےخبر تھے۔ انھوں نے کس محنت سے یہ سفینہ بنایا تھا اور کس بے پروائی سے اس کو
بھول گئے۔ تالاب کے پانی اور برسات کی ہواؤں نے یوں گویا کہ دونوں کی سازش تھی
ایک دو دن اس شکستہ لنگر کشتی کو ادھر ادھر گھسیٹا اور پھر ایک آخری جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔
ایک طرف کیچڑ ہے جہاں مینڈک بول رہے ہیں اور جھینگر شور مچا رہے ہیں۔
درختوں کے گرے ہوئے پتے سڑ رہے ہیں، چند گلے ہوئے تختوں کا ایک انبار پڑا ہے
کچھ کیچڑ میں کچھ کیچڑ کے باہر۔ کسان جب صبح کو اپنے کھیت کی طرف جاتا ہے تو اس
کوڑے پر جو متعفن ہو چلا ہے پاؤں رکھتا ہوا گذر جاتا ہے۔ اس بےخبر کو کیا معلوم کہ اس
متعفن کوڑے کے ڈھیر میں کسی کشتی کے چند تختے بھی پڑے ہوئے گل رہے ہیں جس کو بنانے
والوں نے بڑے شوق سے بنایا تھا۔
کوئی ان بےخبر کشتی والوں کو بلا لے۔ اگر چاہیں تو ان تختوں میں اب بھی اتنی سکت
باقی ہے، پھر اپنی کشتی بنالیں۔ وہ ایسی مضبوط تو نہ ہوگی جیسی پہلے تھی مگر کسی چھوٹے

سے باغیچہ کی نہر میں اب بھی پڑی رہ سکتی ہے، ورنہ کچھ روز بعد یہ تختے بھی گل سڑ کر جزو خاک ہو جائیں گے ۔ ان غافلوں نے ایسی ہزاروں لاکھوں کشتیاں بنائی ہیں، پانی میں ڈالی ہیں ۔ توڑی ہیں، غرق کی ہیں ۔ اور کبھی بہی پھینک دی ہیں ۔ کہیں کوئی ملاح ہے جو اس ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختوں کو جوڑ دے ۔ ــــــ جو اس کشتی کے لئے بادبان اور لنگر کہیں سے لا دے ۔

میرے مہربان! یہ پہیلی جو بیان کی گئی ہے، آپ بیتی ہے ۔ جوانی کا خون جب گرم ہوتا ہے ـــــ مرد کا خون ـــــ تو یہ پہیلیاں سمجھ میں نہیں آیا کرتیں ۔ یہ ایک آگ جو تمہارے کلیجہ میں روشن ہے ۔ یہ جو آتش سیال تمہاری رگوں میں دوڑ رہی ہے اس کی گرمی ذرا کم ہو تے دو ۔ سرسام کم ہو ۔ بخار اترے، حواس درست ہوں تو پھر ایک مرد کی طرح ایک عورت کی داستان سن لینا ۔ ابھی تو نہ تم صحیح معنی میں مرد ہو نہ میں تمہارے لئے صحیح معنی میں عورت ہوں، ہم دونوں فی الحال محض حیوان ہیں ــــ نر اور مادہ! تم سمجھتے ہو کہ تم میرے عاشق زار ہو، تم کچھ بھی نہیں، ایک داڑھی مونچھ والے شیر خوار ہو جو دہکتے ہوئے انگارے کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور خوش ہو کر ہاتھ میں اٹھا لیتا ہے اور جب اٹھا لیتا ہے تو ہاتھ کے چھالوں کی سوزش سے بیتاب ہو کر چلاتا ہے ۔ "ہائے میں مرتا ہوں ــ لیلیٰ پر مرتا ہوں ـــــ" پھر یہ چھالے چند روز میں اچھے ہو جاتے ہیں ۔ وہی ہاتھ پھر روشنی کی جانب کھینچنے لگتا ہے ۔ پھر نئے انگارے چھو لیتا ہے اور پھر چھالوں کو ہرا کر لیتا ہے ۔ پھر اچھا ہوتا ہے ۔ پھر زخمی ہوتا ہے ۔ پھر زخمی ہوتا ہے ۔ پھر زخمی ہوتا ہے ۔

اس خواب پریشاں کی تعبیر کم ملتی ہے، اور ملتی ہے تو بہت دیر میں ملتی ہے ۔ اگر تعبیر تمھیں مل جائے تو میرے پاس آئیو ۔ میں ایک اجڑی ہوئی زندگی کی داستان ہوں اس کے سننے والے اس دنیا میں کم ہیں ۔ جس دن وہ داستان کہنے بیٹھوں گی اس دن کہونگی

کہ میری طرح لاکھوں خانماں برباد عورتوں کو اے پاجی، مردیتیرے عشق کی ضرورت نہیں، رحم کی ضرورت نہیں، اے ظالم! انصاف کی ضرورت ہے!

# چودہواں خط

تم نے کل ایک نوجوان سبزہ آغاز کو میرے گھر بیٹھے دیکھا ہوگا۔ کچھ دنوں پہلے یہ غریب ایک سخت مرض کے شدید دورہ میں مبتلا تھے۔ ان کو گمان یہ تھا کہ میں ان کو چاہتی ہوں، میں نے ہزار کوشش کی کہ یہ خیال ان کے دل سے نکل جائے مگر وہ یہ سمجھتے ہی رہے کہ گو میں ان پر مرتو رہی ہوں مگر اپنی نسوانی شرم وحیا کے باعث ان سے اظہار محبت نہیں کرسکتی ــــ لکھتی نہیں ــــ وہ شاید منتظر تھے کہ کسی دن میں بیتاب ہوکر ان کے قدموں پر سر رکھدونگی! میری کج ادائیوں کو وہ عشق کی پردہ داری سمجھتے تھے۔ میرا ان کا واسطہ اس دن سے ہے جس دن تم نے پارک میں مجھے ان کے ساتھ دیکھا تھا۔ پہلی شب کی قیمت بہت زیادہ تھی ــــ بڑے بڑے سودے کرتی ہوں۔ اس شب کو بیچارے بہت انداز کے ساتھ میری خوابگاہ میں تشریف لائے۔ ان کے ناز وانداز کو دیکھ کر میں اپنا ناز و انداز بھول گئی۔ غضب یہ کہ جب تخلیہ میں میرے پاس بیٹھے تو بار بار اپنی پنڈلیوں اور بازوؤں کی گولائی اور جسم کے تناسب کا مظاہرہ کرنے کی کوششوں میں بہت ساوقت ضائع فرمایا۔ بجائے اس کے کہ مجھ سے "اقدام رندانہ" فرماتے اس کے متوقع تھے کہ میں ان سے "اقدام رندانہ" کروں۔ دیر تک بہت ہی معشوقانہ انداز میں میرے تکیہ پر کہنی جمائے ہوئے بیٹھے رہے۔

میں نے انگڑائیاں لینی شروع کیں، وہ دوسرا پہلو بدل کر بیٹھ گئے۔ مجھے جماہی آئی تو انھوں نے اپنے بالوں کو درست کرنا شروع کردیا۔ میں نے دق ہوکر پہلو بدلا

تو وہ اپنے پاجامہ کو پنڈلیوں پر ٹھیک کرنے لگے۔ میں نے کچھ گنگنانا شروع کیا تو وہ اپنے ہاتھ کی سنہری گھڑی کا تسمہ درست کرنے لگے۔ غرضکہ میرے انتظار کی حد ہوگئی اور جب ان کو کسی طرح جارحانہ طرزِ عمل پر آمادہ نہ کر سکی تو آخر زچ ہو کر میں نے طے کر لیا کہ اب ذرا ان کا دماغ درست کیا جائے۔ میری ان کی گفتگو سنو!

میں۔ اس وقت مزاج کیسا ہے؟

وہ۔ جی شکر ہے، اچھا ہوں!

میں!۔ آپ نے مجھے کیوں یاد فرمایا؟

وہ۔ ایک عورت کو ایک مرد کیوں یاد کرتا ہے؟

میں۔ آپ ہی بتایئے۔

وہ۔ میں کیا بتاؤں! آپ سمجھ جایئے۔

میں۔ صاف کہئے مطلب کیا ہے؟

وہ۔ مطلب؟ مطلب تو وہی ہے جو ہر مرد کا عورت سے ہوتا ہے۔

میں۔ یعنی؟

وہ۔ اب میں کیسے سمجھاؤں؟

میں۔ کچھ تو کہئے!

وہ۔ ایں۔ ایں ............

میں۔ لعنت ہے کاشیطان! کہتے کیوں نہیں کہ تم مجھ سے اپنے روپے کا معاوضہ چاہتے ہو

وہ۔ ٹھیک ہے! میں تمہیں چاہتا ہوں۔ بہت عرصے سے تم پر مرتا ہوں۔

میں۔ چاہنے اور مرنے کو تو سامنے طاق پر رکھ دو ـــــ تم نے دام دیئے ہیں مجھ سے قیمت وصول کر لو!

وہ۔ (حیران ہو کر) کیا کہا؟ میں تو تمھاری محبت چاہتا ہوں!

میں۔ جناب عالی! محبت خریدی نہیں جایا کرتی ۔۔۔ بکا نہیں کرتی۔

وہ۔ پھر کیا تمھیں مجھ سے نفرت ہے؟

میں۔ تم سے نفرت ہی سہی، تمھارے پیشہ سے تو نفرت نہیں ہے!

وہ۔ مگر میں تو تمھیں چاہتا ہوں۔ میری ہو جاؤ۔

میں۔ یہ کیا فضول بکواس ہے، صاحبزادے! تم نے میرا جسم آج شب کیلئے خریدا ہے، وہ حاضر ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم اس بستر کی چادر اور تکیہ بازار سے خرید لاتے یا جس طرح تم اپنی آسائش کیلئے بجلی کا یہ لیمپ خریدتے یا اپنے گھر کے آتش دان کے لئے بازار سے کوئلہ منگواتے ۔۔۔ سودا سوچ کر کرو، تم نے کیا خریدا؟ میرے جسم کی سفید اور گلابی کھال، میرا نفیس و معطر لباس، میری خوبصورت آنکھوں کی چمک، میری نرم انگلیاں، میری آواز کا رس، میرا تمام حسن ظاہری ۔۔۔ بس اس کے علاوہ کچھ نہیں! ۔۔۔ تم نے لفافہ خریدا ہے خوان پوش خریدا ہے، یاد رکھو تم نے اس عورت کو نہیں خریدا ہے۔ نہ خرید سکتے ہو جو اس جسم کے اندر ہے۔ تم نے جسم کو خرید لیا اور وہ سب کچھ خرید لیا جو جسم کے باہر ہے ۔۔۔ چلو اب سو جائیں

یہ شخص میری اس گفتگو کو خاموشی سے سنتا رہا ۔۔۔ اس طرح کہ نہ اس نے آنکھ اٹھائی نہ لب کھولے۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ اٹھا، کہنے لگا "معاف کیجئے! مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں غلط سودا خریدنے آ گیا۔ مجھے اصلی عورت چاہئے، محض جسم کی ضرورت نہیں" میں نے بھی کہا ۔۔۔ "افسوس ہے میں مجبور ہوں، جو چیز موجود ہے ۔۔۔ اس میں محبت نہیں ۔۔۔"

"تو کیا میں" اس نے کہا "نہ سہی ایک چاہنے والے کی حیثیت سے، مگر محض ایک شناسا اور دوست کی حیثیت سے کبھی کبھی آپ کے پاس آسکتا ہوں اس شب سے زیادہ وہ ملاقاتیں میرے لئے پرلطف ہونگی ــــ اجازت ہے؟"

اس طرح میری اور ممتاز کی دوستی شروع ہوئی، ہماری یہ دوستی عشق و محبت کی شورش سے پاک ہے۔ وہ آتا ہے گھنٹوں میرے بستر پر پڑا رہتا ہے، میری زندگی کی داستان کا ایک حصہ اس نے میری زبان سے سن لیا ہے ــــ تم ایک لفظ بھی آج تک نہ سن سکے! اور شاید کبھی نہ سن سکوگے ــــ مشکل یہ ہے کہ تم میرے دوست اور جلیس نہیں ہو ــــ محض عاشق زار ہو۔

ممتاز کبھی کبھی آتا ہے۔ اپنا کوئی دلچسپ قصہ سناجاتا ہے۔ میری زندگی کا کوئی تمسخر انگیز واقعہ سن کر گھنٹہ دو گھنٹہ ہنستا رہتا ہے۔ بانکپن کی جو ادائیں اس نے پہلی شب مجھے دکھائی تھیں ان کا اب پتہ بھی نہیں، نہ وہ ادعائے حسن ہے نہ اپنی جامہ زیبی کا مظاہرہ! مجھ تجارت پیشہ کے لئے یہ ایک نئی قسم کی اور بہت پاکیزہ تفریح ہے جس کی جدت آج کل میری دلچسپی کا باعث ہے ــــ تمہارے عشق سے زیادہ!

## پندرھواں خط

مجنون بے صحرا! ان القابوں سے خفا نہیں ہوتے، بے ملک کے نواب تو سنے بھی اور دیکھے بھی! تم بے صحرا کے مجنون ہو، جس طرح میں بے محمل کی لیلےٰ ہوں تم شہر کے مجنون، میں بستی کی لیلیٰ! جاؤ! تم اپنا صحرا ڈھونڈھو، میں اپنا ناقہ تلاش کرلوں ہم تم پھر کسی دن ایک راستہ پر آجائیں گے، ابھی تو میرے متعلق تمھارا ادراک صفر

ہے۔ جب میں تمہارے آغوش میں ہوتی ہوں۔ ہنستی ہوں، تمہاری باتوں پر قہقہے لگاتی ہوں۔ تمہارے چٹکیاں لیتی ہوں۔ کبھی محبت سے تمہارے نرم اور چمکدار بالوں پر ہاتھ پھیرتی ہوں تو تم سمجھتے ہو کہ اس وقت میرا دل و دماغ تمہارے پاس نہیں ہوتا! ایک ننھے بچے کی طرح جو گراموفون کے چاک کو گھومتے اور سوئی کو اس پر چلتے دیکھتا ہے اور نہیں جانتا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ تم میرے چاک کو گھومتے دیکھتے ہو، سوئی کو ہمہ وقت چلتے پاتے ہو، میرے جسم کی گرمی کو محسوس کرتے ہو مگر دل کی افسردگی کو نہیں پاتے۔ اندر جو مشین پرزوں کو چلاتی ہے اس سے قطعاً بے خبر ہو۔ گوشت اور پوست کا ایک ڈھیر اپنی ہیئت ظاہری میں نہایت حسین، جس کو تم ازراہ الفت شاعرانہ گلدستہ کہا کرتے ہو تمہاری بغل میں رکھا ہوتا ہے لیکن وہ جو اندر ایک کل چلتی ہوتی ہے اس سے تم ہمیشہ بیگانہ رہے ہو اور ہمیشہ بیگانہ رہو گے۔ ادراک کی اس پونجی پر عورت کو احمق کہتے ہو؟ احمق اس لئے کہ اپنی نسوانیت کی دوکانداری لگا کر سر بازار بیٹھی ہوں؟ احمق اس لئے کہ دونوں وقت اچھا کھاتی ہوں اور اچھا پہنتی ہوں؟ یا احمق اس لئے کہ اللہ نے مجھے حسین بنایا اور دنیا والوں نے فطرت کے آغوش سے نکال کر مجھے اس گندگی میں ڈال دیا؟ کیا یہ زندگی جس پر دنیا کے ذرا بداور متقی ناک بھوں چڑھاتے ہیں میں نے خود اپنے لئے تجویز کی؟ کیا وجہ معاش جس کو نہایت قرأت داؤدی کے ساتھ حرام کہا جاتا ہے۔ اور ح کو بالکل صحیح مخرج سے ادا کیا جاتا ہے میرا انتخاب ہے؟ یہ حسن فروشی کی دکان جس پر میں بٹھائی گئی کس نے کھولی؟ میں نے؟ اس دکان پر آنے والے گاہک کون ہیں؟ کس کے دم سے یہ سارا کاروبار چلتا ہے میرا بس چلتا تو ان عمامہ والوں کو جو زیب محراب و منبر ہیں، مسجدوں اور حجروں سے کھینچ کھینچ کر باہر لاتی اور کہتی کہ آؤ کچھ روز اس گنہگار کے پاس رہو۔ مفت کی روٹیاں کھانے

اور چار چار نکاح کرنے سے فرصت ہو تو اس عاجز کے سیہ خانے کو منور فرمایئے۔ جس کا سینہ ہنوز جناب کے اس سینہ سے زیادہ پاک وصاف ہے جس پر قرآن کے تیس پارے ثبت ہیں۔ یہ جو اخلاق و اعمال کے معیار قائم کئے جاتے ہیں۔ یہ جو طالب علموں کے پائجامو اور ڈاڑھیوں کا طول ناپا جاتا ہے۔ یہ جو پیشانیوں کے گھٹے پانچ وقت دھوئے جاتے ہیں۔ یہ جو محراب اور منبر اھدنا الصراط المستقیم سے گونجتے ہیں اور مدرسہ کی دیواریں "کافر و ملعون" کی کڑک سے کانپتی ہیں! یہ سارا تماشہ کیا ہے؟ میں نے اس کا نام خود فریبی رکھا ہے انسان اور خصوصاً مرد کا بدترین گناہ، اس کی فریبی فطرت کا ثمر اولیں! وہ گناہ جس میں محراب و منبر کا شمعدان اور قندیلیں آلودہ، جس سے مسجد کے لوٹے ناپاک اور ایک عصمت فروش ہنوز پاک ہے، یہ ناپاک اور حیا سوز زندگی الحمد للہ آپ ہی ان دنیادار دنیا پرستوں کے حال سے بہتر ہے، میں عصمت فروش ہوں اور کہتی ہوں کہ عصمت فروش ہوں، میں کھوٹا سکہ ہوں اور سب جانتے ہیں کہ کھوٹا سکہ ہوں، میں اپنے ملمع کو زر خالص نہیں کہتی، میں زہد و اتقا کے اسباب، مکر و فریب کے ذریعہ سے ہاتھ میں تسبیح لے کر اور ڈاڑھی میں عطر لگا کر دوسروں کی جیب میں ہاتھ نہیں ڈالتی، نہ شریعت کا نام لے کر عیاشی اور نفس پرستی کرتی ہوں، میرا گناہ تو یہ ہے کہ میں اپنا جسم فروخت کرتی ہوں، اس لئے۔ ان دنیا کے موذیوں نے مجھے جس اکل حلال سے محروم کر دیا اس کو کسی نہ کسی طرح حاصل کر سکوں، تم حیران نہ ہو جیو میرے عشاق کی فہرست میں محراب و منبر کے رہنموں کے اسم ہائے گرامی بھی موجود ہیں۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ اکثر یہ عشق بھی شریعت کے لباس میں آیا یعنی یوں آیا کہ اظہار التفات کی چند بھدی کوششوں کے بعد نکاح کا پیغام! میں نے عرض کیا کہ حضور میں آپ کے حرم میں رہ کر عصمت فروشی کرنے کی بجائے بازار ہی میں رسوائی پسند کرتی ہوں! یہ نکاح میری آپ کی سیاہ کاری کو کم نہ کر دیگا۔ صرف یہ ضرور ہوگا کہ آپ میسر نہ

عصمت فروشی کے اجارہ دار ہو جائیں گے! ماشاء اللہ دو دو تین تین بیویاں گھر میں بیٹھی ہیں، عمر بھی اب ساٹھ کے قریب آ گئی ہیں غریب دلیمہ کے پلاؤ نکاح کے چھواروں اور بسم اللہ کے بتاسوں پر تین حصہ داروں کے ساتھ کیوں کر گذر کرونگی ........

خفا ہو گئے، کہلا بھیجا کہ "او ملعون چھوکری تیرا مقام جہنم ہے، خالدین فیہا ابدا۔"

........ یہ عجائبات بھی دیکھتی رہتی ہوں،

یہ حیوان مطلق مگر ناطق، جس کا نام مرد رکھا گیا ہے، کیسے کیسے دعوی کرتا ہے، کیسے کیسے فریب دیتا ہے۔ "ہم ناقص العقل عورتوں کے محافظ و نگراں ہیں۔" اللہ رے، محافظ و نگراں! ناقص العقل بکریوں کا یہ گلہ اور اس کے یہ عالی دماغ گرگ نگہبان ان گلہ بانوں کے سایہ عاطفت میں آج مجھ جیسی کتنی خانماں برباد ہستیاں زندگی کے تاریک دن اور تاریک تر راتیں گذار رہی ہیں، اور پھر کیسے کیسے طعنے سنتی ہیں! عورتیں احمق ہوتی ہیں، ناقص العقل ہوتی ہیں، فطرتاً مرد سے کمتر ہیں، آج میں بالائے بام کھڑی ہو کر پکارتی ہوں ـــــ بر سر بازار پکارتی ہوں۔ کہ ہمارے وہ محافظ و نگراں کہاں ہیں؟ ـــــ مسجدوں میں ڈھونڈھوں یا مدرسوں میں؟ ـــــ

## سولھواں خط

آفتاب کی ایک شعاع اور ماہتاب کی ایک کرن بھی تم چاہو کہ اپنی ساری دولت دیکر خرید لو تو نہیں خرید سکتے! عورت کے قلب کی گرمی اور روشنی اس سے بھی زیادہ گراں ہے۔ یا مفت ملتی ہے یا نہیں ملتی۔ تمہارے تحائف دیدہ ایا مبیسکہ سر آنکھوں پر! میں نے ان کے قبول کرنے سے کب انکار کیا ہے؟ یا کب ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے؟ مشکل یہ ہے کہ

تم پنساری کی دکان پر جواہر خرید نا چاہتے ہو۔ اگر یہ داد و دہش کسی چیز کی قیمت ہے تو یہ میرے جسم کی قیمت ہے سو اس کے میری دکان پر اور کوئی مال نہیں تھا۔ باقی سب تمہاری عقل کا قصور ہے۔ مرد اکثر عورتوں سے کہا کرتے ہیں۔ "مجھ سے محبت کرو!" گویا یہ بھی ایک لباس ہے کہ اس کو اتار دو اور اس کو پہنو۔ پھر کہتے ہیں۔ "تم محبت نہیں کرتیں! تم مجھ سے مانوس نہیں، تو میں تمہیں محبت کرنا سکھا دوں گا۔" ایک دن ایک صاحب نے انتہائے جوش الفت میں بہت بسور بسور کر فرمایا۔ "اچھا تم کہتی ہو تم محبت کر ہی نہیں سکتیں تو پھر کچھ دنوں بعد میرے جذبہ عشق کو دیکھنا۔ تمہیں میرے عشق کی قدر کرنی ہوگی؟" کیا خوب! میں نے عرض کیا۔ جناب والا میں حاضر ہوں، اپنے عشق کا تختہ مشق بنائیے۔ آپ کی جاں نثاری کی قدر کرتی ہوں، کیا عجب ہے کہ مجھے بھی رفتہ رفتہ آپ سے عشق ہو جائے۔" بہت خوش ہوئے ایک برس تک میرا ان کا ساتھ رہا، لاکھوں دفعہ مجھ سے پوچھتے تھے "کہو، اب تم مجھ سے کچھ کچھ محبت کرنے لگیں؟" آخر تمہاری طرح، ایک دن میں ان سے بھی کھلی، میں نے کہا "حضرت! میرا عشق روز بروز ترقی کر رہا ہے مگر ایک بڑی مشکل نظر آتی ہے، ہارے آپکے عشق کا خدا حافظ!" بہت گھبرائے۔ "سچ کہو کیا بات ہے؟" "کیا کوئی اور بھی ہے؟" میں نے بہت سوکھا منہ بنا کر جواب دیا۔ "جی ہاں! اور تو آدھے درجن سے بھی زیادہ ہیں، مگر مجھے تو اب آپ سے انس ہو چلا ہے۔" کہنے لگے۔ "پھر خدا کیلئے بتاؤ وہ مشکل کیا ہے؟" ــــــ گویا کہ ابھی ابھی اس کو آسان کر دینگے! میں نے کہا۔ "مشکل یہ ہے کہ میرا عشق روز بروز گرم ہوتا جاتا ہے اور آپ کی جیب خالی ہوتی جاتی ہے۔ اگر یہ بڑھا اور وہ گھٹی تو پھر اس عشق کی بھاری گاڑی؛ فلاس کے کچے اور ناہموار راستے پر کیونکر کھینچی جائیگی۔" اول تو حیران ہوئے، پھر کچھ سمجھے، آدمی غیرت دار تھے۔ پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے۔ ۔ ۔ ۔ تم کہتے ہو اس عورت کے دل میں نام کو رحم و انصاف نہیں،

میرے دوست! کس کے دل میں ہے؟ رحم و انصاف اس بازار کی جنس نہیں!
تم اپنی طرف دیکھو، جانتے ہو کہ میں تمہیں اس طرح نہیں چاہتی جس طرح فطرت کا اقتضا
ہے کہ ایک عورت ایک مرد کو چاہے۔ پھر بھی تم میری نسوانیت پر ڈاکے ڈالتے ہو اور
اپنی دولت پر نازاں ہو۔ کل مجھ سے زیادہ کوئی حسین عورت ملے گی اس کو فتح کر دگے
پرسوں کوئی اور، تم تو جانتے ہو میرے تم جیسے کتنے دوست وہ ہیں جن کے گھروں میں
بیویاں ہیں، وہ بیویاں جن کے تخیل کو بھی گھر کی دیوار کے باہر جانے کی اجازت نہیں
ننھے بچے ہیں جو باپ کی محبت کے جائز حقدار ہیں۔ فطرت کی امانت ہیں جو انسان
کے جوڑے کو سپرد کی جاتی ہے تاکہ وہ دنیا کے کارخانے کو قائم رکھے۔ وہ بیویاں جن کے خیال
میں بھی کوئی دوسرا مرد نہیں آنے پاتا کیا نہیں جانتیں کہ ان کا مرد گھر آنے میں کیوں دیر کرتا ہے
اور آدھی رات تک کہاں رہتا ہے؟ گھر کی دنیا میں اس کی جگہ صبح سے شام تک کیوں
خالی رہتی ہے؟ میں نے اکثر ان مردوں سے کہا ہے کہ آخر تم مجھے سنگدل کہتے ہو! یہ
طعنہ تمہاری زبان سے اچھا نہیں لگتا۔ ایک بھیڑیا دوسرے بھیڑیئے کے خون آلودہ
پنجوں اور دانتوں پر استہزا کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر انصاف و رحم سے میرا دل
خالی ہے تو تمہارے دل میں کیا ہے؟

تو بہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند

جب کسی عاشق زار سے اس قسم کی باتیں کرتی ہوں تو شرما شرما کر ہنستے
ہیں اور ٹال جاتے ہیں، اگر زیادہ آزمودہ کار ہوئے تو کہتے ہیں "میں کیا کروں؟ تمہاری
محبت نے مجبور کر دیا ورنہ یہ نہ سمجھو کہ مجھے اپنے اہل وعیال کی پروا نہیں اس دل کو
کیا کروں؟" واہ رے دل! ان کا دل مجبور ہے کہ مجھ پر فدا ہو جائے، میرا دل مجبور ہے
کہ وہ ایک یا دو چار عاشقوں پر قناعت نہ کرے۔ وہ کہتا ہے جتنے ہوں کم ہیں؟ یہ تو اپنے

دل سے مجبور ہو کر اپنے سارے خاندان پر لات مار دیں، اور میں اپنے دل سے مجبور ہو کر ان کو بھی ٹھوکر مارنے کا لطف حاصل نہ کروں! یہ کیا منطق ہے؟ جب تم شادی کر لوگے اور انسانی نسل میں بھی تمہاری وجہ سے کچھ اضافہ ہو جائے گا اس وقت میری ان باتوں کو یاد کرنا اور اگر اس وقت بھی خود ایک بیوی پر قناعت نہ کر سکو تو اپنی بیوی سے کہنا کہ نیک بخت تمھیں بھی عام اجازت ہے؟

مردوں کی یہ منطق کبھی میری سمجھ میں نہ آئی کہ مرد جو کچھ کرے اس کی بداعمالی اس قدر قابل گرفت نہیں جس قدر عورت کی اخلاقی لغزشیں ہیں، کیوں؟ یہ خود غرض جانور اپنے اور عورت کے اخلاق کے مختلف معیار قائم کرتا ہے؟ اپنی صفائی یوں پیش کی جاتی ہے کہ خود مذہب نے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی اور عورت کو بیک وقت صرف ایک شوہر کی، تمہارے مولوی، ملّا جو کچھ کہیں مجھے کبھی یقین نہ آئیگا کہ اسلام نے تعدادِ ازدواج کو جائز رکھا ہے، اس طرح جائز رکھا ہے جس طرح اس پر عمل کیا جا رہا ہے۔ میں تو صاف کہتی ہوں کہ یہ تعدادِ ازدواج شریعت کے پردے میں عیاشی اور نفس پرستی کا بہانہ بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مرد کے نفسانی قویٰ متعدد عورتوں کے طالب ہیں۔ ایک عورت جب ماں ہوتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے تو عرصہ تک مرد کی خواہشات نفسانی کو پورا نہیں کر سکتی۔ میں ایک عورت ہوں اور تم سے صاف صاف کہتی ہوں کہ ایک عورت ایک مرد کیلئے کافی سے زیادہ ہے۔ فطرت کی کوئی خلاف ورزی اس سے بدتر نہیں کہ عورت اور مرد اپنی نفس پرستی میں مسلسل منہمک رہیں۔ یہ نفس کی قوت نہیں ہے بلکہ دماغ کی بیماری ہے۔ جب مرد اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے ہمہ وقت ایک عورت چاہتا ہے ورنہ صحیح اور فطری احساس نفسانی تو اس کا ہرگز متقاضی نہیں کہ یہ شغل مسلسل جاری رہے معاف کرنا! میں کتنی ہی عصمت فروش سہی، پھر ایک عورت ہوں اور اس طرح کی باتوں

کو صاف صریح بیان نہیں کر سکتی۔ جہاں تک عورت کے احساس نفسانی کا تعلق ہے وہ اس راز کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے۔ آج جو کچھ میں نے تم سے کہا یہ بھی بہت ہے بس یہ یاد رکھو کہ ایک عورت ایک مرد کیلئے کافی سے زیادہ ہے! کاذب اور مکار ہے وہ شخص جو اپنی بے لگام نفس پرستی اور تعدادِ ازدواج کیلئے یہ دلیل لاتا ہے کہ ایک مرد کو ایک عورت کافی نہیں!

ایک ذلیل اور بازاری عورت کو اگر خود ستائی اور پندار کا طعنہ نہ دو تو میں کہوں کہ میں اب بھی ان لوگوں سے بالاتر ہوں جن کی تسبیح کے دانوں میں دل کی سیاہی جذب ہو چکی ہے۔ میں صرف مردوں کی نفس پرستی کا ذریعہ اور اپنی معاش کا وسیلہ ہوں۔ خود نفس پرست نہیں ہوں! اور اگر کبھی مجھ پر کوئی ساعت ایسی گزرتی ہے تو میرے پاس قلم نہیں اور زبان نہیں کہ اس لمحہ کی حالت تم کو بتا سکوں، چاروں طرف دیکھتی ہوں اور دل کے اندر سے کوئی دوسری عورت جو اس جسم فانی سے الگ ہے پکارتی ہے۔ "میرا مرد کب آئیگا؟" تمھیں کیا معلوم کہ ہر عورت کا ایک مرد ہوتا ہے۔ اس دنیا میں جب اس کا مرد اس کو مل جاتا ہے۔ تب وہ جانتی ہے کہ جنت دنیا کا دوسرا نام ہے۔ اس دھوکہ میں نہ آؤ کہ ہر مرد ہر عورت کا مرد ہو سکتا ہے۔ ابھی تک یہ فطرت کا ایک راز ہے میں تو اکثر سوچا کرتی ہوں کہ قسام ازل خود جوڑے لگا لگا کر دنیا میں بھیجتا ہے۔ پھر دنیا والے اپنی حماقت سے اس تقسیم کو غلط کر دیتے ہیں اور ساری دنیا کو ماتم خانہ بنا کر احمقوں کی طرح اپنی قسمت کا گلہ کرتے ہیں! قسمت؟ ایک ناقابل فہم اصطلاح ہے۔

جب ایک دائرہ کو مربع ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا مربع کو دائرہ بنانے کی، یا جب سمندر میں اونٹ اور ریگستان میں مچھلیاں پائی جاتی ہیں یا جب کائنات کے رموز نظر سے پوشیدہ ہوں اور دماغ میں بلند تر ہونے کی طاقت نہ ہو یا جب خود غلطی کی جگہ

اور غلطی کے نتائج کو اس غلطی سے منسوب نہ کیا جائے یا جب زندگی کے ضوابط سے روگرداں ہو کر غلط راستہ اختیار کیا جائے اور صحیح منزل پر پہنچنے کا دعویٰ، جب دعویٰ کیا جائے اور دلیل نہ ملے، اس وقت کہتے ہیں! ہائے قسمت! ........ اگر قسمت ہی کوئی چیز ہے تو پھر مانو کہ خالق کی حکومت جابرانہ ہے، انسان مجبور و معذور ہے اور نہ گناہ کوئی چیز ہے، نہ ثواب، نہ گناہ کی کوئی سزا نہ اعمال نیک کا کوئی اجر۔ یہ سب کچھ نہیں۔ میں نے گناہ کی زندگی بسر کی، میری قسمت! تم نے عیاشی میں اپنی دولت برباد کی تمھاری قسمت! تم کہتے ہو تم نے فلسفہ اور علم النفس کا کامل درس حاصل کیا ہے! میں بیچاری تو ناقص العقل عورت ہوں تمھارا علم و فضل اگر کبھی اس الجھے ہوئے رشتہ زندگی کی کوئی گرہ کھول سکے تو مجھے بھی خبر کرنا!

# ستر ہواں خط

توبہ، توبہ، خدا اور مذہب کا نام درمیان میں کیوں لاتے ہو؟ بازی بازی با ریش بابا ہم بازی! میری تمھاری سیاہ کاریوں کو خدا اور مذہب سے کیا تعلق؟
خدا کو کیا غرض میرے تمھارے درمیاں کیوں ہو؟

تم کوئی "مولنا" یا "مولوی" تو ہو نہیں کہ تمھارا عشق بھی مذہب، فقہ اور حدیث کا لباس پہن کر آئے! مذہب سے یا جس کو تم مذہب کہتے ہو میرا تعلق برائے نام ہے۔ میں مذہب اور خدا کو کچھ یونہی سا جانتی ہوں۔ کوئی درجہ دوئم یا سوئم کے "مولنا" جو کبھی پھنس گئے ہیں تو ان سے میں نے ع و ش و ق کو نہایت قرأت داؤدی کے ساتھ حلق کے صحیح مخرج سے، ادا ہوتے ہوئے سن لیا ہے! مگر ان مولناؤں کا عشق

اکثر بھدی قسم کا عشق ہوتا ہے۔ آتا ہے تو اکثر نکاح کا پیغام ساتھ لے کر آتا ہے۔ یہ بیچارے صرف ایک ہی قسم کی عیاشی جانتے ہیں ــــــ وہ جو کسی نہ کسی مذہبی اصطلاح کے تحت آسکے! خیر!! ان کی "لاحول" اور "نعوذ باللہ" سے تو میں کسی نہ کسی طرح، اپنا بچاؤ کر لیتی ہوں، مگر یہ تمھاری عشق بازی میں مجھے خدا کے نام کی آمیزش نہیں بھاتی۔ دنیا کے کام دنیا ہی کے لئے رہنے دو ــــــ آگے نہ جاؤ! مجھے تمھیں کسی کو خبر نہیں کہ آگے ہے کیا؟ ــــــ ہمارے تمھارے مذہب کی حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ جو ماں باپ کا مذہب وہ ہمارا مذہب، تم اور میں مذہب کو کیا جانیں تم ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہو (چار پائے بروکتابے چند!) میں غریب بھی ایک شریف خاندان کی لڑکی تھی، اتنا جانتی ہوں کہ "مامقیماں"۔ "خالق باری" اور راہ نجات پڑھی اور چند مذہبی کتابیں ختم کیں۔ اس کے بعد میرے ماں، باپ نے (جن کی یاد کا چراغ آج بھی اس سیاہ قلب کے ایک گوشہ میں روشن ہے) بڑا حوصلہ کر کے مجھے عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم دی، درس کی ابتدائی کتابیں ختم کیں اور فارسی اردو کی سینکڑوں کتابیں پڑھ ڈالیں، اگر کتابیں پڑھ لینے سے یا نماز روزہ اور حج کے ارکان یاد کرنے سے کوئی مسلمان بن سکتا ہے تو میں بھی مسلمان ہوں، مسلمانوں کے مذہب کے جو ٹھیکہ دار ہیں وہ بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ اگر میں گناہ کی دنیا میں نہ دھکیل دی گئی ہوتی تو آج بھی بہت سے مفت کی روٹیاں نکاح کے چھوارے اور ولیمہ کے چاول کھانے والوں سے زیادہ پڑھی لکھی سمجھی جاتی۔ مگر وہ سارا پڑھا لکھا اب میری عصمت فروشی کی دکان کو چمکا رہا ہے۔ جس طرح بڑے بڑے عمامہ والے اپنے علم و فضل کو اکثر اپنے اغراض فاسدہ پر دلیل لاتے ہیں، اسی طرح میں بھی اپنی تعلیم کو اپنے پیشہ کی کامیابی کا معاون بناتی ہوں اگر میں عورت

نہ پیدا ہوئی ہوتی اور عصمت فروشی کے بازار میں نہ آگئی ہوتی تو جہاں تک مکر و فریب اور دھوکہ دہی کا تعلق ہے۔ میں بھی کوئی "مولانا"۔ "حضرت اقدس" یا "جناب محترم" ہوتی! کہیں مصلے پر کسی حجرے میں بیٹھی ہوتی، کسی مسجد کے منبر پر کھڑی ہوتی، فتوے لکھتی، اعلانات شایع کرتی۔ تقریریں کرتی اور میرا تعلق براہ راست عرش اعظم سے ہوتا!! بدنصیبی سے عورت بن کر مرد کے دھوکے میں آئی اور اس قابل بھی نہ رہی کہ "حضرت مولانا" میری طرف نظر اٹھاکر دیکھیں!! اس زندگی میں خدا کی کوئی نعمت میرے لئے نہیں ہے! میں اس مولویانہ معمہ کی حدود سے جس کو مذہب کہتے ہیں بالکل خارج ہوں! پھر کیوں ان الجھنوں میں اپنا وقت ضایع کروں؟ اور ان الجھنوں کو سلجھانے ہی والا کون ہے؟ کہیں ہے؟ تم سلجھا سکے؟ جبہ و عمامہ نے سلجھایا؟ تسبیح و زنار سلجھا سکی! "حضرت" اور "پنڈت جی" مہاراج سلجھا سکے؟ بیٹا باپ کو نہ سمجھ سکا، بھائی بھائی کو نہ سمجھ سکا۔ بیٹی ماں کو نہ پہچان سکی، کوئی ایک انسان کسی دوسرے انسان کو نہ سمجھ سکا۔ باوجود تمام ادعائے عقل و فہم معمولی پیش پا افتادہ حقائق بھی سمجھ میں آئے آپ بڑے تعلیم یافتہ، بڑے دانا، بڑے علمبردار تہذیب و تمدن ہیں آپ ایک ذرا سی ذلیل عورت کو نہ سمجھ سکے۔ ——— پھر آگے کیوں جائیے۔ دریا کے پانی میں بہتے تک جنئیے جہاں تک زمین پاؤں کے نیچے رہے!

یہ سب لوگ جو مذہب مذہب پکارتے ہیں درحقیقت ایک قسم کے بت پرست ہیں، ان کا بت پتھر یا سونے یا چاندی کا نہیں ہے، تخیل اور توہم ان کا دیوتا ہے ذاتی خواہش ان کا خدا ہے، مندر اور شوالہ کے بجائے ان کا دیوتا ان کے دماغ کے سومنات میں رہتا ہے! خدا سے زیادہ یہ سب اس دیوتا کے غلام ہیں، کوئی پوچھے کہ مذہب کی جو تعلیمات ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں، ان تعلیمات نے ہمارے احساس اور ادراک

کے کتنے پردے اٹھائے؟ ہمارے علم میں کتنا اضافہ کیا؟ ہزاروں، لاکھوں قرن گذر گئے اور اس سیاہ پردے کا ایک کونہ بھی نہ اٹھایا جاسکا جو کائنات کے وجود پر پڑا ہوا ہے اہل مذہب ایک طرف ناچار ہیں اور اہل علم و سائنس دوسری طرف واماندہ ہیں، طوطے کی طرح چند خود ساختہ اصولوں کو رٹے جاتے ہیں! مذہب کا جو دیوتا مختلف قوموں نے بنا رکھا ہے وہ بہت ہی خوفناک چیز ہے! میں اس سے بیزار ہوں، اس دیوتا کے پجاریوں نے دنیا میں جس قدر فساد برپا کیا، جس قدر خون بہایا، اس کی حد و انتہا نہیں ہے، یہ زندگی کے جس قدر اصول اور قاعدے بنائے جاتے ہیں سب باد ہوا ہیں، آج ایک کلیہ قائم ہوتا ہے کل ٹوٹ جاتا ہے، دنیا کی اور ہماری زندگی کی یہی ترکیب یہی ہے کہ بگاڑے جاؤ، بنائے جاؤ، بنائے جاؤ، بگاڑے جاؤ، ایک الجھنے کو سلجھانے کی کوشش کرو اور بیس الجھنے اور پیدا کردو، فلسفی کا فلسفہ، حکیم کی حکمت، منطقی کی منطق، ولی کی ولایت، صوفی کا تصوف، یہ سب ٹوٹی ہوئی کشتیاں ہیں جو زندگی کے بحر ناپیدا کنار پر کبھی ڈوبتی ہیں، کبھی اچھلتی ہیں، ہم تم بھی لاکھوں کروروں ڈوبے ہوئے جہازوں کے دو ٹوٹے ہوئے ٹکڑے ہیں جو بہتے چلے جاتے ہیں یہ تو ہماری آپ کی کائنات ہے! پھر اس میں عشق ہے عاشقی ہے۔ محبت کے دعوے ہیں، الفت کے تقاضے ہیں، ہجر کی شکایتیں ہیں، وصل کی خواہشیں ہیں، رقیب کے طعنے ہیں معشوق کی بے پروائیاں ہیں اور مجنوں کی لیلےٰ ہے اور لیلیٰ کے مجنوں ہیں ——— اور ان میں سے ایک آپ ہیں! ———

## اٹھارہواں خط

جناب عاشق نامراد! کل جس وقت آپ کا نیاز نامہ آیا تو میں خواب ناز

سے بنیدامہ ہوکر دوکانداری کی تیاریاں کر رہی تھی۔ آئینہ میرے سامنے رکھا تھا عطر دان مہکا رہی تھی اور نئی ساری جو تمھارے رقیب روسیاہ سیٹھ ــــــ نے کل ہی نذر کی تھی کھول رہی تھی تاکہ اس کو پہن کر سیٹھ جی کی قدر افزائی فرمائی جائے ــــــ بقول ان کے "جرّہ نواجی"! سوچ یہ رہی تھی کہ کوئی بیوقوف آجائے تو کرایہ کا موٹر منگاکر باغ عامہ کے دو چار چکر لگاؤں! نئی ساڑی پہن کر اگر موٹر میں ہوا خوری نہ کیجائے تو نئی ساری کا اصلی مقصود فوت ہو جاتا ہے! ہم لوگوں کا چراغ اگر تہِ داماں رکھا جائے تو کاروبار پھر کیونکر چلے۔ جس طرح تھیئٹر اور سینما کے اشتہار کرایہ کی گاڑیوں پر تقسیم ہوتے ہیں۔ یا جس طرح پنجاب کے ایک مشہور "ڈاکٹر و حکیم و طبیب و وید" اپنی گاڑی پر اپنا نام بہ تہہ بخط جلی لکھوا کر بڑے بڑے شہروں میں گھوما کرتے ہیں، اسی طرح ہمارے حسن کے سائن بورڈ کیلئے بھی، آج کل موٹر اور باغ عامہ کی اشد ضرورت ہے! ہر روز اگر ساڑی نہ بدلی جائے تو ایک ہی پرانے سائن بورڈ کو دیکھتے دیکھتے گاہکوں کے اکتا جانے کا اندیشہ ہے!

میں تخیل کی اس دنیا میں منہمک تھی کہ آپ کا صحیفہ گرامی یہ مژدۂ جانفزا لایا کہ خدا نخواستہ آپ خودکشی پر آمادہ ہیں! اور یہ کہ آج ہی شب میں بہ ارادہ درجۂ تکمیل کو پہونچے گا! آپ کی اس اضطراری تحریر کو پڑھ کر ہنس تو نہ سکی مگر رحم اور تحقیر کا مرکب ایک تبسم تبسّم میرے لبوں پر پیدا ہوا جس کو دیر تک آئینہ میں دیکھتی رہی۔ میں نے اپنے تبسم کی بہت سی قسمیں مقرر کر لی ہیں ــــــ عاشقِ نامراد اگر روٹھے تو اس کے لئے ایسا تبسم ہونا چاہیے جیسے تو میں اس طرح تبسم کروں، اگر جان دینے کی دھمکی دے تو میرے ہونٹھوں پر اس انداز سے تبسم پیدا ہو اور تخلیہ میں وہ زیادہ بے تکلف ہو جائے اور میں اس کی ہمت

افزائی کرنا چاہوں تو اس طرح مسکراؤں، سوال وصل کا جواب اس قسم کے تبسم سے دیا جائے اور احوال دردِ فراق سن کر میرے ہونٹوں پر تبسم اس طرح کھیلے، وغیرہ وغیرہ، ہر موقع اور ہر ضرورت کیلئے میرے حسن کے اسلحہ خانہ میں ایک مخصوص تبسم مقرر ہے جس طرح شکاریوں کے کارتوسوں کے نمبر مقرر ہوتے ہیں، مرغابی کے لئے یہ، اور بٹیر کیلئے یہ اور ہرن کے لئے یہ، اور شیر کے لئے یہ، آپ کے اس دلچسپ ارادہ کی خبر پاکر جو تبسم میرے لبوں پر نمودار ہوا اس کی نوعیت بالکل وہی تھی جو پاگل خانہ کے مہتمم کے تبسم کی ہوتی ہے جو اپنی زیر نگرانی پاگلوں کی مسخرا نگیز حرکات کو دن میں ہزاروں دفعہ دیکھتا ہے

یہ خوف تو میرے دل میں نہیں کہ آپ واقعی اپنے اس ارادہ پر عمل فرمائیں گے مگر افسوس اس کا ہے کہ میں آج کی شب آپ کے اس ارادہ میں آپ کی کوئی اعانت نہیں کرسکتی، نہ تیمارداری کے لئے آسکوں گی نہ میت پر، اس لئے کہ سیٹھ جی کی پیش کی ہوئی ساڑی پہن کر آج تو سیٹھ جی کا سرِ عجز زانوئے نازپر رکھنا ہے! مجھے آپ کے اس ارادہ نے ذرا بھی متعجب نہیں کیا، اس لئے کہ میں خوب جانتی ہوں کہ ہزار دفعہ اس دنیائے ناپائدار سے منتقل ہونے کا آپ ارادہ فرمائیں گے اور ہزار دفعہ اس ارادہ کو میرے وصل کی امید ملتوی کردیگی! ماہر امراض، ہر مرض کے تدریجی مدارج سے خوب واقف ہوتا ہے، واقف نہ ہو تو وہ ماہر امراض ہی نہیں —— وہ جانتا ہے کہ نزلہ زکام اور درد سر کے بعد درد سینہ اور پھر نمونیا تک کتنے مدارج ہوتے ہیں، جن سے مریض گذرتا ہے اور موت آنے تک مریض کو کیا کیا حالات پیش آتے ہیں؟ اسی طرح میں بھی یہ جانتی ہوں کہ ابتدائی نظربازی کے بعد میرے عشاق عالی مقام کو کتنی منزلیں طے کرنی ہوتی ہیں؟ تاآنکہ وہ خودکشی کی دھمکی تک پہنچتے ہیں، اور پھر یہ بخار چڑھ کر اترتا کیونکر ہے؟ آپ

جس کو ہیضہ سمجھ رہے ہیں ——— مجھ سے پوچھئے ——— یہ صرف معدہ کی خرابی کی حد سے معمولی بدہضمی ہے۔ پھر میں کیسے یقین کرلوں کہ آپ مرجائیں گے یا مرسکتے ہیں! جب میری رائے میں حقیقت مرض اس قدر خفیف ہے تو پھر مجھے تردد کیوں ہو؟ ——— اللہ نے تمھیں دولت دی عقل نہیں دی! اصل یہ ہے کہ خدا نے سب کو برابر حصہ دیا ہے لیکن اس کی نعمتوں کی اقسام جدا جدا ہیں، مثلاً ایک امیر کو دولت دیکر عقل سے محروم رکھا مگر ایک مفلس کو دولت سے محروم کرکے عقل عطا فرمائی، ہر کمی کو اس نے اپنی بخشش سے کسی نہ کسی طرح پورا کر دیا۔ عقل نہیں دی تو ایمان دیا۔ ایمان اگر زیادہ دیا تو عقل کم کر دی، عقل اگر دی تو ایمان کم کرلیا۔ آنکھ میں زیادہ روشنی دی تو بازو کمزور کر دیا۔ بازو قوی دیئے مگر آنکھیں کمزور کر دیں، وزن ہر چیز کا برابر رکھا۔ پلہ ہر فرد کا برابر رہا! فرق صرف نوعیت ہے۔ تم دولت رکھتے ہو عقل و ایمان نہیں رکھتے۔ میں عصمت اور نسوانی عصبیت سے محروم ہوں مگر عقل و ایمان رکھتی ہوں! ہم دونوں کی قیمت ایک ہے۔ میری عقل کو حق حاصل ہے کہ تمھاری دولت کی خام کاریوں پر استہزا کرے، اور تمھاری دولت حق رکھتی ہے کہ میری عصمت فروشی اور رسوائی پر خندہ زن ہو! اس میں مجھے اور تمھیں بُرا ماننے اور خفا ہونے کا کیا موقعہ ہے؟ اس فلسفہ کو سمجھ لو تو تمھاری بہت سی مشکلیں آسان ہوجائیں! پھر اس عشق و عاشقی میں جو میرے تمھارے درمیان ہنگامہ آرا ہے۔ خود کشی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ جو کچھ تمھارے حصہ میں آیا ہے تم اس پر قناعت کرو، جو کچھ قسام ازل نے مجھے دیا ہے۔ میں اس پر بسر کردوں!

تم کہا کرتے ہو! کہ ایک عورت ہوکر میں کیسی کیسی باتیں بناتی ہوں! میں کہتی ہوں کہ عورت کو باتیں کرنا مرد نے سکھایا۔ تمھاری حماقتوں نے میری عقل کو تیز کیا اور تمھاری ہوس کی مکاریوں نے مجھے چالاک بنایا!، ہرن نے اس وقت تک

جنگل میں بھاگنا اور دوڑنا نہ سیکھا جب تک کہ شیر نے اس پر حملہ نہ کیا۔ جب مردوں کی حیوانیت نے عورتوں کی نسوانیت پر حملے کئے تو ان چڑیوں نے گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر عقاب کو دھوکہ دینا سیکھا! تم رنگ بدل بدل کر ہمیں دھوکے دیتے ہو اور ہم رنگ بدل بدل کر تمہیں بیوقوف بناتے ہیں! یہ سودا دست بدست ہے! پچھتاتے کیوں ہو؟ جیسی کھیتی بوتے ہو ویسی کاٹتے ہو اور اس دارمکافات میں ہونا بھی یہی چاہئے!

# انیسواں خط

بہت بہت شکریہ! تمھاری طرف سے نکاح کا پیام اور میری طرف سے اس عزت افزائی کا شکریہ! دونوں باتیں تمسخر انگیز ہیں! تمھیں معلوم نہیں میرا نکاح ہو چکا ہے! عورت کا نکاح عمر میں ایک ہی دفعہ ہوتا ہے، یوں چاہے وہ ہزار دفعہ مردوں کے پہلو میں بے حجاب ہوتی رہی۔ نکاح کے متعلق مرد کا تخیل زیادہ تر جسمانی اور مادی ہوتا ہے! تم لوگ جب خطبہ نکاح سنتے ہو تو تصور کرتے ہو ایک لڑکی یا ایک عورت کے خوبصورت جسم کا، اس کی جوانی و رعنائی کا اور پھر اس آنے والی رات کا جب اس ناکتخدا لڑکی کے جسم کی تمام تر نزاکت و لطافت تمھارے نفس کے دسترخوان پر پیش کی جائیگی! مگر عورت کا وجود معنوی جب کسی مرد کا انتظار کرتا ہے تو وہ مرد اس عورت کے لئے گویا خدا کا قائم مقام ہوتا ہے اس کا وجود عورت کی زندگی کا مبتدا اور منتہا ہوتا ہے۔ نہ اس سے پہلے کچھ تھا، نہ اس کے بعد کچھ ہوگا! ——— مرد جب پہلی شب میں عورت کے پاس آتا ہے تو شاید اس سے پہلے سینکڑوں عورتوں سے اپنے نفس کو آزمودہ کار بنا چکا ہوتا ہے۔ مگر عورت جب اس شب کو اپنے شوہر کی آغوش

میں آتی ہے تو ایک نئی دنیا میں آتی ہے، ایک نئی سرزمین پر قدم رکھتی ہے، جس سرزمین کی اس کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ مرد جب عورت کو مستقلاً اپنے نفس کی خادمہ بنانا چاہتا ہے تو نکاح کر لیتا ہے ــــــ مگر عورت جب سر جھکائے ہوئے اور آنکھیں بند کئے ہوئے اپنے سر کے اشارے سے کسی کو اپنا شوہر قبول کرتی ہے تو اس بدنصیب کو خبر نہیں ہوتی کہ مرد کیا چیز ہے؟ کیا جنس ہے؟ کیا قیامت ہے؟ کیا بلا ہے؟ اگر وہ اپنے ہونے والے شوہر سے محبت بھی کرتی ہو۔ تب بھی اس کو خبر نہیں ہوتی کہ بکری کی کھال کے نیچے جو بھیڑیا چھپا ہوا ہے اس کے دانت کس قدر تیز ہیں عورت صرف اس محبت کو جانتی ہے جس کا تعلق جسم اور حیوانیت سے بہت کم ہوتا ہے وہ صرف مرد کو اتنا جانتی ہے کہ اس کے اندر جو حیوان چھپا ہوا ہے اس کو نہیں جانتی اور عرصہ تک نہیں جان سکتی ــــــ جب تک کہ زندگی کے تلخ تجربے مرد کی حقیقت کو اس کے سامنے بے نقاب نہ کر دیں۔ سوسائٹی اور مذہب نے جس کے ٹھیکہ دار صرف مرد ہیں عورت کو اس قدر گھیر لیا ہے اور بے دست وپا کر دیا ہے کہ نکاح عورت کی آخری شکست اور مرد کی فیصلہ کن فتح بن جاتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے نام پر عورت مرد کی ملکیت بنا دی جاتی ہے۔

تمہاری دولت مجھ پر برستے برستے تھک گئی مگر تم کو مجھ پر وہ قبضہ حاصل نہ ہو سکا جو تم سمجھتے تھے کہ دولت کے زور پر تم کو حاصل ہو سکے گا۔ اس لئے اب اللہ اور رسول کا نام درمیان میں لا کر تم مجھ سے خط غلامی لکھوانا چاہتے ہو کہ میں تمہارے خلوت خانہ کے طاق پر سجادی جاؤں! ــــــ کم از کم اس وقت تک کیلئے جبتک تم کو میری ضرورت ہو، تمہارے عیش میں کام آسکوں! تمہارے پیام نکاح کی یہ تشریح ہے! ــــــ لومڑی کی طرح مکار، بلی کی طرح عیار، شیر کی طرح خونخوار،

مرد نکاح کا پیام دیتا ہے! ازدواج شرعی کی دعوت دیتا ہے۔

یوں تو تمہارا بھائی، کوئی نہ کوئی ہر شب کو مجھ سے ایک قسم کا نکاح کرتا ہے۔ مگر جب سے یہ ہر شب ہونے والے نکاحوں کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا ــــ جب میں ۱۸ برس کی تھی آج سے سالہا سال پہلے ــــ میں تو جب ہی منکوحہ محبت ہو چکی تھی۔ وہ نکاح جس کو کسی "مولنا صاحب"! یا "قاضی صاحب" نے نہ پڑھایا تھا، بغیر کسی ثالث کی امداد کے پڑھا جا چکا تھا۔ خطبہ نہ تھا، چھوارے نہ تھے، وکیل و گواہ نہ تھے، براتی نہ تھے مہر کا سوال نہ تھا، جہیز کی بحث نہ تھی! ــــ کچھ بھی نہ تھا، محبت کی ایک نگاہ تھی وہی میرا نکاح تھا، ایجاب و قبول تھا اور اس عہد نامہ پر محبت کی مُہر ــــ میری طرف سے بہت پاک اور سچی محبت اور اس کی طرف، اس بہانہ باز، بدعہد، بے وفا، نفس پرست کی طرف سے ــــ بہت آلودہ، جھوٹی اور کھوٹی محبت! کبھی تم سے پہلے کہہ چکی ہوں کہ میرا پہلا مرد وہی تھا، اور وہی میری پہلی اور آخری محبت تھی۔ وہ مجھے چند ہی روز بعد اپنے دل سے نکال کر بازار میں پھینک گیا، مگر میں بدنصیب جو ہر شب کسی نہ کسی شب پرست کے بستر کی آرائش ہوتی ہوں ابھی تک اپنے کو منکوحہ سمجھے بیٹھی ہوں۔

تم جانتے ہو! اس عورت کا کیا حال ہوتا ہے جو محبت کرتی ہے؟ پناہ بخدا وہ نہیں جانتی کیا بن جائیگی! کیا ہو جائے گی، وہ اپنی محبت سے حیران اور بے بس ہو کر مرد کی طرف تکتی ہے اور اس کے اشارہ کا انتظار کرتی ہے۔ جو کچھ مرد اس کو بنانا چاہتا ہے وہ بن جاتی ہے۔ وہ اپنے تخیل میں مرد کی عجیب عجیب تصویریں بناتی ہے، ان تصویروں کی پوجا کرتی ہے! ــــ پھر جب اس کے پیہم آنسو ان تصویروں کے رنگ و روغن کو دھو ڈالتے ہیں، تب وہ مرد کی حقیقت کو عریاں دیکھتی ہے، اور حیران و بدحواس و ششدر رہ جاتی ہے "یہی مرد ہے جس پر میں مرتی تھی؟"

اس پہلی محبت کی گرم جوشی میں میری رفتار بہت تیز تھی، بہت کم عرصہ میں میں نے بہت زیادہ فاصلہ طے کر لیا، دوشیزگی کے خلوت خانے سے نکل کر بازار میں آ گئی اور اب شاہراہ عام پر اس طرح برہنہ کھڑی ہوں کہ میری تجارت کا اشتہار میرے گلے میں آویزاں ہے، میری پیشانی پر کندہ ہے! دنیا استہزا کرتی ہے، مُنہ چڑھاتی ہے۔ میرے مُنہ پر تھوکتی ہے طرح طرح سے میری تحقیر کرتی ہے اور پھر مجھ ہی کو خریدتی ہے، دن بھر مجھ گنہگار، سیاہ کار، زانیہ کو سنگسار کرتی ہے اور رات کو میرے قدموں پر سر رکھ دیتی ہے!

میرا وہ پہلی شب کا بھگانے والا، اب عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر مخلوق خدا کے درمیان حق و ناحق کا فیصلہ کرتا ہے، عدل کرتا ہے، انصاف کی ترازو کے دونوں پلڑے برابر رکھتا ہے، سزائیں دیتا ہے، تعداد ازدواج کا حامی ہے۔ عورتوں کو شوہروں کی اطاعت کی تلقین کرتا ہے۔ مردوں کو عورتوں کے متعلق ان کے حقوق مالکانہ کی تعلیم دیتا ہے۔ مہر و نفقہ و طلاق کے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے۔ "شریعت حقہ" کا حامل ہے اُس کی عدل گستری کی دھوم ہے! ——— میں اس کے شہر میں جا کر سر راہ ایک بالاخانے پر بیٹھنا چاہتی ہوں! تاکہ جب وہ عدل و انصاف کا پتلا بازار میں سے گذرے تو میں اس سے پکار کر کہوں کہ او جانے والے! او سراپا عدل و انصاف! ذرا سر اٹھا کر ادھر دیکھ! ایک بیسوا بھی انصاف چاہتی ہے! ذرا آنکھیں ملا کر اس کا سلام قبول کر! اور اس محبت کو جو تو نے کبھی اس بیسوا کے دل میں پیدا کی تھی، روندتا ہوا، ٹھکراتا ہوا! گذر جا! اگر تیرا انصاف یہی چاہے تو اس بیسوا پر حد شرعی جاری کر دے یہ بیسوا جب عورت نہ بنی تھی اور محض ناکردہ گناہ لڑکی تھی تو اے انصاف کے دیوتا! تو اس کی اٹھتی جوانی سے کھیلا کرتا تھا ——— کچھ یاد ہے؟ آج تو مجھے عصمت فروش

کھلتا ہے؟ تیرہٗ تعزیرات "میں جسم کا فــروخت کرنا اس قدر بڑا جرم ہے؟ تو جو زندگی کے ہر شعبہ میں، تجارت میں، سیاست میں، علم کی مسند پر بیٹھ کر، عدالت کی کرسی پر، اپنا دماغ بیچتا ہے، اخلاق بیچتا ہے، ایمان بیچتا ہے، تو یہ کچھ بھی گناہ نہیں؟ عدالت کی میزان میں دوسروں کے گناہوں کے تولنے والے عقل ودماغ کا مٹھی بھر آٹے کے لئے بازار میں فروخت کرنا اور اس کے معاوضہ میں تنخواہیں، مشاہرے، وظیفے، اور منافع حاصل کرنا ذرا بھی عیب نہیں، مگر عیب ہے اور گناہ ہے، پاپ ہے تو چند روز میں خاک میں مل جانے والے جسم کو نیلام کرنا۔ تم اپنی روح چند پیسوں کے لئے شیطان کے ہاتھ فروخت کردو تو وہ واقعہ قابل ذکر بھی نہیں، لیکن میں اپنے جسم کے دام وصول کروں تو میں پاپی! میں ذلیل عصمت فــروش ہوں اس لئے کہ بازار میں دکان لگائے بیٹھی ہوں، اور تم بڑے مہاتما ہو اس لئے کہ اپنے دماغ، اخلاق، ایمان اور روح کو فروخت کرتے ہو، کیشے کے اندر جس قدر زر وجواہر ہے اس کو سڑکوں پر لٹاتے پھر و کوئی نہیں پوچھتا کہ تمھارے منہ میں کتنے دانت ہیں؟ لیکن چند پیسہ کا خالی کیسہ فــروخت کیا جائے تو وہ شــدید اخلاقی جرم ہے! لفافہ کے اندر جو دستاویز بند محفوظ ہیں ان کو چاہو تو پنساری کی دکان پر بیچ ڈالو، مگر لفافہ پھٹا پرانا بھی ہو تو اس کا فــروخت کرنے والا گردن زدنی ہے! ظاہر پرستوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ہیں، انار کے دانے نکال کر تم ہر ایسے گدھے کے سامنے ڈال دوگے جس کی جیب کا پیسہ تمھاری جیب میں آسکے۔ لیکن انار کا سوکھا ہوا چھلکا اگر فروخت کیا جائے تو تم فروخت کرنے والے کو پھانسی دیدوگے! عصمت فروش تم ہو یا ہم ہیں؟ تم اپنے بہتــرین قوائے عقلی ودماغی وروحانی کی تجارت کرتے ہو، تمھارے دیوان خانے تمھارے بالاخانے ہیں، تمھارے دفتر تمھارے کوٹھ خانے ہیں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، علمی اداروں

ہیں، سرکاری ملازمت میں، اخباروں کے کالموں میں صنعت وحرفت کے کارخانوں میں ہر جگہ تمھارا علم وفضل بازار کے بھاؤ فروخت کیا جارہا ہے۔ ہماری طرح تم بھی اپنے خصائل پر ملمع کر کے ان کا بھاؤ بڑھاتے ہو، جس طرح ہم اپنے رخساروں پر پاؤڈر لگا کر اپنی قیمت بڑھاتے ہیں! پھر ہم میں اور تم میں فرق کیا ہے؟ ہم جسمانی حیثیت سے عصمت فروش ہیں اور تم معنوی حیثیت سے! ——

—— جب انصاف کا وہ دیوتا! وہ میرا پہلا مرد، میرے بالاخانہ کے نیچے سے گذرے تو میں اُس سے کیا کیا نہ کہوں —— ؟ اس قدر چلا چلا کر کہ سارا بازار سُنے!

ایسی ایسی باتیں سوچا کرتی ہوں، پھر جو کوئی چاہنے والے آجاتے ہیں تو ان سے کھیلنے لگتی ہوں! سچ بتاؤ تم نے جو نکاح کا پیام مجھے بھیجا ہے وہ کس جذبہ کے ماتحت ہے۔ شاید —— شاید تم کچھ محبت مجھے دے سکو، مگر کیا وہ عزت و احترام جو بیوی کا ہونا چاہیے، وہ منصب جو بیوی کے لئے مخصوص ہے، وہ بھی تم مجھے دے سکو گے؟ دنیا تم کو اجازت دیگی کہ تم مجھے بیوی بنا کر بیوی کی طرح میری عزت کر سکو؟ اس کلنک کے ٹیکے کو کیسے چھپاؤ گے جو میری پیشانی پر ہے؟ کوئی مرد یہ کہے کہ اے عورت میں تیرے لئے دنیا کو چھوڑ دونگا۔ میں اسے نہیں مانتی۔ دنیا کسی کو کب چھوڑتی ہے۔ یہ ڈائن ہر شخص کے دامن سے لپٹی ہوئی ہے! میں اگر بیوی بن کر تمھارے گھر میں آؤں گی تو بجائے اس کے کہ تم مجھے گندگی سے نکال کر پاک اور ستھرا کر دو، میری گندگی تم کو بھی لپیٹ جائیگی اور سڑک پر چلنے والے تمھاری دیواروں کے سایہ سے بچ کر گذرا کرینگے! وہ کہیں گے اس مکان میں ایک نجس عورت رہتی ہے! ایسا نہ ہو کہ اس کا سایہ ہم کو نجس کر دے۔ بڑے بڑے غیرتمند اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے کہیں گے۔ "اس گھر

کی عورت ملنے کے قابل نہیں، اس طرف نہ جائیو!" میں ایک کوڑھی اور جذامی کی طرح تمھارے گھر میں تمام دنیا سے الگ محبوس رہونگی، تم کب تک اس پریشانی خاطر کو برداشت کرسکو گے، عیاشی کے سلسلے میں تم میرے یہاں آؤ یا میں تمھارے گھر جاؤں تو ایک خوف خدا رکھنے والی دنیا کو تم پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، سب کہیں گے "ارے بھائی وہ ابھی نوجوان ہے، خدا نے دولت دی ہے، عیاشی کرتا ہے۔ کرلینے دو، سب ہی کیا کرتے ہیں!" مگر جب میں تمھارے گھر میں بیوی بن کر بیٹھوں گی تو وہی تمھاری عیاشی پر جواز کا فتویٰ دینے والے ناک بھوں سکوڑ کر کہیں گے "لاحول ولا قوۃ یہ لڑکا کیسا نالائق و نا ہنجار نکلا، خاندان کا نام ڈبو دیا، توبہ توبہ!" پھر کس کس سے تم بحث کروگے؟ کس کس کو تم سمجھاؤ گے کہ تم نے زندگی کی ایک ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بھنور سے نکالا ہے، تم نے ایک ناسور پہ مرہم رکھا ہے، تم نے بدی کے خلاف نیکی کا جہاد کیا ہے، ساری دنیا تم کو دھتکاریگی، تم ہر طرف سے ٹھکرائے جاؤگے، اور میرا کوڑھ تم کو بھی لگ جائیگا۔

جوشِ عشق میں دنیا والوں کو بھول نہ جاؤ، خدا تو اپنے بندوں کو ایک ہی دفعہ مارتا ہے مگر دنیا والے اپنے مجرموں کو دن میں ہزار ہزار طریقوں سے قتل کرتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی پیچھا کئے جاتے ہیں، تم میرے عشق سے پیچھا چھڑا سکتے ہو مگر ان دیوتاؤں سے بچکر نہیں جاسکتے۔ وہ شکاری کتوں کے ایک غول کی طرح تمھارے دامن سے لپٹے رہینگے! قوم کے "معززین" کہیں گے "۔ اس کا چال چلن خراب ہے۔" "مولانا" فرمائینگے۔ "وہ فاسق و فاجر ہے۔" "شیخ صاحب" تمھارا نام لے کر لاحول پڑھینگے "میر صاحب" زبان سے کچھ نہ کہیں مگر ٹیڑھی آنکھوں سے تمھاری طرف دیکھینگے —— پھر کیا کروگے؟ میرے دوست! زنا بہت بڑا اخلاقی گناہ ہے مگر صرف عورت

کیلئے، مرد زانی ہو تو بھی معصوم ہے! عورت زانیہ نہ بھی ہو مگر غیر مردوں کے ساتھ
کچھ ارتباط رکھتی ہو تو وہ گردن زدنی ـــــ یہ مرد کا قانون ہے! ہمارے دامن
کا کوئی دھبہ دھویا نہیں جا سکتا، ان کے دامن کے لاکھوں دھبے ایک شوب میں
صاف ہو جاتے ہیں ـــــ زنا اور شراب اور اس سے بھی بدتر خصائل مرد کیلئے
عیب نہیں، صرف عورت ہی کو پھانسی اور سولی کے قابل بناتے ہیں ـــ یہ قانون مرد
کا ہے! "سوسائٹی" ہر بدمعاش مرد کے چادر کے دھبوں کو بہ آسانی نظر انداز کر سکتی
ہے مگر عورت کی چادر کی ہر شکن اس کو گناہ اور مکر سے آلودہ نظر آتی ہے۔ بڑی سے
بڑی داڑھی لگا کر، بڑے سے بڑا عمامہ باندھ کر، لمبے سے لمبا چغہ پہن کر، تم اپنے حجرہ
میں گناہ کرو، لوگ کہینگے عبادت کر رہے ہیں، وہ تمہارے ہاتھ چومیں گے، مگر ہر
عورت جو تمہارے بنائے ہوئے قانون کے خلاف ورزی کر گئی تمہاری نظر میں فاحشہ
ہوگی، مرد کی اس شریعت محکم کی گرفت سے نکل کر ہم تم کہاں جا سکتے ہیں ـ؟
بہتر یہ ہے کہ اس فسق و فجور پر ہی قناعت کرو! ہر شب مجھ سے بیاہ کر لیا کرو اور ہر
صبح مجھے طلاق دیکر گھر چلے جایا کرو ـــــ شب بھر کے لئے نکاح اور دن
بھر کے لئے طلاق!

## بیسواں خط

پرسوں والا نکاح کا پیام ابھی بھولی نہیں ہوں، میں جانتی ہوں تم مردوں
کی ـــــ جو اس قدر انسان نہیں ہوتے جس قدر حیوان ہوتے ہیں ـ
محبت کیا ہوتی ہے ـــــ نکاح کے پہلے تم لوگوں کو ہم سے وہ محبت ہوتی ہے
جو بکری کو بھیڑیے سے، "آ، میری جان! میرے غریب خانے میں قدم رنجہ فرما! آ، اے

مہمان عزیز، میں تیرے لئے بے چین ہوں!" مکڑی کہتی ہے! اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے معلوم ہے، یہ تو نکاح سے پہلے کی باتیں ہیں، پھر نکاح کے بعد مرد کو عورت سے جو محبت ہوتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے جیسی مالک کی محبت اپنے پنجرے میں پلے ہوئے طوطے اور مینا کے ساتھ، گھر کی بلی کے ساتھ۔ گھر کے کتے کے ساتھ! مالک اگر خوش ہے تو طوطے کے پنجرے میں مزیدار پھل رکھے ہوئے ہیں، بلی کے سامنے دودھ کا بھرا پیالہ رکھا ہے۔ کتے کو دسترخوان کے بہترین لقمے مل رہے ہیں! پھر جو "سرکار" کو غصہ آیا، مزاج بگڑا تو طوطے کا پنجرا ٹھکرایا جارہا ہے، بلی مار کھا رہی ہے کتے کی کمر پر چابک پڑ رہے ہیں! ہم عورتیں تمہارے گھروں میں نرم کھال والی پالتو بلیاں ہیں جو گھر کی دیواروں کے اندر خرخر کرتی پھرتی ہیں، جب دیکھا کہ مالک خوش ہے تو اس کی گود میں چڑھ گئیں، لیکن اگر مالک کی نظر بدل گئی، مزاج برہم ہوا تو ہم گود اور بستر سے نکال کر پھینک دی جاتی ہیں، چھپتی پھرتی ہیں، ہماری مجال نہیں کہ سامنے آئیں، کہیں باورچی خانے کے کسی کونے میں، کہیں کسی اندھیری کوٹھری میں، چھپی ہوئی پڑی ہیں، ہر وقت دھتکار دیئے جانے کا اندیشہ ہمارے دلوں کو لپٹا ہوتا ہے! دراصل گھر کی چار دیواری میں بیویاں، اونچے درجہ کی کنیزیں ہوتی ہیں۔ "سرکار" ان کو اپنے دسترخوان پر بٹھا لیتے ہیں، اپنے بستر میں سلا لیتے ہیں، اچھے اچھے لباس اور زیور عطا فرماتے ہیں تو یہ سب "سرکار" کا کرم ہے، بیویوں کا کام یہ ہے کہ عاجزانہ تشکر کے ساتھ ان نوازشوں کو قبول کریں اور ہمیشہ دست بدعا رہیں۔ اس لئے کہ "سرکار" ہی کے دم سے ان کا سہاگ قائم ہے۔

مرد کے گھر میں عورت کی یہ حقیقت ہے، ہم سونے چاندی کے خوبصورت گلدان ہیں جو تمہارے دسترخوان کی آرائش کیلئے رکھے جاتے ہیں۔ گھر کے طاقوں میں سجائے

جاتے ہیں، ہم مزیدار چٹنیاں ہیں جو تمھارے نفس کی اشتہائے کاذب کو تسکین دینے کے لئے دسترخوان پر رکھی جاتی ہیں، تم اپنے گھر اور بستر کو سجانے کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈھ کر خوبصورت عورتیں لاتے ہو، تم ان کو خوبصورت لباس اور زیور پہناتے ہو تاکہ اپنے گھر میں اپنے لئے ایک جنت نگاہ تیار رکھو! تم ہمارے جسم میں عطر کی مہک چاہتے ہو تاکہ تمھارے بستروں میں وہ مہک سما جائے، تم ہماری آرائش و زینت سے اپنے نفس کو متحرک رکھنا چاہتے ہو، تم یہ سب کچھ جو ہمیں دیتے ہو اپنی اور اپنے نفس کی خاطر ہمیں دیتے ہو ــــ اس لئے نہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں۔ مگر احسان ہماری گردنوں پر رکھتے ہو!

مرد جب اپنے بستر کے لئے عورتیں تلاش کرتا ہے تو اس کو سب سے زیادہ یہ فکر ہوتی ہے کہ عورت حسین ہو، چاہے وہ خود کتنا ہی مکروہ صورت ہو ــــ مگر عورت حسین چاہتا ہے۔ نکاح سے پہلے وہ لڑکی کی صورت دیکھ کر مطمئن ہو جانا چاہتا ہے مگر کبھی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اگر عورتیں بھی شادی سے پہلے مرد کی صورت دیکھ لینا چاہیں تو کیا گناہ ہے؟ کیا بھیڑ بکریاں ہم ہی ہیں کہ تم ذبح کرنے کے لئے خریدنے سے پہلے ہماری کھال کو دیکھتے ہو کہ ڈھلی ہوئی تو نہیں؟ ہماری عمر معلوم کرتے ہو کہ بوڑھی تو نہیں ہمارے ہاتھ پاؤں دیکھتے ہو کہ دبلی تو نہیں، مہروں پر جھگڑتے ہو، قیمتی جہیز مانگتے ہو! اور اس طرح اپنے من کا سودا خریدنا چاہتے ہو ــــ!

ایک دن میں بمبئی کے ایک کنچن خانے کی سیر کرنے گئی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ضرورتمند مرد آتے ہیں اور تقریباً برہنہ عورتیں دس دس، بیس بیس ــــ ان کے سامنے لاکر پیش کی جاتی ہیں۔ وہ ان کو بیحیائی اور بیشرمی سے بھری ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، معاینہ کرتے ہیں، جانچتے ہیں، انتخاب کرتے ہیں، ان کے دام چکاتے

ہیں ــــــ قربانی کی ان بکریوں پر اس طرح تبصرہ ہوتا ہے!

"آنکھیں تو اچھی ہیں مگر چہرہ دُبلا ہے۔"

"رنگ و روغن تو بُرا نہیں مگر جسم بھدّا ہے۔"

"یوں تو بُری نہیں، مگر آنکھیں ذرا چھوٹی ہیں۔"

"ہونٹ ذرا موٹے ہیں اور ناک چھوٹی ہے۔"

"دانت بدنما ہیں۔ کمر موٹی ہے!" ــــــ

میں تم سے پوچھتی ہوں، کیا وجہ ہے کہ ایک دن وہ نہ آئے کہ ہم بھی مردوں کو اسی طرح اپنے سامنے حاضر کر کے نہ جانچیں اور پرکھیں، کتب خانوں میں عورتوں کے بجائے مرد رکھے جائیں! اور عورتیں جا کر ان کا بھاؤ طے کیا کریں، وہ سب ہمارے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں اور ہم بھی مردوں کی طرح سنگدل اور بیحیا ہو کر ان پر تبصرہ کیا کریں!

"یہ کالا ہے!"

"یہ بھدّا ہے۔"

"یہ کانا ہے۔"

"اس کی آنکھ ٹیڑھی ہے، کان بڑے بڑے ہیں!"

"اس کی ڈاڑھی میں الجھنے ہیں۔"

"یہ گنجا ہے۔"

"اس کا سانس متعفن ہے، اس کے دانت میلے ہیں۔"

پھر تم سے، ہماری عصمت کے مکار ٹھیکہ دارو! ایسا خوفناک انتقام لیا جائے کہ آسمان کے فرشتے تمہارا حال دیکھ کر کانپنے لگیں۔ صدیاں اس طرح گذر جائیں اور تم

غلامی کی زنجیروں میں اسی طرح جکڑے ہوئے عورتوں کے سامنے جھکائے جاؤ، جس طرح آج تم بے دست و پا، عورتوں کو جھکاتے ہو، کچلتے ہو، پیستے ہو، آج ہم تمھارے وہ غلام ہیں جو ریگستانوں میں پتھر ڈھوتے ہیں —— تاکہ تمھارا فتح مینار تعمیر ہو سکے ہمارے شانوں پر تمھارے چابک پڑتے ہیں! تاکہ ہم تمھارے گناہوں کا بوجھ اٹھانے سے انکار نہ کر سکیں —— انکار کا ایک سانس بھی نہ لے سکیں، ہم دریاؤں میں پھینکے جاتے ہیں تاکہ تم جیسے مگرمچھ اپنی غذا پائیں۔ دیوتاؤں کی قربانگاہ پر رکھے جاتے ہیں تاکہ دیوتاؤں کا چہرہ ہمارے خون سے گلرنگ کیا جا سکے۔ پھر تمھاری فتح کے بعد جب ہم زخموں سے چور ہو کر میدان جنگ میں سسکتے ہوتے ہیں تو تمھارے صبا رفتار گھوڑے ہمیں روندتے ہوئے گذر جاتے ہیں! کیا وہ دن کبھی نہ آئے گا کہ عورتیں تمھاری ہوس بھری آنکھوں میں سلائی پھیر کر تم کو اندھا کر دیں تاکہ تمھاری بے شرم آنکھ اُن کے حسن کو دیکھ ہی نہ سکے! تمھارے کانوں میں گرم تیل ڈال کر تم کو بہرہ کر دیں تاکہ وہ پھر کبھی عورت کی موسیقی سے آشنا نہ ہوں؟ تمھارے جسموں کو آگ اور دھوپ میں اس طرح خشک کر دیں کہ تمھاری ہڈیوں میں بھی نم باقی نہ رہے!

## اکیسواں خط

کل نکاح کے پیام کا جواب دیتے دیتے غصہ آ گیا! آنا نہ چاہیے تھا —— تم بیوقوفوں پر غصہ کرنا فضول ہے، تم لوگوں کو تو محض استہزا اور تحقیر سے مارنا چاہیے! تم لوگ اس قدر اخلاقی بلندی نہیں رکھتے کہ تمھاری باتوں پر غصہ اور رنج کا مظاہرہ کر کے میں اپنے اعصاب کو تکلیف دوں! کل میں نے تم کو یہ سمجھانے

کی کوشش کی تھی کہ ہم جیسے بدنصیبوں کیلئے تم لوگوں کی سوسائٹی میں نجات کے تمام دروازے بند ہیں۔ اگر تم مجھ جیسی عورت کو بیوی بنا بھی لو تب بھی لوگ تمہارے نکاح کو عیاشی سے کم نہ سمجھیں گے اس کے بعد اگر اولاد ہوئی تو اس کا کیا حشر ہوگا ؟

اولاد کے متعلق مرد کی ذہنیت بہت مضحکہ انگیز ہے، اس سے تو اس کو بحث نہیں کہ اولاد پیدا کرنے کا فطری جذبہ کیا ہے؟ اور اس تخلیق کا اصل اصول کیا اہمیت رکھتا ہے، وہ یہ نہیں جانتا کہ فطرت کا ہی سب سے بڑا فرضہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ تندرست اور توانا اور نیک خصلت اولاد پیدا کرکے نسل انسانی کو قائم رکھے۔ عموماً اولاد کا پیدا ہونا، مرد کی زندگی میں ایک حادثہ ہوتا ہے، وہ اولاد بھی اس کی عیاشی اور نفس پروری کا ایک کمزور اور مکروہ نتیجہ ہوتی ہے! اولاد ہونے کے بعد مرد کے اندر اس کی خود بینی کچھ زیادہ ہو جاتی ہے۔ وہ اولاد کو اپنی قوت مردانہ کا ناقابل انکار ثبوت سمجھ کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، جس طرح دہقان اپنی محنت وجفاکشی اور قوت تخلیق اپنے کھیت کی سرسبزی میں محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح مرد بھی مزرعہ حیات میں اپنی قوت تخلیق کے اس مظاہرہ پر احمقانہ ناز کرتا ہے۔ جس طرح چرواہا اپنے گلّے کی تعداد بڑھنے سے خوش ہوتا ہے مرد بھی بچوں کا باپ بن کر اپنی سلطنت میں اپنے محکوموں کی تعداد کا اضافہ پسند کرتا ہے، وہ جو ایک احساس قوّت اور غرور مالکانہ مرد کے اندر ہے اس کو اولاد کی پیدائش توانا کرتی ہے۔ باپ اپنے بچہ کو گود میں لے کر بیٹھتا ہے تو وہ یہ نہیں سوچتا کہ یہ بچہ قانون قدرت کا اقتضا اور دو مختلف جنسوں کے اتصال کا قدرتی نتیجہ ہے، وہ اس کو محض اپنی مردانہ قوت کی دلیل محکم سمجھتا ہے! اور بس! گویا عورت غریب کو مرد کے اس کارنامے میں کوئی دخل نہیں، وہ محض بچے کی ماما اور کھلائی ہے اور منجملہ اور خدمتوں کے اپنے آقا کی یہ خدمت بھی بجا لاتی ہے کہ اس کی اولاد کو پرورش

کرے۔ اولاد پر جو کچھ احسان ہے وہ باپ کا ہے، ماں تو محض شمار کا ایک چھوٹا سا عدد ہے، حالانکہ بسا اوقات وہ یہ بھی جانتی ہے ـــــ کہ اباجان کی گود میں ان کی شوہریت کا یہ ثمر عموماً حَبّ مقوی اور ما راللحم خاص بنانے والے دواسازوں کی کیمیاوی ترکیبوں کا نتیجہ ہے! وہ جانتی ہے کہ سرکار کی قوت تخلیق کس درجہ ہندوستانی دواخانوں کی رہین منت ہے! وہ یہ بھی جانتی ہے کہ جب فطرت کا حقیقی تقاضہ، جوانی کی بدکاریوں میں خارج از فطرت زائل ہو چکا، تب یہ پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا ہے۔ مجھے مردوں کی نفسیات سے اس قدر واسطہ پڑتا ہے کہ دن رات عجب عجب تمسخر انگیز اور عبرت آموز تماشے دیکھا کرتی ہوں، بار ہا اپنے عشاق کامگار کی جیبوں سے میں نے مقویات اور مہیات کی پڑیاں چرائی ہیں۔ مجھ سے چھپا چھپا کر جب وہ اپنے منہ میں گولیاں رکھا کرتے ہیں تو میں نظر بچا کر دیکھ تو سب کچھ لیتی ہوں مگر کہتی کچھ نہیں، ضبط نہیں ہوتا تو منہ پھیر کر مسکرا لیتی ہوں، جب یہ بازاری حسن پرست ہم لوگوں کے گھروں میں قدرت کی دی ہوئی قوتوں کو ضائع کر چکتے ہیں تو پھر کسی شریف لڑکی کو اپنا شریک زندگی بنا کر اس کی جوانی سے کھیلتے ہیں، مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ اس جنس کی مردانگی جسے مرد کہتے ہیں ۹۰ فیصدی خارج از فطرت اور محض تصنع ہے۔ مرد اور عورت کا جو جذبۂ فطری محض توالد و تناسل کیلئے فطرت نے پیدا کیا وہ جذبہ جدید تمدن اور اخلاق کی، مصنوعات میں تقریباً فنا ہو گیا۔ اور اس کے بجائے ایک مصنوعی خواہش کو جرائیم دماغوں میں پیدا ہو گئے جو غیر فطری ہوس پیدا کرتے ہیں، فطرت کا وہ صادق جو عورت و مرد کے اتصال کی سب سے مضبوط کڑی ہے تمہاری ہوس کاریوں کی نذر ہو گیا۔ جوش جوانی کے تمام فطری تقاضوں کو اپنی عیاشی میں فنا کر کے اب جو

تم نکاح کرنے چلے ہو تو سوائے اس کے کہ سائنس اور طب کے سہارے دو چار لولے لنگڑے کانے کھڑے۔ روتے ہوئے، البسورتے ہوئے مریض اور ناتوان بچے پیدا کرلو اور کیا کرسکتے ہو؟ تم مردوں کی حقیقت حال تو یہ ہے اور پھر تمہارا فریب اور غرور شوہر اور باپ بننے کا دعویٰ ہے!

تم کبھی دس منٹ کیلئے میرے عشق کی گرمجوشی سے فارغ ہوکر ذرا سوچو کہ میں اشاروں میں، آہوں، آنسوؤں، زخموں اور ناسوروں کی اس دنیا کا حال جس میں عورت رہتی ہے، کس کس طرح بیان کرتی ہوں، مگر تم مردوں کو اکثر پیش پا افتادہ حقائق کا احساس نہیں ہوتا ——— ایسے اندھے ہو ——— کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں کی مصنوعی خواہشات نفسانی نے عورتوں کی زندگی کو کس طرح تباہ کر ڈالا ہے اور تمہاری آئندہ نسلوں کے مستقبل کو کس درجہ تاریک کر دیا ہے؟۔ عورتوں کی صحت کا بگاڑنے والا ۹۰ فیصدی تم لوگوں کی ہوس پرستی کا جذبہ جابرانہ ہوتا ہے۔ خود مختار بادشاہ بن کر تم سمجھتے ہو کہ عورت کو تمہاری ہر غیر فطری خواہش کا غلام ——— ، تم چند لمحے نفسانی تعیش کے چاہتے ہو؟ اور تمہارے خیال میں عورت کا فرض ہے کہ وہ جس حال میں بھی ہو ——— بیمار ہو ——— معذور ہو ——— تمہارے نفس کے حکم کی تعمیل کرے۔ تمہارے جلد جلد پیدا کئے جانے والے کمزور بچوں کی پرورش کرتے کرتے اگر وہ مرنے لگے تو اس کی بھی تمہیں کچھ زیادہ پرواہ نہیں ہوتی، ہزار عورتیں ہیں جن کو تم بیاہ کر لا سکتے ہو، ہزار والدین موجود ہیں جو اپنی بیٹیوں کو شریعت کے نام کی آڑ میں تمہارے ہاتھ فروخت کرڈالینگے تمہارے نفس کا مشغلہ مسلسل جاری رہنا چاہیے۔ جنگل کی ہرنیاں پیدا ہی اسی لئے ہوئی ہیں کہ ہر وقت شکاری کے نشانے پر حاضر رہیں!'

مردوں کی تمام ازدواجی زندگی یک طرفہ ہوتی ہے۔ کتنی زندگیوں کے دریا تمہاری پیاس نے خشک کر دیئے مگر تم نے صرف اپنی ہی پیاس کو یاد رکھا۔ دریا کا پانی خشک ہوا جاتا ہے۔ اس کی کبھی پروانہ کی! جب ضرورت ہوئی اپنی نفس پرستی پر اللہ اور اس کے رسول کو دلیل لائے۔ روتی، بسورتی، بیمار، اپاہج اولاد کی کثرت بھی تمہارے خیال میں گویا اللہ پر تمہارا ایک احسان ہے، کہتے ہو" امت محمدی کی تعداد کا بڑھانا ہر مسلمان کا فرض ہے!" گویا نعوذ باللہ خدا تم سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تم کانے، لنگڑے، لولے جس قدر بچے پیدا کر سکو کئے جاؤ، مرنے دو اگر تمہاری بیویاں بچے پیدا کرتے کرتے مرجائیں، بچوں کے پیدا کرنے میں کوئی ایسی رکاوٹ گوارا نہ کرو جو تمہارے تعیش میں حائل ہو! اگر مجاہد پیدا نہیں کر سکتے، اگر آزاد شہری پیدا نہیں کر سکتے، اگر تندرست و توانا بچے پیدا نہیں کر سکتے تو کچھ پرواہ نہیں اچھے کے بچے پیدا کرو، اندھے پیدا کرو، جذامی پیدا کرو، غلام پیدا کرو، بھنگی اور چمار پیدا کرو پیدا کئے جاؤ! تا کہ امت محمدی کی تعداد میں اضافہ ہو! کبھی تم نے ——

میرے ہونے والے شوہر ! —— اس پر بھی غور کیا کہ تمہاری جنس کے کتنے افراد اس زمانے میں ایسے ہیں جو اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کو اپنی بدمعاشیوں سے حاصل کئے ہوئے متعدی امراض میں حصہ دار بناتے ہیں اور اپنے گناہوں کی وراثت اس طرح، اپنی آنے والی نسلوں کو بخش دیتے ہیں، یہ لوگ دیدہ ودانستہ شادیاں کرتے ہیں اولاد پیدا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یونہی ہوا کرتا ہے، یونہی ہونا چاہیے۔ بیویاں مرا ہی کرتی ہیں، مرد امراض خبیثہ میں مبتلا ہوا ہی کرتے ہیں، پھر کیا شادی بیاہ کا سلسلہ بند کر دیا جائے! جب ازدواجی زندگی کی بوجھل گاڑی نہیں چل سکتی اور مرد کی ہوس کی مظلوم شکار دم دیدیتے ہیں تو مرد کس قدر روتا اور چلاتا ہے۔" ہائے میرا گھر تباہ ہو گیا"

"ہائے میں اکیلا ہو گیا!" ـــــــ چند روز تو اس قدر چیختا چلاتا ہے گویا عنقریب وہ بھی مرحومہ کی قبر میں اپنا گھر بنالے گا، لیکن دو ہی تین ماہ کے بعد عقد ثانی کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے! کہتا ہے "کیا کروں؟ روٹی، پانی کی تکلیف ہے، دوسرے نکاح پر مجبور ہوں، نہ کروں تو کیا کروں؟ بچے بے آرام ہو گئے ہیں، تنہائی میرے لئے عذاب جان ہے۔" حالانکہ ان عذرات کے پردے میں نفس کا ایک شدید تقاضہ روپوش ہوتا ہے۔ جو ستر، اسی برس کے بوڑھوں کو بھی عقد ثانی پر بآسانی آمادہ کر دیتا ہے، مردوں کے لئے تو "عقد ثانی" اس قدر ضروری ہے مگر "شرفا" کے گھروں میں بیوہ کی شادی کا سوال اب تک بہت معیوب ہے!! ـــــــ یہ سب پیش پا افتادہ حقائق ہیں ـــــــ تم نے کبھی غور نہ کیا ہو گا۔ مگر میں خوب جان گئی ہوں ـــــــ مرد کی مکاریوں کو۔!

بعض وقت میرا دل ایک بڑا کٹہرا ہوتا ہے جس کے اندر بیسوں غضبناک شیر غراتے ہوتے ہیں، ایک گہرا اور اندھا کنواں ہوتا ہے جس میں سے خوفناک آوازیں آتی ہیں۔ میری اس حالت کا تم احساس نہیں کر سکتے جب میں اپنے اور تمہارے درمیان روحانی محبت کا تصور کرتی ہوں تو تم مجھے اتنی دور نظر آتے ہو جیسے آسمان پر ایک ننھا سا ٹمٹماتا ہوا تارا۔ جب میں تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی اور اس کی پابندیوں کا خیال کرتی ہوں تو تم مجھے ایسے نظر آتے ہو جیسے ایک خونخوار بھیڑیا، جس کے جسم سے بدبو آ رہی ہو اور جس کے دانتوں سے خون ٹپک رہا ہو! ـــــــ اپنے بلی کے بچے کو میں گود میں لے کر سلاتی ہوں، وہ گھنٹوں میری گود میں سوتا رہتا ہے اور میں ہر روز اس طرح بیٹھی رہتی ہوں کہ میرے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے ہیں صرف اس لئے کہ حرکت کرنے سے بلی کا بچہ بے آرام نہ ہو جائے ـــــــ کبھی کبھی تم بلی کے بچے کی طرح

میرے تصور میں آتے ہو ــــ شاید میں اگر تم سے نکاح کرلوں تو اتنی سی محبت تمھارے لئے میرے دل میں پیدا ہو جائے ــــ مگر ــــ جب نفسانی خواہشات کی شدت سے تمھارا تمتمایا ہوا چہرہ، چمکتی ہوئی آنکھیں، بگڑی ہوئی صورت یاد آتی ہے جب تمھاری ان خوفناک آنکھوں کا خیال آتا ہے، جس کے اندر میں شیطانی شعلے، چمکتے ہوئے دیکھتی ہوں اور محبت کی روشنی نہیں پاتی! ــــ جب تم محبت کی ان تمام گفتگوؤں کو بھول جاتے ہو اور اپنے ملعون نفس کے ہاتھوں سے میری نسائیت کا گلا گھونٹنے پر تلے ہوتے ہو ــــ جب تمھاری یہ کیفیت مجھے یاد آتی ہے تو میری انگلیوں میں فولاد کی سختی اور پھانسی کے پھندے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور میرے اندر ایک شدید جذبہ سر اٹھاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ کسی دن اپنے عاشقوں کا گلا گھونٹ گھونٹ کر اپنی خوابگاہ کو لاشوں سے پاٹ دوں۔

# بائیسواں خط

نکاح کے مسئلہ پر میری "پریشان خیالی" تمھیں ستا رہی ہے۔ آپ کی رائے میں میں "دماغی توازن" سے محروم ہوں۔ سچ کہتے ہو! آج فرصت نہیں، تمھارے کئی رقیب صبح سے میرے سر پر سوار ہیں، ایک دو دن بعد ذرا دیکھوں گی کہ تمھارے اندر کتنا "توازن" ہے! کہیں سے ایک اصطلاح سن بھاگے ہو، خاک نہیں جانتے کہ توازن کہتے کسے ہیں ــ؟ عشقیات کے مدرسہ میں سارا پڑھا لکھا بھلا بیٹھے! پہلے اپنے توازن کو تو دیکھئے! میں بیچاری ناقص العقل، مجھ پر تبصرہ فرمانے کی زحمت بعد ہی کو گوارہ فرمایئے گا! میرے حسن کی معشوقانہ پر آپ کا دم نکلتا ہے ــ یہ آپ کا "توازن" ہے! مجھ سے عشق فرماتے ہیں ــ یہ آپ کا

"توازن" ہے! ــــ یہ آپ کا "توازن" ہے کہ میرے عشق میں دن بھر۔ دیئے، رات بھر جاگئے، پھر دن بھر رد یئے، پھر رات بھر جاگئے اور دن بھر رد یئے! جاگئے تو میرے نام بیٹھے ہوئے عاشقانہ خطوط لکھتے رہئے۔ سو جئے تو مجھے خواب میں دیکھتے رہئے۔ مجھ سے ملاقات ہوگئی تو "وصل" ہے۔ ورنہ "فرقت"! ــــ یہ گویا آپ کا "توازن" ہے۔ یہ آپ کی زندگی کا دستور العمل ہے! تالاب میں رہنے والا مینڈک بھی تو یہی توازن رکھتا ہے کیچڑ میں کودتا ہے، تالاب کے کنارے بیٹھ کر چیختا ہے۔ برسات اس طرح گذارتا ہے، پھر اگلی برسات تک کیلئے غایب ہو جاتا ہے۔ جو کچھ اس کے تالاب میں ہے وہ سب اس کو معلوم ہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتا! اس مینڈک کی زندگی کا توازن بھی وہی ہے جو آپ کا ہے، درحقیقت تم جیسے عشاق میرے عشق کے دائرہ میں اسی طرح بند ہیں جس طرح مینڈک تالاب میں، میں اپنے گرد وپیش ساری دنیا کو دیکھتی ہوں اور وہ صرف میرے زلف وابرو کی حدود میں نظر بند رہتے ہیں، میں انسانوں کو ایک ایک خشک ہڈی پر غراتے اور لڑتے دیکھتی ہوں، چار پیسے کے نفع کے لئے ایک دوسرے کا گلا گھونٹتے ہیں، شخصی اقتدار اور سیاسی قوت کے حصول کیلئے ایک دوسرے کی قبریں کھودتے ہیں بہت سے وہ ہیں جو تمہاری طرح اپنے نفس لئیم کی تسکین کے لئے عورتوں کی زندگی اور اپنی جوانی برباد کرتے ہیں، اور جوانی برباد کرنے کے بعد بھی اپنے بڑھاپے کو ہمارے قدموں میں ڈالدیتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو "روحانیت" "طریقت" "معرفت" اور "تصوف" کا جامہ پہن کر ایمانوں کو لوٹتے ہیں اور قال اللہ و قال الرسول کے پردہ میں لوگوں کے کپڑے اتار لیتے ہیں۔ بہت وہ ہیں جو زندگی بھر نہ خود چین سے بیٹھتے ہیں نہ دوسروں کو بیٹھنے دیتے ہیں ــــ میں تم سب کو اسی طرح لڑتے جھگڑتے، مارتے، مرتے، اچھلتے، ڈوبتے فنا ہوتے دیکھتی ہوں، اور تم لوگوں کی بدحالی سے یہ سبق لیتی ہوں کہ دنیا کو پھر،

ایک طوفان نوح کی ضرورت ہے! جو ایک ہی دفعہ زندگی کا سارا نظام درہم برہم کر دے
اس طرح کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہے —— پھر سطح زمین پر از سرِ نو زندگی کا
نو شروع ہو اور نظامِ قدرت کا وہ توازن جس کو تم نے تباہ کر دیا ہے، پھر ایک دفعہ اس
دنیا میں قائم ہو جائے —— تم اپنی ترازو میں جس کا پاسنگ غلط ہے ہر عورت
کو تولتے ہو، پھر جو عورت تمہارے ترازو میں کم وزن نظر آتی ہے اس سے کہتے ہو کہ
تیرا توازن خراب ہے! ہم جیسے گناہگاروں میں صحیح توازن پیدا کرنے کیلئے
جب آپ کوئی مدرسہ قائم کریں گے تو میرا نام بھی طلبا کی فہرست میں لکھ لیجئے گا! ابھی تو
آپ کے توازن کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ میری صرف ایک چٹکی میں، ایک خفیف
مسکراہٹ میں تہ و بالا ہو جاتا ہے، میرے تیور ذرا بدلیں، میرے بالوں کی ایک لٹ
ذرا ہوا میں جھولے، میری ساری کا پلو آپ کے دامن سے چھو جائے —— آپ کا
"توازن" ریتے کی دیوار کی طرح بیٹھ جاتا ہے! کاغذ کے ناؤ کی طرح ڈوب جاتا ہے!!
یہ جناب کا توازن ہے، اور میرا "توازن" یہ ہے کہ تم جیسے سینکڑوں بیوقوف، بدنصیبوں
کی داستانِ عشق —— آنسوؤں، آہوں، اور ہچکیوں کے ساتھ آٹھ پہر سنتی
ہوں اور اپنی جگہ پر قائم ہوں، میرے عشاق روتے پیٹتے آتے ہیں اور ہنستے پیٹتے گذر
جاتے ہیں، میں ایک مضبوط چٹان کی طرح وہیں ہوں جہاں تھی جنگل کے سایہ دار
درخت کی طرح، جس کے سایہ میں ہر قسم کے مسافر آکر دم لیتے ہیں، بھوکے، پیاسے، تھکے
ہارے ہنستے، روتے —— ایک دو ساعت ٹھہرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں —— میں
زندگی کے لق و دق صحرا میں کھڑی جھومتی ہوں! طوفانوں کی بجلیاں میرے سر پر
کوندتی ہیں، بادل جھومتے ہیں، برستے ہیں اور گذر جاتے ہیں، آندھیاں آتی ہیں اور
اُتر جاتی ہیں، آفتاب کی گرم شعاعیں اور ماہتاب کی ٹھنڈی روشنی مجھ سے لپٹتی ہے

اور فنا ہو جاتی ہے، میں جس مرکز پر جم گئی ہوں، ساری عمر وہیں گذار دونگی۔ مجھے تم "توازن" سکھاؤ گے؟ ـــــ تم!!!

# تئیسواں خط

کل توازن والا خط ختم نہ کرپائی، ایک پرانے جاننے والے تشریف لے آئے تھے اور میں ان کے توازن کا امتحان لینے میں مصروف رہی! اس سلسلے میں مجھے اپنے عاشقوں کی ایک فہرست یاد آئی جو کچھ عرصہ ہوا میں نے مرتب کرنی شروع کی تھی، ایک دن شام کو سخت بارش ہو رہی تھی۔ عاشقانِ جانباز اپنے گھروں میں سیلے ہوئے پڑے تھے میں تنہا بیٹھی تھی، اسی زمانہ میں میرے ایک فدائی نکاح کا پیام لیکر صبح و شام آیا کرتے تھے، بیٹھے بیٹھے میں نے سوچا کہ دنیا میں چھوڑ ہی کیا جاؤنگی، لاؤ نکاح کے پیاموں کی ایک فہرست مرتب کرلوں تاکہ میرے مرنے کے بعد ان موذیوں اور بیوقوفوں کو جو آج میرے وجود پر طعنہ زن ہوتے ہیں اور اپنی جنس کی بلند مقامی پر ناز کرتے ہیں، یہ تو معلوم ہو کہ ان ہی کی بلند مقام جنس کے کتنے افراد عالی مقام اپنی سوسائٹی کے خود ساختہ اصولوں پر لات مار کر مجھے نکاح کا پیام دیا کرتے تھے، شاید مردوں کے غرور کو اس فہرست سے کچھ ٹھیس لگے! انھیں شرمانے کیلئے اس فہرست کا ایک ورق نقل کرتی ہوں، اصلی ناموں سے تم کو کچھ غرض نہیں، صفات کے متعلق اگر میرے مختصر اشاروں سے لطف اندوز ہو سکو تو ـــ سمجھونگی کہ تمھارے اندر عقل کی ایک رمق باقی ہے ـــــ بقدرِ اشک بلبل ناموں کے بجائے صرف نمبر لکھتی ہوں ـــــ ان ہی نمبروں میں کہیں تمھارا نام بھی ہوگا!

"یہ لیپلے کا خاتمہ کلام ہے، اس کے ان عاشقوں کی یہ فہرست جو اس کو نکاح کا پیام دیا کرتے تھے، ان مکار مردوں کیلئے ایک عبرت انگیز

ورثہ ہے جو عورت کو بدنام کر کے اپنی جنس کا تفوق ثابت کیا کرتے
ہیں ــــ خود لیلیٰ نے مرتب کی۔ لیلیٰ بنت لیلیٰ بنت
لیلیٰ، پیشہ عصمت فروشی، وطن ہندوستان ــ سمجھدار
زود فہم، چالاک، ذہین، شریر، بدمعاش، حرافہ ــ ۲۲ برس
کی بڑھیا کھوسٹ ــ آج بتاریخ ــــ ۱۹۳۱ء بمقام ــــ
قلمبند کی گئی تاکہ بعد وفات راقمہ ان نکاح کی خواہش کرنے والے
عاشقوں کے لئے سند ہو!

(۱) .......... عورتوں کا شکاری، ہمیشہ صبح کے وقت آتا ہے
جب میری حرارت غریزی کم ہوتی ہے امید کرتا ہے کہ کسی نہ کسی دن کبھی
کسی کمزور لمحہ میں جیت جائیگا ــــ،

(۲) .......... ڈیڑھ سو گھوڑوں کی طاقت والا عاشق! کوٹھے
کے زینے پر بھاری قدم اس طرح ڈالتا ہے کہ گویا پولیس کا سب انسپکٹر
تلاشی کا وارنٹ لیکر آرہا ہے! حملہ براہ راست اور بخط مستقیم کرتا
ہے! میرے دو چار طمانچوں، دس بیس گالیوں سے ذرا افسردہ
خاطر نہیں ہوتا۔ کھائے جاتا ہے اور اپنی کہے جاتا ہے!

(۳) .......... سور کی طرح سر جھکا کر سیدھا حملہ کرتا ہے جھونک
غضب کی ہوتی ہے۔ اس کے راستہ سے ذرا ہٹ جاتی ہوں تو اپنی
جھونک میں گذرتا چلا جاتا ہے، رک نہیں سکتا ــ اسی طرح اس کے
حملوں سے ہر دفعہ بچتی ہوں۔!

(۴) .......... دیوانہ بیل! سر جھکائے، دم اٹھائے، منہ سے

جھاگ گراتا ہوا آتا ہے، کھال بہت موٹی ہے! ـــــ

(۵)۔۔۔۔۔۔۔۔ جراتِ رندانہ کا بہت بڑا ذخیرہ رکھتا ہے۔ ایک دفعہ موٹر میں اس کے ساتھ ہوا کھانے گئی۔ عہد کر لیا کہ آئندہ فولادی زرہ بکتر پہنے بغیر ہرگز نہ جاؤنگی! ـــــ

(۶) بلّی کی سی چمکتی آنکھیں جو اندھیرے میں زیادہ چمکتی ہیں، دبے پاؤں آتا ہے، نرم کھال کے اندر نوکدار پنجے چھپائے ہوئے۔ اس طرح کونے میں آنکھیں نیچی کر کے بیٹھتا ہے جیسے بلّی چوہے کے انتظار میں!۔

(۷)۔۔۔۔۔۔۔ رات بھر تاش کھیلتا ہے۔ سگریٹ پیتا ہے۔ صبح کو اخبار کا لیڈنگ آرٹیکل لکھتا ہے اور دوپہر کے بعد پھر میرے عشق میں مبتلا ہو کر اور بھی زیادہ سگریٹ پیتا ہے، اور بھی زیادہ تاش کھیلتا ہے!

(۸)۔۔۔۔۔۔۔ بیمار ہے بیچارہ! حکیم صاحب کے مطب سے اٹھ کر سیدھا میرے پاس آتا ہے مجھے دیکھتے ہی دیکھتے ضیق النفس کا دورہ پڑتا ہے اور واپس چلا جاتا ہے! ـــــ

(۹)۔۔۔۔۔۔۔ میں اس سے عمر میں ایک ہزار برس بڑی ہوں۔! پیدا ہونے سے پہلے بلکہ اپنے باپ کے پیدا ہونے سے بھی پہلے مجھ پر عاشق ہو چکا تھا؛

(۱۰)۔۔۔۔۔۔۔ مالدار، بھدّا، بوڑھا، مثنوی زہرِ عشق اور گلزار داغ کے اشعار پڑھ پڑھ کر روتا ہے! ـــــ

(۱۱)۔۔۔۔۔۔۔۔ نمبر ۱ سے مالدار زیادہ بھدا کم، ایک زوجہ محترمہ کا فی الحال بلا شرکت غیرے مالک! نکاح ثانی کی تمنا ہے دس بارہ بچے پیدا کر چکا ہے دس بارہ اور میری گود میں پیدا کرنا چاہتا ہے!

(۱۲)......... باتونی! مرتا ہے اور زندہ ہے! نکاح بھی کرنا چاہتا ہے، اور جنبک میں نکاح پر راضی ہوں ناجائز تعلقات سے بھی دستکش ہونا نہیں چاہتا۔ ہر حال میں مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ ضدی مکھی کی طرح ہر وقت میرے کانوں میں بھنبھنایا کرتا ہے! ——

(۱۳)......... بہت مہذّب، معقول، سنجیدہ، علمی مذاق، رکھتا ہے! فلسفہ جنسیت کا بہت مطالعہ کرتا ہے مجھے بھی عورت اور مرد کے تعلقات کے متعلق ضروری مسائل سمجھاتا رہتا ہے! ——

(۱۴)......... قوم کا لیڈر ہے! شام کو جلسوں میں لکچر دیتا ہے، رات کو کھدر کا لباس پہنے میرے گھر آتا ہے۔ زنان بازاری میں قومی جذبات پیدا کرنے کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے اپنی عشق بازی کے ذریعے سے مجھے بھی قوم پرست بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے! ——

(۱۵)......... سُرخ، کبھی سفید، کبھی بھورا —— الّو —— رنگ بدلتا رہتا ہے، دن بھر گھر میں لیٹا ہوا طلسم ہوشربا پڑھا کرتا ہے۔ رات کو میرے بالاخانے پر آکر بولتا ہے تھوڑی سی افیون بھی کھاتا ہے! ——،

(۱۶)......... حضرت مولانا! کوٹھے پر نہیں آتے —— پیام بھیجا کرتے ہیں۔ میرے سر میں درد کی خبر سنتے ہیں تو تعویذ بھیجدیتے ہیں۔ بظاہر اور فی الحال پدرانہ اور بزرگانہ شفقت فرماتے ہیں۔ اکثر میری موجودہ حالت پر اظہار

افسوس فرمایا کرتے ہیں ۔ سنا ہے کہ مجھے نکاح پر آمادہ کرنے کے لئے وظیفہ یا کوئی عمل شروع کرنے والے ہیں ! ـــــ

(۱۷) ........ بی ۔ اے ۔ ایل ایل ۔ بی ۔ خوش رو، خوش پوشاک، شرمیلا، جوش عشق کا اظہار زبان سے کم مگر قلم سے بہت زیادہ کرتا ہے ۔ آدمی بُرا نہیں ـــــ ذرا بیوقوف ہے عاشق بنتے بنتے اب خاوند بننا چاہتا ہے ۔ بڑھتا آتا ہے! میں ہٹتی جاتی ہوں، وہ بڑھتا آتا ہے، ڈرتی ہوں کہیں پھنس نہ جاؤں ! پیچھے دیوار ہے، سامنے وہ ہے، وہ بڑھتا ہی رہے گا تو میں کہاں تک ہٹ سکوں گی مجھے بھاگ جانا چاہیے!"

کچھ دیکھا، کچھ سمجھے ؟ میری زندگی کے بیابان ریگستان میں کیسے کیسے اونٹ گزرتے ہیں ! پھر میں ان سب کی نکیل ہاتھ میں رکھتی ہوں، کسی کو ایک قدم اِدھر یا اُدھر نہیں جانے دیتی ! یہ کیا ہے اگر توازن نہیں ہے ؟ یاد رکھو جس کا ارادہ قوی ہے اسی کا "توازن" بھی صحیح ہوگا ! ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی قوت ارادی زیادہ قوی ہو جاتی ہے ۔ خود ظالم کا ظلم مظلوم کے عزم کو قوت بخشتا ہے جب کو تم عورتوں کی عیاری و مکاری کہتے ہو وہ تمھارے تیز پنجوں سے بچنے کے لئے ایک زرہ بکتر ہے ۔ جس کو استعمال کرنا تم ہی نے ہم کو سکھایا ہے ! ۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

# دوسری کتاب

# چوبیسواں خط

تمھاری کل رات کی گفتگو نے میرے زخموں کو بُری طرح چھیڑ دیا ہے۔ اپنی زندگی کے حال و استقبال کا جائزہ لے رہی ہوں، معلوم نہیں کس نتیجہ پر پہونچوں دو چار دن مجھ سے دور رہو، میرے سامنے نہ آؤ، نہ مجھے خط لکھو، ــــ نہ پیام بھیجو، ـــــ میں چلتے چلتے ایک دوراہے پر آگئی ہوں حیران ہوں کہ میری منزل کس سڑک پر ہے؟ للّٰہ! سوچنے دو، سنبھلنے دو، دم لینے دو! ـــــ،

اگر تم نہ مانوگے اور میرے گھر آؤگے تو میرا دروازہ بند پاؤگے۔ خط لکھوگے تو بغیر پڑھے اس کو آگ میں ڈال دونگی۔ انسان کی زندگی میں ایک وقت آتا ہے جب وہ اس منزل پر پہنچتا ہے جہاں "حال" کی سرحد ختم اور "استقبال" کی سرحد شروع ہوتی ہے! ـــــ کل رات میں اس سرحد پر آگئی، میرا تمام وجود روحانی حیران و ششدر ہے! یہ کیا ہوگیا؟ مجھے خبر بھی نہ ہوئی، تم چوروں کی طرح گھس آئے! آنکھیں بند کئے بھاگی چلی جا رہی تھی، سمجھتی تھی کہ یہی راستہ نجات کا ہے!ـ یہی راستہ آزادی کا ہے! ٹھوکر لگی تو اپنے کو اس منزل پر پایا جس منزل۔ سے بھاگ رہی تھی! ایسے ہی حوادث کا نام مقدرات ہے؟ قسمت اسی کو کہتے ہیں! جب مشرق کی طرف مُنہ کرکے بھاگے اور مغرب میں پہونچ جائے۔ جب آسمان کی طرف پرواز کرتا ہوا زمین میں دھنستا چلا جائے ـــــ وہی تقدیر ہے

میں تقدیر کا کھلونا، دو چار دن کے لئے معتکف ہوتی ہوں، دو چار دن بعد جب اس اعتکاف سے باہر آؤنگی تو اپنی قسمت کا فیصلہ کر کے آؤنگی، دریا چڑھا ہوا ہے ــــ بند باندھ رہی ہوں! ــــ مجھے بند باندھنے دو! میں نے ہمیشہ حقارت اور استہزا سے تمھارے ادعائے عشق و عاشقی کو ٹھکرایا ہے! ــــ آج مغلوب ہوئی جاتی ہوں اور ہاتھ جوڑتی ہوں، مجھے مہلت دو کہ میں اپنا گلا گھونٹ لوں اے اللہ! اے معبود! ــــ کیا یہ بھی نہ ہوسکے گا!

# پچیسواں خط

بار بار مت لکھو! میں پڑھ نہیں سکتی، سن نہیں سکتی، میرے پاس کوئی جواب نہیں، میں تپائی جارہی ہوں، آگ بھڑکی ہوئی ہوں شعلے بھڑک رہے ہیں، بانو یہ لوہا پانی ہوکر بہہ جائیگا، یا کسی نئے سانچے میں کوئی نئی شکل اختیار کریگا! ــــ دق نہ کرو! میں جل رہی ہوں ــــ پھک رہی ہوں، گل رہی ہوں ــــ مٹ رہی ہوں!!

# چھبیسواں خط

نہیں سنتے! نہیں سنتے لکھے جاتے ہو، بکے جاتے ہو، میں ایک نئی دنیا کے دروازے پر کھڑی ہوں، میرے تخیل کے تمام دیوتا اپنے شہ نشینوں میں، اوندھے پڑے ہیں! جس معبود کی میں نے ساری عمر پوجا کی وہ آج سر نہیں اٹھاتا میرے لئے اس نئی دنیا میں جس کا دروازہ تم کھول رہے ہو، موت بھی ہے اور زندگی بھی ــــ کیا ملے گا ــــ کیا پاؤں گی؟ ــــ خبر نہیں!!'

# ستائیسواں خط

تمھیں جواب کا انتظار ہے؟ کیسے جواب کا؟ کس کے جواب کا۔؟
مجھے بھی جواب کا انتظار ہے! ــــ اپنی قسمت سے ایک سوال کیا ہے!
ــــ اس کے جواب کی منتظر ہوں! آسمان کو تک رہی ہوں،
صبر کرو، انتظار کرو!

# اٹھائیسواں خط

فیصلہ کرلیا! اس جنت کا دروازہ بند کرلو جہاں تم مجھے لے جانا چاہتے تھے
وہ جنت میرے لئے نہیں ہے! میرا فیصلہ آخری ہے! جاؤ، میری زندگی کی حدود
سے باہر نکل جاؤ! ــــ اتنی دور کہ میرا ایک نقش قدم بھی نہ پاسکو اچھنا
رونا چاہو، رو لو، سر ٹکینا چاہو، سر ٹیک لو، ــــ مرجانا چاہو، مرجاؤ! ہر
حال میں جو کچھ گزر چکا اس کو بھول جاؤ! کسی زمانے میں میرا غم نصیب دل بہت
روشن اور بہت زندہ تھا! ــــ اس گھر میں نور ہی نور تھا! محبت کا نور ظلمت
نام کو نہ تھی! ــــ غم اور گناہ کی ظلمت! پھر ایک بیوفا نے اس گھر کو اس طرح
برباد کیا کہ اس کی دیواریں تک مسمار کرڈالیں، وہ اس گھر کی خاک اڑا کر ہنستا،
کھیلتا اپنے راستے چلا گیا، مرد اسی طرح آباد گھروں کو برباد کرکے گذر جایا کرتے
ہیں ــــ بھول جایا کرتے ہیں!! مگر عورتیں یاد رکھتی ہیں ــــ اور کبھی کبھی
انتقام کی آرزو میں ساری عمر گذار دیتی ہیں!

عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں:۔ وہ جو اپنے کو بلا شرط ہبہ کر دیتی ہیں!۔ مرد ایسی عورتوں کی طرف بہت کم توجہ کرتا ہے۔ وہ جو عارضاً اپنا جسم مرد کو دیتی ہیں! ___ مرد ان سے سرراہ تھوڑی سی دلچسپی لیتا ہے اور بھول جاتا ہے' اور وہ جو مرد کے دماغ کا گودا نکال کر پھینکدیتی ہیں، ٹھکراتی ہیں ___ ان عورتوں پر مرد مرتا ہے، میں نے عصمت فروشی کے مکتب میں اس فن کے بہت سے راز سیکھے، مگر جب کسی چاہنے والے کے دماغ کا گودا نکالنے کا وقت آتا ہے' میرے دل کے کسی گوشے میں رحم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ___ یہی میرے دل کا کمزور گوشہ ہے ___ اور میں اس گناہگار کو بخش دیتی ہوں ___ یہی میری کمزوری اور بزدلی ہے' اور یہی عمل میرے مذہب میں کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے چاہنے والوں کے قافلے آتے ہیں' ایک رات کارواں سرائے میں ٹھہرتے ہیں اور گذر جاتے ہیں! میں اسی حال میں خوش ہوں، خوش ہوں کہ مجھے کوئی یاد نہیں رکھتا ___ خوش ہوں کہ مجھے سب بھول جاتے ہیں، تم بھی اسی طرح ___ کسی طرح ___ جس طرح، ہو سکے مجھے بھول جاؤ، اس اجڑے گھر کی دیواریں جو میرا دل ہے، میں نے آخری تباہی کے بعد از سر نو بنالی ہیں، اور اس دفعہ اس گھر کے تمام دروازے اور روشندان بند کر دیئے ہیں تاکہ باہر کی ہوا اور روشنی کسی طرح اندر نہ داخل ہو سکے، لیکن ___ میرے اس گھر کی تاریکی میں، کہیں سے ایک شعاع داخل ہو رہی ہے! الٰہی! یہ کیا غضب ہو رہا ہے ___؟ کیا دیوار کی کوئی اینٹ یا پتھر کا کوئی ٹکڑا اپنی جگہ سے ہل گیا ہے۔ شاید دیواروں کی چنائی میں کوئی خلا پیدا ہو گیا ہے جو باہر کی روشنی کو اندر آنے کا راستہ دے رہا ہے

رب میرے! کیا ہوگا اگر پھر اس گھر کے روشندان کھل گئے؟ کیا ہوگا اگر پھر اس راکھ کے ڈھیر میں کسی چنگاری نے گھر کرلیا؟ کیا پھر ایک دفعہ مجھے اپنے تمام اسلحہ جسم سے الگ کرنے ہونگے؟ میرا زرہ بکتر پھر میرے جسم سے اتارا جائیگا، میری تلوار میری کمر سے کھولی جائیگی جب مجھے پھر بیدست و پا کر دیا جائیگا؟ میں پھر کسی کے رحم پر چھوڑ دی جاؤنگی؟ میں پھر محبت کی عریانی کو چھپانے کیلئے ایک بیوفا مرد سے لباس مانگونگی! میرے دل میں گناہ کی سلطنت کا خاتمہ کردیا جائیگا؟ اور محبت کی زنجیریں میرے جسم کو، میرے وجود معنوی کو باندھ کر ڈالدینگی؟ الٰہی کیا ہوگا؟ کیا ہونے والا ہے؟ میں لرز رہی ہوں، میں کانپ رہی ہوں، میرا دماغ چکرا رہا ہے! —— ایک طوفانی سمندر کے کنارے کھڑی ہوں! —— موجیں بڑھتی آتی ہیں! —— کیا پھر میری کشتی کسی ملاح کی محتاج ہوگی؟

رب العالمین! ایسا تو نہ ہو؟ —— مرجاؤنگی! ختم ہو جاؤں گی۔! گناہوں کی شہنشاہیت پر محبت کی بے بسی کو ترجیح! —— نہیں ہوسکتی —— نہیں ہونی چاہئے —— نہیں ہوگی! میں بھاگ جاؤنگی، میں ڈوب جاؤنگی، میں مرجاؤنگی! —— محبت کے دیوتا، تیرا تیر میرے سینہ تک پہونچنے نہ پائیگا! گناہ کی گہری نیند سے جگائی جارہی ہوں —— میں نہیں جاگنا چاہتی —— وہ نیند میرے لئے موت کی نیند ہونا چاہئے! زندگی میں نہیں چاہتی —— نہیں چاہتی! کیوں مجھے پھر زندہ کیا جارہا ہے؟ —— کیا اس کے سوا میرے گناہوں کی کوئی اور سزا تجویز نہیں ہوسکتی؟

"تو بھاگتی ہے! لو گرفتار کیجائیگی، تو مردوں کی نیند سونا چاہتی ہے،

تو جگائی جائیگی" کوئی میرے کان میں بار بار کہے جاتا ہے! اور میں چیختی ہوں، "بھاگ جاؤنگی، ہاتھ نہ آؤنگی، مرجاؤنگی، مجھے جگاؤ مت، گناہ کی نیند میں موت کے خواب دیکھنے دو! محبت کے زہر کا مزا اب تک زبان پر باقی ہے ——— کیا وہی زہر پھر پلاؤ گے؟ نہیں پیونگی! نہیں پیونگی"،

گناہ کی نیند میری راحت کا تنہا وسیلہ ہے، گناہ اور بیشرمی کو بھول کر گناہ اور بیشرمی کا ارتکاب کرتی ہوں، پتھر کی طرح سخت، سرد اور بےحس ہو کر نہ کچھ دیکھتی، نہ کچھ سنتی ہوں، خدا کے لئے مجھے جگاؤ نہیں ——— سونے دو، میری خوابگاہ میں آہستہ قدم اٹھاؤ۔ میں جاگ اٹھی تو مرجاؤنگی!

میری عمر کا سب سے بڑا حصہ، آہوں اور آنسوؤں کا ایک مجموعہ ہے، اب کہ میں چند ساعت کے لئے ان آہوں اور آنسوؤں کے کرب کو بھول کر گناہوں کے قہقہہ میں مست اور بیخبر ہوں، مجھے مست اور بےخبر رہنے دو، اس مستی اور بیخبری کو اس زہر سے تلخ نہ کرو ——— جو عورت کے دل میں زہر بن کر سرایت کرتا ہے! ———

میرا آخری فیصلہ یہ ہے کہ ہم تم ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں، میں تمھاری دنیا سے دور اپنے کو مفقود الخبر کرلوں، اور تم میری دنیا سے دور، اپنی دنیا میں جو کچھ گذر چکا ہے اس کو بھول جاؤ! وہ نہ کر سکی جو کرنا چاہتی تھی، بزدل ہوں ہمت نہیں، اختیار نہیں، ——— ہو سکتا تو جان دیکر اس قصہ کا خاتمہ کر دیتی۔ یہ بھی نہ کر سکی، اب بھاگتی ہوں! ———،

# انیتسواں خط

میرے دل کا عجب حال ہے، تم نے میرے قلعہ کی دیواروں میں رخنے پیدا کرنے کی کوشش کی۔ میں مقابلے پر آمادہ ہوئی، ــــــ مدافعت کرتی رہی، گرگر کر سنبھلتی رہی، بچتی رہی، جس گھر کے دروازے میں ہمیشہ کے لئے بند کر چکی تم اس میں داخل ہونے کی کیوں جرأت کرتے ہو ــــــ؟ اپنے تعشق کے آسمان پر جس ستارہ کو تم تک رہے ہو، وہ اب غروب ہوتا ہے غائب ہوتا ہے۔ پھر کبھی تم اس کو آسمان پر یا زمین پر نہ پاؤگے! ــــــ نہ پاسکوگے، چاہے چلاتے چلاتے اور روتے روتے مر بھی جاؤ، بدنصیب عورت کا آخری ہتھیار ابھی میرے پاس باقی ہے: میں بھاگ جاؤنگی میں بھاگ رہی ہوں ــــــ شکست کھا کر بھاگ رہی ہوں!

جب کل تم یہ سطریں پڑھ رہے ہوگے تو میں تمھاری عشق کی دنیا سے گذر کر کہیں دور ــــــ بہت دور ــــــ لاپتہ ہو چکی ہونگی، ڈھونڈتے پھروگے اور نہ پاؤگے! ٹھہر نہیں سکتی، اپنی کھیتی کے سرسبز ہونے کا انتظار نہیں کرسکتی خون کے آنسو روتی ہوں اور گذری چلی جاتی ہوں! ــــــ میں اپنی کھیتی کو سبز دیکھنا ہی نہیں چاہتی، پریشان ہوا کی طرح اڑی چلی جاتی ہوں! ــــــ خبر نہیں کدھر؟ ــــــ اور اپنے راستہ پر دل کے تمام ارمان نکال کر پھینکتی چلی جاتی ہوں! یہ تخم اگر کبھی سرسبز ہونگے تو اس وقت تک میری زندگی ختم ہوچکی ہوگی! ــــــ آنے والی نسلوں کے لئے اپنے آنسوؤں سے اس تخم کی بہت

آبیاری کرچکی ہوں، میں نہ ہونگی! مگر میری لاکھوں بہنیں میری کھیتی سے کچھ نہ کچھ حاصل کرینگی، ——— میری تمہاری عشق وعاشقی ہو چکی، میرے اور تمہارے آنسوؤں کا ہر قطرہ آئندہ آنے والوں کے لئے زندگی کی ایک ضمانت ہے! ——— یہی یاد رکھو! ——— باقی سب بھول جاؤ! بھول جاؤ ——!

خدا حافظ!

# تیسری کتاب

# تیسواں خط

بیچارگی اور بیکسی کی گھڑیاں بہت طویل ہوتی ہیں، میرے لئے بھی طویل ہوتیں اگر گناہ کے ہنگاموں میں اپنے دل کی کلفتوں کو بھول نہ جایا کرتی —! پورا ایک سال تو نہ ہوا ہوگا جب میں تمہارے دست طلب سے بچکر بھاگی تھی۔ اس عرصہ میں عمر کی صدیاں اس طرح گذر گئیں جیسے تمہارے لئے وصل کی ایک شب! ہر دن اور ہر مہینہ ایک لمحہ اور ایک ساعت کے برابر تھا۔ گذشتہ سال کی طغیانی کے بعد جب دریا اترا تو اس کے کناروں پر کیچڑ اور متعفن کوڑا سڑی ہوئی لاشیں جو باقی رہ گئیں ان کی گندگی میں میں نے یہ پورا سال گذار دیا! بھاگ جانے کا آخری فیصلہ میرے لئے پہاڑ کی چڑھائی تھی —— مشکل سے چڑھ سکی!— مگر چڑھ گئی! —— تم کھینچتے ہی رہے! روکتے ہی رہے۔ لیکن وہ ایک شدید ہیجان، اور اضطراب کا عالم تھا کہ میں تم سے اپنا دامن چھڑا کر بھاگی۔ اور پہاڑ پر چڑھتی چلی گئی تاآنکہ اس کی چوٹی پر پہونچ کر دم لیا، اس وقت یک گونہ اطمینان ہوا کہ تم دور رہ گئے! میں ہاتھ نہ آؤنگی۔ مگر پہاڑ کی چوٹی پر پہونچنے سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ دوسری طرف کا اتار اس چڑھائی سے بھی کچھ زیادہ مشکل ہے۔ چڑھائی میں تمام قوت صرف کر دینے کے بعد اتار کے وقت ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں رہتے اور چڑھنے والا چوٹی پر پہونچ کر پھر جو بے اختیار پھسلتا ہے تو پھسلتا ہی چلا جاتا ہے! باوجود تمہاری مزاحمت کے میں نے پہاڑ کی چڑھائی طے کرلی۔ مگر یہ کیا خبر تھی کہ پہاڑ کے دوسری

طرف میری قسمت کہاں لے جائیگی! تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ گذشتہ بارہ
مہینوں میں میں نے اپنے وجود فانی کو، پہلے سے زیادہ وارفتگی کے ساتھ،
عصمت فروشی کے دوزخ میں جھونک دیا، اور میں تم سے کیا کہوں کہ کس طرح
میں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ـــــ گذشتہ ایک سال میں ـــــ گناہ
سے خالی نہیں چھوڑا۔ معصیت، نفس پرستی، حسن فروشی، (دنیا والوں کی اصطلاح
میں جو چاہے کہو) کے ہجوم اور ہنگامے میں میں نے سب کچھ بھلا دیا، کچھ بھی یاد نہ رکھا
کم از کم بھلانے اور بھول جانے کی ایک حد تک کامیاب کوشش کی! اترے ہوئے
دریا کے کیچڑ میں میں کھیلنے لگی! گندگی کا احساس اگر کچھ باقی تھا تو اس کو بھی میں نے
اپنے دل سے مٹا دینا چاہا۔ میری زندگی کا ہر لمحہ نئے عشاق کی تلاش میں
گذرنے لگا۔ اور ہر شب میں نے عہد کر لیا کہ میرا بستر خالی نہ رہے گا۔ کم وبیش
۳۶۵ دن اور ۳۶۵ راتیں میں اس طرح گذار چکی! اپنے خیال میں میں نے
ازدواجی زندگی کے تمام امکانات کا خاتمہ کر لیا! اب تو میرا وجود معنوی بھی اس
قدر گندہ ہو گیا ہے اور میرا ظاہری حسن بھی اس قدر پھیکا پڑ گیا ہے کہ تم ایک دفعہ دیکھ
کر منہ پھیر لوگے! میری روح کا تعفن میرے جسم کے ہر رونگٹے سے نکل رہا ہے۔ پہلے شاید
میرے لباس زندگی کے چند ٹکڑے دھبوں سے بچے ہوئے تھے، مگر میں نے وہ
لباس ہی اب پھاڑ کر پھینک دیا! ـــــ عریاں ہوں ـــــ شیطان کی طرح
عریاں! ـــــ جب تک محض پانی گندہ تھا اور اس قدر متعفن نہ تھا، تم اپنے لئے
اس کو آب حیات سمجھتے رہے، اب صرف کیچڑ باقی ہے، وہ بھی نہایت متعفن، اب تو
مجھے یقین ہے کہ تم قریب آنا بھی گوارا نہ کروگے! ـــــ

معلوم نہیں تم کو کس طرح میرا پتہ معلوم ہوا، بہر حال تمھارے خط کے آنے سے میں خوفزدہ نہیں ہوئی۔ اب تو وہ عالم ہے کہ جب چاہو مجھے آ کر دیکھ لو۔ لیلیٰ اب وہ لیلیٰ ہی نہیں جس کو تم پیام محبت دیتے تھے، اپنے حسن کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لٹا دیا ہے، میرا چہرہ اب بے نور اور میری روح اب تاریک ہے! میرے عارض کی چمک جو کچھ ہے وہ پوڈر اور غازہ کی مرہون منت ہے، گویا چہرہ پر ایک خول چڑھا ہوا ہے! صبح کو میری صورت دیکھو تو چڑیل نظر آتی ہوں، شام کو میری بہار دیکھنا چاہو تو تھیٹر کی لال پری معلوم ہوتی ہوں۔ حسن کا سرمایہ ختم کر چکی —— دلوا لیہ ہوں اس کشش اور جاذبیت کو —— جس نے تمھیں دیوانہ بنایا تھا —— مٹا کر میں نے اپنی زندگی کو اب اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ شاید تم دیکھ کر پہچان نہ سکو گے! پھر میں تمھارے آنے اور ملنے سے کیوں گھبراؤں؟ —— گھر کا سارا اساسہ لٹا چکی اب چوروں کا کیا ڈر

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتی ہوں رہزن کو

بہتر یہ تھا کہ تم اپنا وقت اب ضائع نہ کرتے اور مجھ تک آنے کی تکلیف گوارا نہ کرتے! —— مگر آنا چاہتے ہو تو آؤ، جتنی راتیں تم چاہو گے، میرے بستر پر بسر کر سکو گے اپنے دیو کو آسودہ کر کے چلے جانا، اور مجھ سے آسودہ ہونے کے بعد بھی اگر تمھارا دیو کوئی نیا مشغلہ ڈھونڈھے تو یہاں میری ہم پیشہ اور بھی بہت ہیں جن سے تمھارے نفس کی تواضع کر سکتی ہوں! میرے ساتھ تمھاری عشق و عاشقی یقین ہے کہ پہلے ہی دن مجھے دیکھنے کے بعد ختم ہو جائیگی، اب جو میں نے اپنی حالت بنا لی ہے وہ تمھارے عشق کا اچھا علاج ہے! میں نے اپنی اس لغزش کا خوب علاج کر لیا ہے جو نہ جانے کیونکر تمھارے نکاح کے پیام کے بعد پیدا ہو گئی تھی، اس زمانہ کو اب میں اس طرح یاد کرتی ہوں جب

طرح ملیریا کے موسم میں جاڑے بخار کو صحت ہو جانے کے بعد! آؤ اب تمھارے، جنون کا بھی علاج کر دوں! میری زندگی کا وہ سمندر جس میں تم اپنی کشتی لے کر آگئے تھے اور جس کے پانی کو تمھارے پتواروں نے متلاطم کر دیا تھا اب محض ایک چہ بچہ ہو کر رہ گیا ہے! اس میں پانی ہی نہیں جس کو تم متحرک کر سکو! عورت کی کمزوری جس کو لوگ محبت کہتے ہیں اور جس سے مرد ہمیشہ ناجائز فائدہ حاصل کرتا ہے، وہ کمزوری جس کی ایک جھلک تم نے دیکھی تھی، وہ سب فنا ہو چکی! میں تم سے اور تمھارے عشق کی شورش سے ڈر کر بھاگی تھی اور کچھ عرصہ تک بہت ڈرتی رہی ـــــ یہاں آنے کے بعد بھی کبھی کبھی تنہائی کے لمحوں میں میرے اندر کوئی دوسرا وجود مجھے، دھمکایا کرتا تھا۔

"لیلیٰ! بچنا مشکل ہے: تیرے دل میں چنگاری ہنوز موجود ہے تو محبت کے پھندے میں پھنس گئی ہے۔ تیرے دل کی پرانی قبر میں مُردہ پھر کروٹیں لے رہا ہے، اب کیا کرے گی؟ کہاں بھاگ کر جائیگی؟ ـــــ آخر تیرے حُسن کو عشق کی بارگاہ میں ہتھیار ڈالنے پڑیں گے!"

پھر میرا شیطان میری مدد کرتا تھا، وہ کہتا تھا:۔

"گھبرانے کی کیا بات ہے؟ لیلےٰ تو ڈرتی ہے ـــــ تو؟ جس نے سیکڑوں موذیوں کو چٹکی میں مسل ڈالا، محبت ایک دھوکہ ہے محبت ایک فریب ہے! بھول کر بھی اس کا خیال نہ کیجیو، تجھے مردوں سے ان مظالم کا بدلہ لینا ہے، جو تجھ پر کئے گئے ہیں! ایک سانپ نے تجھے کاٹا، اب تو سانپوں کی تمام نسل کو تباہ کر دے ختم کر دے

تو ظالموں کی زندگیوں کو تباہ کیے جا، مٹائے جا! ان کے وجود
ظاہری و باطنی میں زہر ملائے جا، —— ایسا زہر قاتل ملائے
جا کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی ہمیشہ تلخ کام رہیں! خبردار گھبرانا نہیں
تیرے ڈنک میں کافی زہر ہے! شیروں کے پنجے اور بھیڑیوں کی
کے دانت توڑ دے —— فتح تیری ہے!"

میرا شیطان جس قدر باتیں کہتا ہے، سچ کہتا ہے! جو راستہ مجھے بتاتا ہے صحیح بتاتا ہے
عشق و محبت سے زیادہ شیریں انتقام کا جذبہ ہے، میرا شیطان انتقام کا دیوتا ہے
وہ میرا ہمدم و دمساز ہے! —— خلوت میں میرا سہارا اور محفل میں میرا
محافظ ہے!

چند ہی روز میں میں نے اپنے کو تمہارے عشق و عاشقی کے مقابلے میں پہلے
سے بہت زیادہ محفوظ کر لیا ہے! آؤ، اگر آنا چاہتے ہو؟ عشق کا کھوٹا سکہ میری
دکان پر نہیں چلتا۔ سونا، چاندی جس قدر اپنی جیبوں میں بھر کر لا سکو لیتے آنا، آؤ
تو اس طرح آؤ جس طرح اہل دول بازار کو جاتے ہیں۔ اس طرح نہ آؤ جس طرح
سڑک پر لڑکے کٹی ہوئی پتنگ کے پیچھے بھاگتے ہیں، منہ اٹھائے آسمان پر آنکھیں
جمائے، ہاتھ میں بانس کا ایک ٹکڑا لیے ہوئے، بھاگے چلے جاتے ہیں خبر نہیں ہوتی
کہ سامنے خندق ہے، کنواں ہے، دیوار ہے! یوں آنے سے کیا فائدہ؟ اپنے نفس
کو اپنا رہنما بناؤ، وہ تمہارا خدا ہے، —— میرے بستر کی آرائشوں کے مالک بنو،
میرے پوڈر سے ڈھکے ہوئے رخساروں سے اپنے ہونٹ سفید کر لو، میرے عطر میں سا
بسے ہوئے جسم سے اپنا لباس معطر کر لو، میری بنائی ہوئی پلکوں اور آنکھوں کے ڈوروں
کی شان میں قصیدے پڑھو، ایک شب، دو شب، ہزار شب، جتنا روپیہ صرف کر سکو

میں سیر کرو، مہمان رہو، پھر جب تھک جاؤ تو گھر جا کر کسی شریف خاندان میں کسی نیک بخت لڑکی کو اپنی شریک زندگی بنالو ـــــ اور سیدھے حج کرنے چلے جاؤ! ـــــ پھر تم سے زیادہ سچا مسلمان اور تم سے زیادہ نیک نہاد "شریف" کون ہو سکے گا!

جب آؤ تو مجھے خط لکھ دینا! تاکہ تمھارے لئے اپنی چند راتیں محفوظ رکھوں! ـــــ،

## اکتیسواں خط

یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنا پورا خط اُردو کے کسی رسالے سے نقل کیا ہے۔ یہ اردو کے رسالے بھی عشق کے بہت مقوی معجون فروخت کرتے ہیں،

آتش فشاں پہاڑ، آتش فشانی کے بعد کس قدر سرد اور مُردہ ہو جاتا ہے، گویا کبھی اس کے دہانے سے، آگ کے شعلے اور دھواں نکلا ہی نہ تھا، جو کچھ غلطی مجھ سے ہوئی تھی اس کے بعد میں کچھ ایسی سرد پڑ گئی ہوں کہ اب تمھارے عاشقانہ مکاتیب میرے اندر کوئی گرمی نہیں پیدا کرتے! الفاظ کی لذت سے محروم ہوں، خدا کرے تم بھی محروم ہو جاؤ! یہ بہت بُرا مرض ہے جس کو "ادبیت" کہتے ہیں۔ بیکاری کا یہ مشغلہ عذاب جان ہوتا ہے! تصور کی دنیا معشوقوں اور محبوبوں سے بھر دی جاتی ہے، اور پھر قلم کاغذ، روشنائی کا وہ اسراف بیجا کہ ـــــ معاذ اللہ! اور یہ مرض متعدی ہے، لکھنے والا خود مبتلا ہوتا ہے اور پڑھنے والوں کو بھی مبتلا کرتا ہے!

جس کسی کو بھی دو وقت پیٹ بھر کر روٹی ملے اور اطمینان کے چند لمحے میسر ہوں،

وہ اُردو رسائل کی رشاعتوں میں "علامہ فصیح" - "بلیغ الملک" - "ادیب العصر" - "فصیح العصر" - "ادیب شہیر" - "مصور فطرت" - "مصور غم" - "اور ناخدائے سخن" - کے "ارشادات" و "مقالات" و "ملاحظات" و "رشحات" و "فرمودات" و "حسیات" و "نبذات" و "تجلیات" و "روحانیات" و "جہات" و "اشارات" و "رموز" و "دقتِ نظر" و "فکر لطیف" و "فسانۂ اشک" و "فلسفۂ شباب" و "نغمۂ محبت" و "اعجاز رقم" پڑھ پڑھ کر سر دھنا کیے! یہ شاہکار" بنجر زمین میں بھی تخم الفت اگا دیتے ہیں "فسانۂ اشک" اور "فلسفۂ شباب" کے پڑھنے والے لڑکے جوان ہو کر ماشاء اللہ سو فیصدی عاشق بن جاتے ہیں - وہ تکیہ پر سر رکھ کر خیالات کی دنیا میں حسن و عشق کی تمام تصویریں کھینچ لیتے ہیں - پھر ان کو زندہ حسن کے مینائے لبریز سے ایک جام پینے کی خواہش ہوتی ہے - وہ خواہش بڑھتی ہے اور ہر دفعہ بازار کا جب ایک پھیرا کرتے ہیں تو وہ خواہش قوی تر ہوتی جاتی ہے - بڑھتے بڑھتے ایک جنون بے اختیار پیدا ہوتا ہے - اس جنون کی آندھی میں لیلےٰ کے عشاق اُڑتے ہوئے آتے ہیں اور لیلیٰ کے بالاخانے پر درخت کے سوکھے ہوئے پتوں کی طرح گرتے ہیں! یہ کیا بات ہے کہ مرد عموماً اپنی بیوی کو جذبات عاشقانہ کا مرکز نہیں بنا سکتا؟ ان جذبات کا رخ اکثر "باہر کی عورت" کی طرف ہوتا ہے - "ناخدائے سخن" اور "ادیب العصر" جب مضمون لکھنے بیٹھتا ہے تو عموماً ہمارے ہی بالاخانوں سے اپنے قلم اعجاز رقم کے لئے روشنائی لاتا ہے! معلوم ایسا ہوتا ہے کہ "نکاح" جذبات شاعرانہ کا قاتل ہے، "نکاح" کے بعد وہ کیف باقی نہیں رہتا، مرد اور عورت کے درمیان تعلقات کی شعریت باقی نہیں رہتی، شاید چوری کا گڑ اسی لئے زیادہ میٹھا ہوتا ہے کہ اس کا کھانا ممنوع ہے ممانعت شوق طلب کی معاون اور جواز اس کا دشمن!

ہماری ادبیات میں "احسن الکلام" وہ ہے جس کا مخاطب پارک میں ٹہلتا ہوا، اسٹیج پر ناچتا ہوا یا بازار میں جلوہ فگن کوئی "سرو بالا" ہو۔ مرد کی ہوسناکی کا یہ بہت بڑا راز ہے کہ جب تک وہ عورت کو حاصل نہ کرلے، ماگتا رہتا ہے اور جب حاصل کرلے تو اس کا ذوقِ طلب بہت سست اور اکثر فنا ہو جاتا ہے، ایک منزل پر پہونچکر پھر وہ جب تک دوسری منزل کا تخیل پیدا نہ کرلے جذبات اس کے اندر سوتے رہتے ہیں اور "جرعات" و "تجلیات" "نبذات" میں برسرِ کار نہیں آتے، یہ "شاہکار" لکھنے والے اپنے تخیل میں جو "تصویرِ لطیف" پیدا کرتے ہیں وہ درحقیقت مجھ ہی جیسی کسی لیلیٰ کے عارضِ انور کا ایک عکس ہوتا ہے، ــــــ کبھی مجھ سے ذرا بلند کسی دوشیزہ کا اور کبھی میری سطح سے بھی نیچے کسی عشوہ فروش کا، مگر گھر کے میلے کپڑوں، کھٹے بالوں والی ماں کا اس دنیائے تخیل میں بہت کم حصہ ہوتا ہے! ہوتا ہی نہیں، بیوی معشوق نہیں بن سکتی! ــــــ ممکن ہے وہ کسی حد تک محبوب ہو مگر اس کے رخسار کے پرتو سے "شاہکار" نمو نہیں پاتے! "ادبِ لطیف" پیدا نہیں ہوتا، تم تعلیمیافتہ اور مہذب نوجوان کہے جاتے ہو، ذرا انصاف سے کہیو میں غلط کہہ رہی ہوں، تمہارے وجود کی "شعریت" کا دامن، احباب کی محفلِ عیش، رسائل کے "ادبِ لطیف" اور بازاروں کی رونق کے ساتھ بندھا ہوتا ہے ــــــ گھر کی چار دیواری میں اس کا نشان بھی نہیں ملتا، یہ جو "علامہ فصیح" اپنے بے مثل زورِ قلم سے دنیا کے ذوقِ ادب کو نوازتے ہیں، ان کے تخیل کو ہمارے ہی رخسار جلا بخشتے ہیں! ان کی شاعرانہ زندگی کی ضامن ہماری ہی نرگسِ بیمار ہے ــــــ ہمارا ہی پیام ان کے "رشحاتِ قلم" کے ذریعہ سے حسن پرست دنیا کو دیا جاتا ہے! ان عصمت فروشوں کی خاموش دعوت جو سرِ شام بجلی کے قمقمے اپنے چہرہ کے سامنے روشن کرکے اپنے حسن کو مشتہر کرتی ہیں "ادیب العصر"

کے سحر کار قلم میں ایک پرشور نوائے عشق بن جاتی ہے! ہم تو کبھی آنکھ کے اشارے سے کبھی ابرو کی ایک خفیف حرکت سے، کبھی تبسم زیر لب سے اپنی محفل آباد کر لیتے ہیں مگر تمھارا یہ "ترجمان حقیقت" ایک عاشق غوغائی ہوتا ہے جو گویا دونوں ہاتھ گھما گھما کر اپنا سینہ کوٹ کوٹ کر چلاتا ہے اور بلاتا ہے: "نوجوانو! چلو عشق کا بازار کھلا ہے! حسن کی دوکان لگی ہوئی ہے!"

میں بدگمانی نہیں کرتی، مگر ان شاہکار کے لکھنے والوں میں کتنے ایسے ہیں جنھوں نے ہماری محفلوں میں "رقت قلب" حاصل کی ہو! مجھے کچھ شکایت نہیں! میں تو خوش ہوں کہ عشق کے جراثیم ان شاہکاروں کی پچکاریوں کے ذریعہ سے ہر طرف پھیلائے جاتے ہیں اور اس طرح خود مرد ہم کو ہمارے انتقام میں مدد دیتے ہیں۔ مزا بھی انتقام کا جب ہی ہے کہ تمھاری ہی کمر سے تلوار کھول کر تمھاری گردنیں کاٹی جائیں! تمھارے ہی دانت توڑ کر تمھارے جسم میں پیوست کیے جائیں، تمھارے ہی ڈنک کا زہر تمھارے خون میں پہونچایا جائے! —— لکھو! جس قدر "شاہکار" لکھ سکو، لکھے جاؤ!"

# بتیسواں خط

مبارک ہو! آپ پھر وادی عشق میں تشریف لے آئے، پھر میری راہ کے کانٹے آپکے پاؤں کا انتظار کر رہے ہیں، پھر کچھ عرصہ عاشقانہ مکتوب نویسی کا اچھا شغل رہے گا! میں نے تو آپ کو منع نہیں کیا! آئیے، جب آپکا جی چاہے! غریب خانہ مع اہلخانہ کے حاضر ہے! "نکاح" کے پیام کے سوا آپ عشق والفت کا جو پیام بھی لے کر آئیں سب سر آنکھوں پر! —— میرے بوسے آپکے سفر کی تکان دور کریں گے!

# تینتیسواں خط

آج سے کم و بیش ایک سال پہلے، میں نے تم کو ایک آخری خط لکھا تھا ــــــ آخری سمجھ کر لکھا تھا ــــــ گو اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخری نہ تھا ــــــ ابھی بہت سے خطوط لکھے جائیں گے، اس خط کے لکھنے کے چند ہی ساعت بعد میں تمھارے شہر سے رخصت ہو گئی تھی، پھیری والے سوداگر کی طرح جو صبح کو سڑک کے کنارے ایک رومال بچھا کر اپنی دکان لگاتا ہے اور شام کو اسی رومال میں اپنی دوکان کا سارا سامان باندھ کر روانہ ہو جاتا ہے، میں تمھارے شہر سے اپنی دکان اٹھا کر نئے شہر میں لائی! اس لئے کہ تم میری ساری دکان لوٹنے کی فکر میں تھے! بھاگی اور یہ سمجھ کر بھاگی کہ تمھارے میرے درمیان جس قدر فاصلہ زیادہ ہو گا میں اپنی شکست کو بھول جاؤں گی، اور تم اپنے عشق کو، وہ وقت جب میں بھاگی ہوں ایسا تھا کہ میرے ساز کے تاروں پر مضراب رکھی ہوئی تھی اور ایک آخری نغمہ میرے تاروں سے نکلا ہی چاہتا تھا۔ پہلے اس سے کہ مضراب حرکت کر سکے، میں اپنا ساز بغل میں دبا کر بھاگی لیکن اس بھاگنے پر ہنسی بھی آتی ہے اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں پھر کسی دن وہ میری شکست دہرائی نہ جائے! ــــــ یہاں سے بھی بھاگنا نہ پڑے! مگر اب میرے قلعے کے استحکامات زیادہ مضبوط ہیں، میرا ساز مضراب سے بہت دور ہے! تم مجھے ڈھونڈتے ہوئے آئے ہو تو آؤ! پرسوں شب جب تم میرے مہمان رہے تو تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ اس ساز کے تاروں کی راگنی کس قدر بدل گئی ہے۔ اس ویرانہ میں تم نے ایک دیوار بھی سالم نہ پائی ہوگی، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ سب کچھ دیکھ کر تم مجھ سے رخصت ہو جاتے۔ لیکن اگر پھر بھی تم چند روز میرے پاس گذارنا چاہتے ہو

تو مجھے عذر نہیں، میری طرف سے "التفات معشوقانہ" کے علاوہ کچھ پُرانا فلسفہ بھی سننا پڑے گا! ــــ اگر تم اپنا وقت ضائع ہی کرنا چاہتے ہو تو میں کیونکر تم کو روک سکتی ہوں؟'

جب سے یہاں آئی ہوں، نکاح کے چند پیام آچکے ہیں، میں سب امیدواروں کو ایک ہی جواب دیتی ہوں۔ "میرا جوڑا ازل میں پیدا ہی نہیں کیا گیا!" مگر میرا یہ جواب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مرد اپنے فلسفہ نفس کے مقابلے میں کسی دوسرے فلسفہ کو نہیں سمجھ سکتا! اس کے ایک وجود معنوی میں درحقیقت تین مختلف وجود مستور ہوتے ہیں، ایک ہی لفافہ میں تین تصویریں ہوتی ہیں۔ (۱) اصلی یعنی درحقیقت جیسی اس کی فطرت ہے! (۲) جیسا وہ سمجھتا ہے کہ وہ ہے اور (۳) جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کو سمجھیں۔ پہلی تصویر تو ہمیشہ پوشیدہ رہتی ہے، دوسری تصویر کی جھلک مرد کے اعمال و افعال میں کبھی کبھی نظر آجاتی ہے اور تیسری ہمیشہ نظروں کے سامنے رہتی ہے، تمھاری پہلی تصویر میں نے اب تک نہیں دیکھی ــــ کچھ وہم وگمان ہے کہ شاید ایسی ہوگی! البتہ دوسری اور تیسری تصویر خوب دیکھ چکی ہوں اپنے کو تم جیسا سمجھتے ہو خوب جانتی ہوں، اور جیسا چاہتے ہو کہ دنیا سمجھے اس سے بھی خوب واقف ہوں، اپنے عشق کی وارفتگی میں تم یہ دونوں تصویریں لفافہ کے باہر نکال چکے ہو، تمھاری بیوی بن کر بھی اس سے زیادہ میں کچھ نہ دیکھ سکوں گی! محبت کی کسوٹی پر بھی مرد کی حقیقت بمشکل واضح ہوتی ہے، مگر عورت بدنصیب اگر مبتلا ہو جائے تو اس کا وجود معنوی بہ آسانی بے نقاب ہو جاتا ہے: میں مانتی ہوں کہ مرد کی طرح عورتیں بھی اکثر حقیقت کو مستور رکھ سکتی ہیں اور رکھتی ہیں، بلکہ عام حالات میں مرد سے زیادہ اس رازداری پر قادر ہوتی ہیں، لیکن مرد عورت سے اس لئے

بازی لے جاتا ہے کہ وہ عشق کے ہجوم میں بھی اپنا راز محفوظ رکھ سکتا ہے اور عورت یہ نہیں کر سکتی۔ وہ محبت کی حالت میں اپنے وجود معنوی کے تمام پردے نوچ کر پھینک دیتی ہے، مگر مرد کی حالت یہ ہے کہ وہ جس کو اپنا شریک زندگی بناتا ہے معشوقہ بناتا ہے وہ عورت بھی اکثر اس اصلی تصویر کو نہیں دیکھ سکتی جو کبھی لفافے کے باہر نہیں آتی۔ تم شاید سمجھتے ہو کہ اتنے عرصہ کی راہ و رسم محبت کے بعد میں تم کو اچھی طرح پہچان گئی ہوں، میں جانتی ہوں کہ میں اگر یہ دعویٰ کروں تو غلط ہوگا! البتہ اس قدر جانتی ہوں کہ تم فی الحال مجھ سے محبت کرتے ہو، حتیٰ کہ دنیا کے تمام بُرے بھلے کو گوارا کر کے مجھے اپنا بنا لینا چاہتے ہو، مگر یہ کہ محبت کے طوفانی سمندر کی تہہ میں کیا ہے اس جنت کے اندر جس کا دروازہ تم میرے لئے کھولنا چاہتے ہو، مجھے کیا ملے گا؟ مجھے معلوم نہیں، یہ ایک معمہ ہے! مشکل یہ ہے کہ میں جس قدر تمہاری خوبیوں سے واقف ہوں اسی قدر یہ حقیقت بھی مجھ پر واضح ہے کہ مرد ہر حال میں، حتیٰ کہ محبت، میں بھی جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے، مکر کرتا ہے، اس کی عجیب فطرت ہے وہ سچے دل سے محبت کرتا ہے اور دھوکے بھی دیتا ہے اس کی سرشت میں خاک و باد و آب و آتش کے علاوہ ایک عنصر مکر بھی ہے جو اس خاک کے پتلے کی رگ رگ میں موجود ہے! وہ جھوٹ بولتا ہے، اور مکر کرتا ہے اس طرح جیسے روٹی کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے۔ جب سچے دل سے محبت کرتا ہے اور قسمیں کھا کھا کر کہتا ہے:۔ "اے محبوب! میں تجھ بغیر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا" تو وہ خوب جانتا ہے کہ اس کا یہ بیان غلط ہے! وہ ہر شام کو کہے گا کہ میں صبح تک زندہ نہیں رہ سکتا، اور پھر ہر صبح کو بخیر و عافیت اپنے بستر سے اٹھے گا، پھر شام کو بغیر شرمائے وہی بات کہے گا، اور حقیقت بات یہ ہے کہ مرد جس قدر زیادہ بکتا ہے اسی قدر اس کے

بیان میں مبالغہ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ عورت محبت میں بھی، بہت کم زبان کھولتی ہے اور اس لئے بہت کم جھوٹ بول سکتی ہے۔ وہ اتنا بکتی ہی نہیں کہ زیادہ جھوٹ بول سکے، تم شاید کہو گے کہ جذبات کی شدت زبان و قلم کو بے اختیار کر دیتی ہے اور اس لئے مرد اپنے بیان عشق میں مبالغہ کرتا ہے۔ یہ فرو گذاشت قابل گرفت نہیں لیکن جذبات کی شدت میں ایک انسان دوسرے انسان کو قتل بھی تو کر دیتا ہے۔ وہ جرم بھی قابل گرفت نہیں؟ جذبات کا میں بھی احترام کرتی ہوں اور جو لوگ انسان کی زندگی میں جذبات پر معترض ہوتے ہیں میں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہوں! وہ جانتے ہی نہیں کہ زندگی ہے کیا؟ ـــ جذبات کے بغیر لوہے کی مشین اور انسان میں فرق ہی کیا رہا؟ سمندر کیا ہے اگر اس میں موجیں نہ ہوں؟ آگ کیا ہے جس میں شعلہ نہ ہو؟ سمندر کی عزت اس کی موجوں سے اور آگ کا وقار اس کے شعلوں سے قائم ہے! خشک فلسفی اور بے مغز حکیم، سمندر کے سوکھے ہوئے جھاگ اور لکڑی کے جلے ہوئے کوئلے ہیں اگر وہ جذبات سے محروم ہیں، ماں اور باپ جذبات سے خالی ہوں تو اولاد کیونکر پرورش پائے۔ مرد اور عورت ایک دوسرے کے متعلق جذبۂ شوق سے عاری ہوں تو یہ آبادی ویرانہ ہو جائے! مگر آگ اور سمندر کی طاقت کا مبالغہ بھی تباہی لاتا ہے۔ طوفان حد سے گذر جائے اور آگ قابو سے باہر ہو جائے تو پھر دنیا میں قیامت آ جاتی ہے، اعتدال سے گذر کر تریاق بھی زہر ہو سکتا ہے تم اپنے جذبات کے ظاہر کرنے میں جو مبالغہ کرتے ہو اس سے میں نے کبھی دھوکہ نہیں کھایا تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ تمھارے جذبات کی شدت نے مجھے ایک لمحہ کے لئے متاثر کر دیا تھا! تو اس وہم کو اپنے دل سے نکال دو، عورت، مرد کے جذبات سے دھوکہ تو کھا جاتی ہے مگر فی الحقیقت مرعوب نہیں ہوتی۔ لیکن جب اس کے دل میں بھی کوئی چنگاری روشن

ہو جائے تب وہ البتہ آنکھیں بند کرکے دھوکے کھاتی ہے! ـــــ دھوکے کھاتے کھاتے مر جاتی ہے! محض اپنے ایک طرفہ جذبات کے مظاہرے سے تم عورت کو فتح نہیں کرسکتے! ـــــ مرد اور عورت کے اس معاملے میں دنیا کی کسی طاقت کو دخل نہیں ہے یہ معاملہ حکومت، قانون اور مذہب سب سے بالاتر، بلند اور آزاد ہے! اگر مرد پر ملکیت اور قبضہ کا جذبہ اس قدر حاوی ہوتا ہے کہ وہ میدان عشق میں بھی ذاتی نہ اور حاکمانہ شان سے آتا ہے۔ وہ جب عاشق ہوتا ہے تو اندھا ہوتا ہے!

اب پھر تم میری زد میں آئے ہو تو یوں ہی روز میرے لیکچر سننے کیلئے تیار رہو!

# چوتیسواں خط

پچھلے خط میں لکھ چکی ہوں کہ مرد اور عورت کی باہمی محبت حکومت، قانون اور مذہب سے بالکل آزاد ہے۔ اور اب پھر کہتی ہوں کہ وہ آزاد ہے اور ہمیشہ آزاد رہے گی۔ مذہب کے تعصبات اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتے! تم کیوں اس بحث میں مذہب کو لے دوڑے؟ مسلمانوں کا مذہب ہزار پانچسو برس پہلے کچھ رہا تو ہو، اب تو یہ ایک چھتری ہے جس کو مذہب کا نام لینے والے اپنی ضرورتوں کے لئے استعمال کرتے ہیں! دھوپ اور بارش میں یہ چھتری عمامہ و قبا کو خراب ہونے سے بچاتی ہے۔ بازار کے کتوں کو ڈرانے کے لئے اس سے عصا کا کام لیا جاتا ہے، موسم اچھا ہوا اور اس کی ضرورت نہ ہو تو وہ گھر کے کسی کونے میں پڑی رہتی ہے! ہر شخص کو حق نہیں کہ اس کو استعمال کرے۔ مذہب کے ٹھیکہ دار ہی صرف اس کو استعمال،

کرسکتے ہیں ان کی شریعت کے مسائل بھی چھتری کی طرح پھیلتے اور بند ہوتے ہیں ضرورت کے وقت شرعی مسائل کی تاویل و توجیہہ بالکل اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح، وکلاء قانون میں بال کی کھال نکالتے ہیں، جب شریعت کا کوئی حکم حالات اور خواہشات کے خلاف ہو تو اس کو بھلا بھی دیا جا سکتا ہے، توڑ مروڑ کر اس کی صورت بھی بگاڑی جا سکتی ہے، جب کوئی ذاتی ضرورت پوری کرنی ہو تو کسی نہ کسی کتاب میں کوئی مفید مطلب روائت نکل آتی ہے اور کہدیا جاتا ہے کہ "یوں بھی لکھا ہے"۔ دور کیوں جاؤ، اپنی ہی حالت دیکھ لو، آج تم ایک بیوا کو اپنے گھر میں بیوی بنا کر لانا چاہتے ہو تو خدا اور رسول کے احکام بیان کرتے ہو اور ثابت کرتے ہو کہ میرے لئے نکاح کرنا اور گناہ کی زندگی کا ترک کردینا کس قدر ضروری اور لازمی ہے مگر کل جب تم میری عصمت فروشی کی دکان پر سودا خریدتے تھے تو زنا کی حرمت کی گویا تم کو خبر ہی نہ تھی! یہ کچھ تمہارا ہی حال نہیں، تمہارے جو بڑے ہیں حضرت مولانا، شاہ صاحب قبلہ مفتی صاحب مدظلہٗ ان کے ہاتھ میں شریعت کی رسی ربڑ کی طرح بڑھتی سکڑتی ہے منہ کے جھاگ اور گلے کی پھولی ہوئی رگوں کے ساتھ جب "ملعون و مردود" کی کڑک سے مدرسہ اور مسجد کی محرابیں گونجتی ہیں، جب منبر اور مصلے پر بیٹھ کر خدا کی مخلوق کافر اور ملحد بنائی جاتی ہے جب دنیا کو "صغیرہ" اور "کبیرہ" کے متعلق احکام سنائے جاتے ہیں، اس وقت ان کو اپنے "صغیرہ" اور "کبیرہ" کا ذرا خیال نہیں آتا۔ یہ نہیں کہتی کہ سب کی یہی حالت ہے مگر اس تالاب میں بہت سی مچھلیاں گندی ہیں! بہت سے صغیرہ اور کبیرہ تو ایسے ہیں کہ مذہب کے لباس میں جواز کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، مثلاً جو شخص اپنی نفس پرستی کی خاطر تین تین چار چار بیویاں گھر میں رکھے تو کیا وہ اسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا جس گناہ کے تم میرے گھر آ کر مرتکب ہوتے

ہو فرق ہے تو صرف اتنا کہ ازدواج اور نکاح کے پردے میں جو جابرانہ عیاشی کیجاتی ہے
اس کا گناہ یکطرفہ ہوتا ہے، مرد ہی گنا ہگار ہوتا ہے اور عورت بے گناہ اور مظلوم ہوتی
ہے۔ تمہاری میری عیاشی ہم دونوں کا مشترکہ گناہ ہے! درحقیقت جیسا کہ بارہا کہہ چکی
ہوں، بڑا سوال ذہنیت کا ہے، مرد کی زندگی کی بساط پر عورت بیچاری تو ہزاروں
مہروں میں سے محض ایک مہرہ ہے، مرد خود اس بساط کا بادشاہ ہے، اس پر شہ
پڑ سکتی ہے کبھی کبھی زچ پر کیا جا سکتا ہے مگر قتل نہیں کیا جا سکتا۔ بساط سے اٹھایا
نہیں جا سکتا ــــ اور سب مہرے اٹھائے جا سکتے ہیں، وہ شاہانہ قوت اور عظمت
کے ساتھ عورت کو فتح کرتا ہے، کبھی دولت کے زور سے اور کبھی مذہب کے پردے میں
ــــ اور جہاں اور جب ضرورت ہوتی ہے اپنی شکست کو بھی مذہب کے سہارے
سے فتح بنا لیتا ہے!

تو عزیز دوست! مذہب کا تو ذکر ہی چھوڑ دو، اس کے علاوہ ہر نقطۂ نظر سے
اپنے اور میرے تعلقات پر غور کرو، تمہیں سمجھا چکی ہوں اور پھر سمجھاتی ہوں کہ اگر میں
تم سے نکاح کرنے پر آمادہ بھی ہو جاؤں تو تمہاری تمدنی اور معاشرتی زندگی کو تباہ
کر دونگی۔ تم شاید ساری دنیا کا میری خاطر مقابلہ کر لو مگر جب مذہب کے دیوتاؤں
کی خوفناک آنکھیں دیکھو گے تو دم بخود رہ جاؤ گے! ہم لوگوں کے دلوں میں بچپن سے
اس طرح مذہب کا خوف ــــ خوف، محبت نہیں، ــــ پیدا کر دیا جاتا ہے،
کہ ہماری شخصیت اور قوت ارادی بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی ہر سانس کو مذہب
کی ترازو میں تولتے ہیں اور ہر قدم پر ایک دیوتا کو سجدے کرتے ہیں، یوں ہی عمر گذر
جاتی ہے، زندگی کی فروعات بھی مذہب کے اندر داخل کر لی گئیں تا کہ ہمارے ارادے

اور فہم کی گردن میں ایسا پھندا پڑا رہے کہ ہم فرعون کے غلاموں کی طرح عمر بھر پتھر ڈھوتے رہیں۔ اور کوڑوں سے پٹتے رہیں! اگر ہم داہنے نتھنے کی بجائے بائیں نتھنے سے سانس لیں تو اس کی سزا ۷۰ ہزار برس تک جہنم کا عذاب ہے اگر داہنے پاؤں کے بجائے بایاں پاؤں اٹھائیں تو ہمارے لئے ۹۰ ہزار برس دوزخ کی آگ میں جلنا لازمی ہے! اگر پانی ناک پکڑ کر نہ پئیں تو عاقبت میں آتشیں تازیانے ہماری کمر پر پڑیں! کروٹ لیں تو اس طرح، ناک صاف کریں تو یوں، لقمہ منہ میں رکھیں تو اس طرح لیٹے سے اور بستر پر آرام کریں تو اس پہلو ——— غرضیکہ ہر سانس کے ساتھ قانون کی ایک دفعہ موجود ہے ——— سزا اور انجام کی تمام تفصیلات کے ساتھ!

ان مذہبی عدالتوں میں جہاں پاجاموں کی لمبائی، داڑھیوں کا طول، مونچھوں کا وزن ناپا تولا جاتا ہے۔ انسانی دماغ کا میدان عل ہر طرف محدود ہے، اور انسانوں کی شخصیت مفلوج! ہمارا کھانا، پینا، رونا، ہنسنا، سونا، جاگنا، چلنا، دوڑنا، سب مذہب کے اجارہ داروں کی مرضی پر منحصر ہے! ہماری قوت امتیازی معطل ہے۔! مذہب کے اصولوں کو چھوڑ کر، دنیا فروع کی الجھنوں میں پھانس دی گئی ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ اصول توڑے جاتے ہیں اور فروع کی پابندی پر نجات کا انحصار کیا جاتا ہے محبت، اخوت، انسانیت، عصبیت، اس کا تو ذکر نہیں، لیکن جھگڑا یہ ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے یا زور سے! اسی طرح عورت کی زندگی مرد کے جابرانہ قبضہ میں دیدی گئی۔ واعظ صاحب جب چوکی پر تشریف رکھتے ہیں اور مذہب کے مسائل بیان فرماتے ہیں تو خطابت اور بیان کا سارا زور اس مسئلہ پر صرف ہوتا ہے کہ بیوی کو خاوند کی اطاعت کس طرح کرنی چاہئے؟ لیکن شوہروں کو اپنی بیویوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور مردوں پر عورتوں کے کیا حقوق عاید ہوتے ہیں اس

کا کوئی ذکر نہیں کرتا! ——— ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی، ہمارے لئے تو دنیا میں صرف ایک مٹھی گیہوں اور آدھ گز کپڑا ہے جو مرد ہم کو عطا کرتا ہے۔ ہماری زندگی کا قانون بھی وہی بتاتا ہے، اور مذہب کے قانون کے معنی بھی وہی ہم کو سمجھاتا ہے ——— جو اس کا جی چاہے ہم کو سمجھا دے! مرد نے پردہ کو ہماری عصمت کا محافظ بنایا ہے، گویا عورت اس قدر بد اصل ہے کہ اگر پردہ کے اندر بند نہ رہے تو اس کی عصمت محفوظ نہیں رہ سکتی! جب کوئی مرد کہتا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے پردہ ضروری ہے تو اس کے صاف یہ معنی ہوتے ہیں کہ عورت کی اخلاقی حالت اس کی نگرانی کی محتاج ہے۔ مگر میں کہتی ہوں، عورت سے زیادہ مرد کو پردہ میں بٹھانے کی ضرورت ہے اگر پردہ لازمی ہو تو مرد کے لئے ہونا چاہیے۔ نظر بند ڈاکو کو کیا جائے جو ڈاکہ ڈالتا ہے نہ اس غریب کو جس کے گھر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے، عورت تو بے پردگی میں بھی اپنی عصمت کی حفاظت کر سکتی ہے لیکن مرد اس کو صرف اس لئے پردہ میں بند رکھتا ہے کہ خود مرد کے گناہوں پر پردہ پڑا رہے۔ جابر حکومتیں اپنے مظلوموں کی آواز بند رکھنے کیلئے نظر بندی، زبان بندی اور قید کی ہزاروں صورتیں پیدا کر لیتی ہیں تاکہ مظلوموں کی آواز قید خانے کی دیواروں کے باہر نہ جا سکے مرد کی تمام ذہنی تربیت یہی ہے کہ ہر کام خوف اور دھمکی سے انجام دیا جائے، اس کے مذہب کا سب سے بڑا عنصر خوف ہے ——— اور لالچ، سزا کا خوف اور انعام کی توقع! اچھا کام اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ اچھا ہے بلکہ اس لئے کہ نہ کرنے میں سزا کا اندیشہ ہے اور کرنے میں انعام کی امید ہے! جس اخلاق انسانی کی بنیاد سزا کا خوف ہو وہ ایک کاغذی قندیل ہے جس کا کاغذ خوبصورت ہے مگر چراغ روشن نہیں!

یہ نہ سمجھنا کہ میرے دل میں مذہب کا احترام نہیں ہے! مگر میرا تخیل مذہب کے متعلق کچھ اور ہے میرے نزدیک جو کام محض جنت کی امید پر کیا جائے

وہ محض دھوکہ ہے اور جو جرم محض دوزخ کے ڈر سے نہ کیا جائے وہ فریب بر ہے، گناہگار اگر ۷۰ ہزار برس دوزخ میں جلائے جانے کے ڈر سے گناہ نہ کرے تو بھی اس کی گناہگاری کم نہیں ہوتی، اس کا دل ودماغ بدستور گناہگار رہتا ہے، البتہ دوسرے لوگ اس کے گناہ کی زد سے بچ جاتے ہیں مگر خود اس کے لئے نجات کا کوئی راستہ پیدا نہیں ہوتا نیک کردار اگر محض جنت کے لالچ میں نیکیاں کرے تو اس کی نیکیاں بھی بے قیمت ہیں۔، عمل کتنا ہی نیک ہو، نفس نیک نہیں تو پاکبازی کا دعویٰ غلط ہے! مرد کی ذہنیت کا اندازہ اس نکتہ سے کرلو کہ اس نے اپنے تخیّل میں جو جنت بنائی وہ یکسر ایسی نعمتوں سے بھر دی گئی جو مرد کو مرغوب ہیں! عورت کا حقیر وجود بس جنت میں بھی اتنا ہے کہ وہ حور بن کر ساکنان فردوس بریں کی خدمت کریں!!

میں اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتی اور نہ تم سے اور تمہارے ہم خیال لوگوں سے اس مسئلہ میں الجھنا چاہتی ہوں۔ لامذہب میں بھی نہیں ہوں مگر میرا مذہبی تخیل تمہارے تخیل سے کوسوں دور ہے! مذہب کا تخیل میرے دماغ میں وہ نہیں ہے جو "مولانا" اور "مرشد" تمھیں سمجھاتے ہیں!

ایسی بیوی کے ساتھ جس کمبخت کے یہ خیالات ہوں، تمہاری زندگی کیونکر گذرے گی؟——!

## پینتیسواں خط

کئی دن سے کہاں ہو؟ نہ تمہارا کوئی خط آیا نہ تم خود آئے، کیا اچھا ہو کہ تمہاری یہ بے رخی اس امر کی علامت ثابت ہو کہ عشق کا پارہ اب گرنے لگا ہے! بہرحال تمہاری خیریت معلوم کرنا چاہتی ہوں، اس لئے زیادہ فکر ہے کہ تم کئی دن سے مضمحل تھے

ایسا تو نہیں کہ طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہو!!

## چھبیسواں خط

مجھے خبر بھی نہ کی، اتنے بیمار ہو کہ اپنے قلم سے دو حرف نہیں لکھ سکتے۔ پھر اس تنہائی اور غریب الوطنی میں کیا میں بھی تمھاری تیماردار نہیں بن سکتی تم سے وہ محبت نہ بھی کر سکوں جس کی تم مجھ سے خواہش رکھتے ہو، تب بھی بہرحال میں تمھاری دوست، نیازمند اور خیر طلب تو ضرور ہوں، یہ نہیں ہو سکتا کہ بستر علالت پر میں تمھیں تنہا چھوڑ دوں، تم آج تک اتنا نہ سمجھے کہ بہرحال میرے دل میں تمھاری جگہ ہے اور میرا دل وہ نہیں ہے جو دکھ نہ سکتا ہو۔ سہی کہ میں ایک عصمت فروش اور ناموس باختہ عورت ہوں۔ مگر یہ تو شاید تم بھی جانتے ہو کہ انسانیت سے محروم نہیں ہوں، یہ معلوم کرکے کہ تم کئی دن سے سخت بیمار ہو اور تم نے مجھے خبر بھی نہیں کی، میرے گنہگار دل کو ایک ٹھیس لگی۔ جو عورت بیوی بنائی جا سکتی ہو، وہ بیوی بنائے جانے سے پہلے تیماردار بنائے جانے کے قابل بھی نہیں سمجھی جا سکتی؟ جو عورت بازاری معشوق بن کر ہر وقت تم کو اپنا نیازمند بنائے رکھتی ہو کیا تمھارے خیال میں اس کا دل نیاز سے بالکل خالی ہے؟ وہ ناز ہی جانتی ہے، نیاز نہیں جانتی؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ عیش میں تم میرے نیازمند ہو تو تکلیف کی حالت میں میں تمھاری نیازمند بن سکوں،؟ مجھے اجازت دو کہ جب تک تم صحتیاب نہ ہو جاؤ میں اپنا فرض انجام دوں —— وہ فرض، جو صرف عورت کا فرض ہے! بے شبہ میں اپنی جنسیت کو اپنے پیشہ پر قربان کر چکی ہوں

تاہم سطح کے نیچے ہنوز ایک عورت زندہ ہے! جو تھکے ہوئے مسافروں کی راحت، زخموں کا مرہم، زندگی کے اندھیرے میں روشنی کی ایک شعاع بن سکتی ہے! مرد تو شاید حیوانیت کے طوفان میں اپنی جنسیت بھی فنا کر دیتے ہوں، مگر عورت کسی حال میں اپنی فطرت سے بیگانہ نہیں ہوتی ——— لہٰذا ہر اس کی جنسیت کتنی ہی فنا کیوں نہ ہو جائے! میں تمہاری روح کی سیوا نہ کر سکی، اس کا فنا کر دینا میرے پیشہ کا فرض ہے! اگر میں تمہارے جسم کی سیوا تو کر سکتی ہوں، میری جنسیت کا یہی تقاضا ہے، عیش کے لمحوں میں میں نے تم کو زہر پلایا! لیکن تکلیف کی ساعتوں میں شہد بھی پیش کر سکتی ہوں!

جب تک تم وطن نہیں جاتے۔ میں تمہاری تیمار دار رہوں گی!

---

# سینتیسواں خط،

یہ چار ہفتے ایسے گذرے کہ گویا میں اس دنیا میں ہی نہ تھی! تمہارے بستر کے پاس صبح سے شام اور شام سے صبح تک بیٹھے ہوئے میں ہر روز اپنے لئے ایک نئی دنیا بناتی تھی اور بگاڑ ڈالتی تھی! تیمار داری میری زندگی کا ایک نیا تجربہ تھا! شکریہ کیسا؟ اور احسان کس کا؟ مجھے اپنی احسانمندی کا اظہار کر کے شرمندہ کرتے ہو۔ اپنی عمر میں آج تک کسی بیمار کی تیمار داری نہیں کی، میرے لئے یہ ایک بالکل نیا کام تھا، بہن، بیٹی اور بیوی بن کر عورت کو اپنی فطرت کے مظاہروں کیلئے عمل کا ایک نیا میدان ملتا ہے! میں آج تک نہ کسی کی بہن بنی، نہ بیٹی، نہ بیوی، مجھے کیا خبر تھی

کہ خدمت میں عورت کیا مزہ پاتی ہے! "ناز" ہی جانتی تھی۔ "نیاز" سمجھتی تھی کہ میرے نیاز مندوں کا حصّہ ہے! لیکن گذشتہ چار ہفتوں میں میں نے ایک نئے مکتب میں کچھ نئے سبق پڑھے۔ اپنی بھولی ہوئی انسانیت یاد آگئی ــــ یاد آگیا کہ میں عصمت فروش ہوں مگر عورت بھی ہوں، میری روح نے ایک نئی گھنٹی، بجائی، جس کی آواز میں نے پہلے کبھی نہ سنی تھی،

تمھارے بستر کے پاس راتوں کو جب تم سوتے ہوتے تھے، یا بخار کی حالت میں بے خبر ہوتے تھے، میں بیٹھے بیٹھے اپنے دل سے گھنٹوں باتیں کیا کرتی تھی، وہ کہتا تھا:۔

"تو یہ بھی کر سکتی ہے، لیلیٰ! تیری کھوٹ میں کچھ کھرا بھی ہے؟ تو عشاق کے بازؤں پر گیسو کھول کر سونے والی، ایک بیمار کے بستر پر اس طرح جاگ بھی سکتی ہے؟ تو رات بھر محفل عیش میں جاگ کر صبح کر دینے والی، تو آدھی رات کے بعد سونے والی اور دو گھڑی دن چڑھے اٹھنے والی، تو رات بھر بیمار کے سرہانے جاگ کر، پھر دن بھر اور پھر رات بھر، اور پھر دن بھر جاگے جائیگی، جاگے جائیگی، تیرے ہاتھ جو حنا سے زیادہ کوئی وزن نہیں برداشت کرنا جانتے جو چٹکیاں لینے کے سوا کوئی کام نہیں کر سکتے، جن کا ایک ایک ناخن کس دردسری کے ساتھ بنایا جاتا ہے، رنگا جاتا ہے۔ سجایا جاتا ہے، وہ ہاتھ بھی تیار کر سکتے ہیں! بیمار کا بستر بھی صاف کر سکتے ہیں؟ اس

کے سر کا سہارا بھی ہو سکتے ہیں، اس کی مکھیاں بھی اڑا سکتے
ہیں لیلیٰ! تو نے یہ سب کہاں سیکھا! تو جو مرتے ہوئے
روتے ہوئے عاشقوں کو رات کے اندھیرے میں ٹھکرا کر گھر
سے نکال دیتی تھی، تجھ سے یہ ماماؤں کا کام کیونکر بن آیا؟"

گھنٹوں میرا دل اس طرح کی باتیں مجھ سے کرتا رہتا تھا، اور میں خود حیران ہو ہو کر اپنے متعلق ان عجیب انکشافات کو سنتی رہتی تھی، میرے لئے زندگی کا یہ بالکل نیا تجربہ تھا، میں جو صبح کو دو گھنٹے اور شام کو تین گھنٹے اپنے چہرہ اور جسم کی آرائش میں مصروف رہتی ہوں، میں جو دن میں تین تین دفعہ لباس بدلتی ہوں تمھاری بیماری میں پانچ پانچ دن میلے کپڑے پہنے بیٹھی رہتی تھی اور دن دن بھر منہ دھولے کا خیال بھی نہ آتا تھا، دنیا میں میرا کوئی چاہنے والا یقین نہیں کر سکتا کہ یہ چار ہفتے میں نے کیونکر اس طرح گذارے ہونگے!

جب عورت کے دل میں اپنی عزت کا احساس باقی نہیں رہتا وہ خود اپنے وجود کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتی ہے تو یہی اس کی موت ہے! وہ اس موت کے بعد اس دنیا میں زندہ بھی رہے مگر وہ عورت بن کر زندہ نہیں رہتی اور اگر اس حالت میں دفعتہ وہ محسوس کرنے لگے کہ ابھی اس کے اندر "عورت پن" کچھ نہ کچھ باقی ہے، ابھی وہ اتنی ذلیل نہیں ہوئی ہے جتنا کہ وہ سمجھتی تھی تو گویا وہ پھر ایک دفعہ خواب مرگ سے بیدار ہو رہی ہے! موت میں زندگی کی ایک کروٹ بھی کچھ کم نہیں ہوتی! گذشتہ چار ہفتوں کی تیمارداری کے بعد مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میری زندگی کی ظلمت میں ایک ایسی شعاع پیدا ہوئی ہے ——— جو میرے وہم و گمان سے باہر تھی! ———

گویا میں نے کچھ پالیا، گویا مجھے میری محبت کا معاوضہ مل گیا! پھر شکریہ کیسا؟ جو کچھ میں نے کیا وہ میری محبت کا تقاضا تھا، شکریہ ادا کر کے تم کیوں میری فطرت کی توہین کرتے ہو؟

## اڑتیسواں خط

جب تم محلوں کے خواب دیکھ رہے ہو اور یکایک تمھارے جھونپڑے میں آگ لگ جائے!

جب تمھارا تخیل تم کو ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا رہا ہو، اور تم دفعتہً اپنے کو بازار کی نالی میں گرا ہوا پاؤ!

جب تم کو یقین ہو گیا ہو کہ تم بہت مشہور و معروف اہل قلم میں سے ایک ہو اور تمھارا شمار اہل علم و فضل کی صف میں کیا جا رہا ہے، دنیا تمھارے لکھے ہوئے ایک ایک حرف کو موتیوں اور الماس کے ٹکڑوں کی طرح سمیٹ رہی ہے، اور یکایک محلہ کا بوڑھا چپٹھی رساں ایڈیٹر صاحب کا پوسٹ کارڈ لا کر تم کو دے جس میں لکھا ہو کہ ——— "افسوس ہے آپ کا مرسلہ مضمون اس قابل نہیں کہ چھاپا جائے!

جب تمھارا تصور تم کو ایک بہت بڑے لیڈر قوم کی صورت میں شہرت اور عزت کے ساتویں آسمان پر چڑھا دے، تمھارے گلے میں منوں ہار پڑے ہوں، تمھاری گاڑی کو ہزارہا انسان کھینچ رہے ہوں، تمھارے سنسنی خیز خطبۂ صدارت نے تہلکہ مچا دیا ہو، تمھاری ہر سانس کے ساتھ حریت کے شعلے نکل رہے ہوں ——— پھر

سوتے سوتے یکایک تم جاگو اور اپنے کو چنڈو خانہ کی پھٹی ہوئی چٹائی پر پڑا ہوا پاؤ!

جب تمھارا پیکر خیال ایک مولانا اور مرشدنا کے وجود مسعود کا جامہ پہن لے اور تم دیکھو کہ مسجد کے صحن میں اور مدرسہ کے دالان میں ہزار ہا بندگان خدا تمھارے ہاتھوں کو بوسے دے رہے ہیں، ـــــ تمھارے قدموں پر پیشانیاں رگڑ رہے ہیں، تمھارے عبا کے دامن کو غلاف کعبہ سمجھ رہے ہیں اور تم اپنے ابرو کے اشارے سے لوگوں کو جنت و دوزخ میں داخل کر رہے ہو، عرش اعلیٰ سے فرشتے تمھارے پاس پیام لے کر آ رہے ہیں! ـــــ اور پھر یکایک لوہے کے بھاری کواڑوں کے بند ہونے کی آواز تم کو چونکا دے، اور تمھیں یاد آئے کہ پولیس نے تم پر ایک منکوحہ عورت کے فرار کرانے کا الزام لگا کر حوالات میں بند کر دیا ہے! ـــــ

جب تم خواب دیکھ رہے ہو کہ تم دنیا کے بہت بڑے ہوا باز ہو، تم اپنے آلہ پرواز میں کوہ ایورسٹ کی چوٹی پر پہنچ گئے ہو، تمھارے کارناموں سے اخبارات کے کالم بھرے ہوئے ہیں، پھر تمھاری آنکھ کھل جائے اور ہوائی جہاز کے بجائے تم ایک کٹی ہوئی پتنگ کو اپنے مکان کے چھپر پر گرتے ہوئے دیکھ کر دوڑ پڑو! ـــــ

جب تم تصوّر کر رہے ہو ہاتھی یا موٹر کی سواری کا، اور اپنے کو سوار پاؤ یکہ پر! خواب دیکھ رہے ہو شیر کے شکار کا اور سوتے سوتے ناک پر مچھر کے ڈنک کی تکلیف سے تم اچھل پڑو، جب تخیل تمھارے منہ میں لذیذ اور لطیف لقمے دے رہا ہو، لیکن تم کو اپنے ہاتھ میں سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا نظر آئے! ـــــ جب تم حاکمانہ عظمت و جلال کے خواب دیکھ رہے ہو اور آنکھ کھلنے کے بعد اپنی اصلیت کو ایک غلام سے زیادہ نہ پاؤ! ـــــ

اس وقت خواب اور اس کی تعبیر کا فرق تمھیں معلوم ہوتا ہے! جب میں تمھارے بستر علالت کے پاس بیٹھے ہوئے رات کی تاریکی اور خاموشی میں یہ خواب دیکھتی تھی، کہ گویا میں ایک شریف اور باعصمت بیوی ہوں جو اپنے شوہر کی خدمت کر رہی ہے! تو اس خواب کے لطف میں رات کے جاگنے کی تکلیف اور تیمار داری کی زحمت کو بالکل بھول جاتی تھی، اور بعض راتیں تو ایسی گذری ہیں کہ میں شام سے صبح تک —— جب تم بخار کی حالت میں غافل پڑے ہوتے تھے —— اسی دُنیا میں رہی، لیکن اب، کہ تمھاری تیمار داری سے فارغ ہو کر اپنے گھر آئی ہوں! اور عشاق کی عشق بازی کا مسئلہ پھر شروع ہوا ہے اور درد فراق میں مرتے ہوئے چاہنے والے پھر جمع ہوتے جاتے ہیں! —— اب مجھے بھی خواب اور اس کی تعبیر کا عبرت انگیز فرق محسوس ہو رہا ہے! "نیلی! وہ دنیا جو بیمار کے سرہانے تھی تیرے لئے نہیں ہے" کوئی مجھ سے کہتا ہے!

## اننالیسواں خط

اب تو ماشاء اللہ تم اہل قلم کی آسمانی اور روحانی برادری میں داخل ہوتے جاتے ہو، جب تم دیکھو کہ تم ایسے جھوٹ لکھ سکتے ہو جن کے اندر سے بہت سے جھوٹ پیدا ہو سکیں، بہت سی شاخیں پیدا ہو سکیں، تو سمجھ لو کہ تم اہل قلم ہو گئے! اہل قلم کی پہچان یہ ہے کہ وہ چھاپہ خانہ کی روشنائی سے اپنا نام چھپا ہوا دیکھنے کی بہت بے صبر خواہش رکھتا ہو! اگر رسالے اور اخبارات آپس میں مجرمانہ سازش کر لیں، اور کوئی بھی اس کے مضامین نہ چھاپے تو اس زبردستی اور ناانصافی کے خلاف وہ اپنے

کو مشتہر کرنے کی دوسری صورتیں پیدا کرے، یعنی وہ اشتہاری دوا فروشوں کو اسناد دینا شروع کردے۔ سر میں ڈالنے کے تیل سے، حب مقوی اور آب حیات تک ہر دوا کے لئے وہ اپنے تجربات تحریر کرکے مالکان کارخانہ کے پاس بھیجا کرے۔ بلاشبہ وہ شایع کئے جائینگے اور ان کے نام کی اشاعت سے اس کی روح تسکین حاصل کرے گی، اس سے بحث نہیں کہ اس نے روغن مفرح دماغ استعمال کیا ہے یا نہیں۔ لیکن وہ لکھے گا کہ "میں بالکل گنجا ہوگیا تھا، مفرح دماغ نے اتنے بال پیدا کردیئے کہ ہر تیسرے دن حجام کو بلانا پڑتا ہے۔" اکسیر بدن کا اس نے تجربہ کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر وہ بے تکان تصدیق کریگا کہ "میرا وزن گھٹتے گھٹتے تین چھٹانک رہ گیا تھا! طالب علمی کے زمانے میں میں اتنا دبلا تھا کہ اگر کلاس میں ذرا ترچھا بیٹھ جاتا تو ماسٹر صاحب رجسٹر میں غیر حاضری درج کردیتے۔ مگر اکسیر بدن کے استعمال کے بعد یہ حال ہے کہ مولانا شوکت علی سے کشتی بدنے کے لئے تیار ہوں۔" حب مقوی کے متعلق وہ حلفیہ بیان دیگا کہ "یہ وہ دوا ہے جس سے مردے زندہ ہوجایا کرتے ہیں اور اکثر مقامات پر ہوچکے ہیں۔" وہ خود اپنے امراض کی ایک طویل فہرست پیش کریگا۔ اور لکھے گا کہ "تمام اطبا، اور ڈاکٹر جواب دے چکے تھے، مگر تریاق مسیحی نے میرے تمام امراض کو ختم کردیا۔ گویا میں دوبارہ ماں کی گود میں پیدا ہوا۔ کمر میں درد تھا، آنکھوں میں پانی اتر رہا تھا، ٹانگوں میں گٹھیا کی سخت تکلیف تھی۔ گردے بہت کمزور ہوگئے تھے جگر پر ورم تھا، مگر اس تریاق نے ساٹھ برس کے بڈھے کو بالکل نیا کردیا۔ طبیعت میں نوجوانی کی امنگ پیدا ہوگئی، کالج میں پھر نام لکھانے کو جی چاہتا ہے!" یہ سند "چار نکاح کیجئے" کے عنوان کے ماتحت پورے صفحہ کے اشتہار کے ساتھ تمام سنجیدہ اخبارات و رسائل میں شایع ہوگی! اس طرح ان ایڈیٹروں سے

انتقام لیا جا سکے گا جو اہل قلم کے مضامین شایع کرنے میں بیجا بخل سے کام لیتے ہیں ـــــــ کہتی یہ ہوں کہ تم بھی اگر اہل قلم بننا چاہتے ہو تو اپنی مضمون نگاری میں زیادہ تر اشتہاریت کے نصب العین کو سامنے رکھو ـــــــ اگر میرے بنھائے ان خطوط کی اشاعت سے اخبارات و رسائل کے متفق النصب ایڈیٹر انکار بھی کریں اور کسی طرح بھی ہماری تمھاری عاشقی معشوقی زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکے تو پھر کسی اشتہاری دوا فروش ہی کے ذریعہ سے میرا تمھارا معاملہ شایع کر دیا جائے، تم ایک سند لکھ دینا کہ "میں نے تریاق مسیحی کھایا اور عشق کے مرض سے شفاء کلی حاصل کی" میں ایک بیان لکھ دونگی کہ "میں نے معجون مرکب بہ نسخہ کلاں استعمال کی اور اس کے اثر سے اپنے افعال قبیحہ سے تائب ہونے پر مجبور ہو گئی" پھر دیکھو اخبارات و رسائل کے صفحات پر میرا تمھارا نام کس قدر روشن ہوگا! لوگ کہیں گے کیوں صاحب یہ لیلیٰ صاحبہ کون ہیں جو معجون مرکب بہ نسخہ کلاں کے اثر سے تائب ہو گئیں؟ اور یہ ان کے عاشق کون ہیں جن کو تریاق مسیحی نے عشق سے نجات دی؟ پھر لوگ پتہ لگاتے ہوئے میرے غریب خانے پر آئیں گے اور ان میں بہت سی مکھیاں ہونگی، جو میرے شیرے پر چپک کر رہ جائینگی، توبہ کی تشہیر ایک طرف، عشاق کی سنچر دوسری طرف،

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مجھے تم بار بار خطوط لکھتے ہو، بجائے اس کے بہتر ہے کہ اپنے عشق ناساز گار کی داستان کسی اردو کے رسالے میں لکھنا شروع کر دو۔ مجھے بھی اس سے کچھ نہ کچھ نذرانہ پہونچے گا اور تمھارے پاس بھی اونچے اونچے خاندانوں سے پیام فرزندی آنے لگیں گے! اپنی ادبی قابلیت کو گمنام خط و کتابت میں ضائع کرنے سے کیا حاصل؟ اگر دنیائے ادب میں نام پیدا کرنا چاہتے ہو تو اشتہاری

مضامین لکھنا سیکھو!

یہ تمام خط اس خبر کی تہہ سے نکلے ہیں کہ آج کل ایک ایڈیٹر اور ایک بڑے کاروباری دوا فروش، میرے مکڑی کے جالے میں لٹکے ہوئے ہیں، شاید ایڈیٹر صاحب تو اس لئے پھنسے کہ میرے انداز دلبری کا مطالعہ ان کی مضمون نگاری کا معاون ہوتا ہے، اور ممکن ہے کہ دوا فروش اس لئے گرفتار ہوئے ہوں کہ میرے گھران کی مقویات کے کافی خریدار مل سکتے ہیں!!

---

# چالیسواں خط

تھکی ہوئی امیدیں اور خواہشیں تھکے ہوئے ارادے اور حوصلے، تھکے ہوئے خیالات، تھکی ہوئی محبت، تھکے ہوئے بوسے، تھکا ہوا تبسم، تھکی ہوئی خوشی ـــــ تھکی ہوئی ساری زندگی، اے اللہ! پھر کیوں میرے تھکے ہوئے دل میں خواہشوں کی نئی نئی دنیائیں پیدا ہوتی ہیں؟ جن میں خوشی اور غم ایک دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈالے ـــــ لڑتے جھگڑتے، مرتے، چلے آتے ہیں، اور میری خاموش زندگی میں تہلکہ مچائے دیتے ہیں؟ میں اس مٹی کے کیڑے کی طرح ہوں، جو مٹی میں پیدا ہوتا ہے، مٹی میں رہتا ہے، مٹی کھاتا ہے۔ مٹی سے پرورش پاتا ہے، اور پھر ایک دن کسی راہرو کے پاؤں سے کچل کر مٹی ہی میں مل جاتا ہے! اس بدنصیب کیڑے کو کیا اتنی بھی خبر نہیں کہ اگر خواہشیں اس کے دل کو کریدیں گی تو اس کا حشر کیا ہوگا؟ سورج کی روشنی، چاند کی ضیا، پھولوں کا حسن، بجلی کی چمک، بادل کی گرج، ـــــ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کیڑے کے دل

میں خواہشوں کو نہ آنے دے یا جو آجائیں ان کو مٹا دے اور پھر اس مشت خاک کو اپنے آغوش میں لے کر اڑ جائے۔ پھیل جائے، ساری فضا میں سما جائے!

تم کہو گے میرا اتار چڑھاؤ بھی عجیب ہے۔ کبھی بجلی بن کر چمکتی ہوں، کبھی بادل بن کر گرجتی ہوں، کبھی برستی ہوں، تو برسے جاتی ہوں! ___ کبھی آندھی کی طرح اٹھتی ہوں تو چڑھے جاتی ہوں، کبھی پھول کی طرح مسکراتی ہوں اور کبھی شبنم کی طرح آنسو بن جاتی ہوں! ___ ہنستے ہنستے رو دیتی ہوں، روتے روتے ہنسنے لگتی ہوں! ___ کچھ میرا ٹھکانا ہی نہیں، ابھی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں! تو ابھی گرمیوں کی دوپہر کی لُو چلنے لگی! ___ میرا کچھ عجیب حال ہے۔ میں کچھ عجیب انسان ہوں۔ کس نے مجھے ایسا بنا دیا؟ کیوں میں ایسی بن گئی؟

تم کہتے ہو کہ تم بیمار رہتے تو اچھا تھا تاکہ میں ہر وقت تمھاری تیمارداری میں مصروف رہتی! ___ مگر تم اچھے کب ہوئے؟ جب سے میری تمھاری ملاقات ہوئی ہے اس دن سے آج تک میں نے تو یہی دیکھا کہ تمھارا دماغ علیل ہے، تمھارا دل بیمار ہے، تمھارے جگر میں زخم ہیں، اور میں بھی روز اول سے تمھاری تیماردار ہوں، ___ تیماردار ہی نہیں بلکہ معالج اور طبیب! کبھی مذاق اور مزاح کے رنگ میں، کبھی حقارت اور نفرت کے انداز میں، کبھی غصہ سے کبھی محبت سے، کبھی ہنس کر، کبھی رو کر تمھارا علاج کرتی ہوں! ___ تم بد پرہیز ہو اس لئے اچھے نہیں ہو پاتے، ممنوعات سے پرہیز نہیں کرتے۔ پُرانے بیمار کی طرح چڑچڑے ہو گئے ہو، ضدیں کرتے ہو، تمھیں یہ معلوم نہیں کہ بیماری سے زیادہ تیمارداری کٹھن ہوتی ہے۔ جو کہیں میں بیمار ہو جاؤں۔ وہی بیماری مجھے ہو جائے (خدا نہ کرے) جو تمھیں ہے تو کیا تم میری تیمارداری کر لو گے؟ ہو سکے گی؟

کیا کہوں تم سے کہ بیمار تم نے ابھی دیکھے ہی نہیں۔ تم جانتے ہی نہیں کہ بیمار کہتے کسے ہیں۔ سر میں درد ہو جاتا ہے تو سمجھتے ہو کہ بیمار ہو گئے۔ جب کلیجہ پگھل کر پسینے کے ساتھ بہنے لگے۔ دل کے اندر فولاد کو گلا دینے والی ایک بھٹی گرم ہو، آنکھیں آنسو بن کر بہ جائیں اُس وقت سمجھو کہ بیماری، بیماری ہے! ——— ابھی تو تھوڑی سی سو، مزاجی ہے اور بس! ——— تمھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ حسرت و ارمان کی اس دُنیا میں مرنے والے، تڑپنے والے، اور بیمار ہی دراصل جینے ہیں۔ باقی سب چلتی پھرتی لاشیں ہیں! بیمار تم نے دیکھے ہی نہیں، جب نیزہ کی انی دل کے پار ہو جائے۔ جب تلوار کی دھار روح کے اندر بیٹھ جائے۔ جب زہر کا بجھا ہوا ایک نشتر جسم کے اندر جان میں پیوست ہو، اور ہر وقت کھٹکتا ہو! ——— جب سمجھو کہ تم بیمار ہو!

## اکتالیسواں خط

گناہ؟ کیا کہا؟ گناہ کس کو کہتے ہیں؟ جس چیز سے دنیا میں انسان کو مفر نہ ہو، جو اس قدر عام ہو کہ ایک سو ایک فی صدی اس میں مبتلا ہوں اس کو بُرا کیوں کہو؟ اگر پانی پینا گناہ ہے، آنکھوں سے دیکھنا گناہ ہے، کانوں سے سُننا گناہ ہے، تو پھر بتاؤ وہ کون سی بات ہے جو گناہ نہیں ہے؟ کون ہے جو جھوٹ نہیں بولتا، اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بے وفائیاں نہیں کرتا؟ دوسروں کی ملکیت پر قبضہ جابرانہ نہیں کرتا، ایک ایک گرہ

زمین پر جان نہیں دیتا۔ ایک ایک کوڑی کے لئے اپنے بھائیوں سے نہیں لڑتا ایک ایک لقمہ کے لئے جھگڑا نہیں کرتا؟ ـــــ کون ہے؟ بادشاہ سے گدا تک، مسجد کے سب سے اونچے مینار سے، مندر کے سب سے بڑے گھنٹے سے لیکر دو آنے والی بیسوا تک؟ دنیا میں نہ گناہ کوئی چیز ہے نہ ثواب! ساری انسانی زندگی کی بنیاد صرف دو عناصر پر ہے:۔ قوی اور ضعیف۔ قوی سراپا ثواب ہے! اور ضعیف سراپا گناہ، ـــــ یہی صرف دو قانون ہیں، دو مذہب ہیں، دو مسلک ہیں، دو قومیں ہیں، انسانیت کے دو اصول ہیں، ترازو کے دو پلڑے ہیں، بس قوی اور ضعیف، ان دو نقطوں میں دنیا کی تمام زندگی کی تفصیل مرکوز ہے! قوی قانون بناتا ہے ضعیف، سزائیں پاتا ہے۔ قوی اپنی شہرت اور طاقت کے مینار بناتا ہے ضعیف اپنی قبریں کھودتا ہے۔ جو شراب قوی پیئے وہ بالکل جائز اور حلال، جو ضعیف پیئے وہ مطلق حرام اور ناجائز، جو قتل قوی کرے وہ انصاف اور جائز انتقام اور جو ضعیف کرے اس کی سزا موت! جو خلاف ورزی فطرت قوی کرے وہ عین فطرت اور جو ضعیف کرے وہ مستوجب سزا! عورت کے ساتھ قوی کا برتاؤ جائز، ضروری اور مناسب لیکن ضعیف اگر وہی کرے جو قوی کرتا ہے تو قیامت آجائے۔ اس ضعیف سے زیادہ ظالم، بدکردار، گناہگار ـــــ کوئی نہیں! قوی جب اپنے محل میں دو ہزار عورتیں اور لونڈیاں بھرلے تو وہ سب بیگمات ہیں، اور سب پر اپنے مالک کی اطاعت لازم ہے، لیکن ضعیف اگر ایک سے زیادہ عورت کو اپنے پہلو میں بٹھائے تو وہ عیاش ہے، بدکار ہے، بڑے سے بڑا فاتل، عیاش، شراب خوار، امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین اور مہاراج

ادھیراج بن سکتا ہے! لیکن اس کے غلاموں کو قتل عیاشی اور شراب خواری میں اسی خلیفۃ المسلمین اور مہاراج ادھیراج کی عدالت سے دن رات سزائیں دی جاتی ہیں! سزا اور جزا کا انحصار ذرا بھی نیک و بد اعمال پر نہیں ہے ——— دراصل انحصار فریقین کی قوت اور ضعف پر ہے، پھر کیوں ناحق اخلاق اور اعمال کے معیار کو آسمانی اور ربانی کہتے ہو؟

تم کہو گے کہ بغیر موجودہ نظم کے انسانی تمدن کا شیرازہ قائم نہیں رہ سکتا میں کہتی ہوں کہ بغیر موجودہ تمدن کے کیا دنیا آباد نہ تھی؟

اگر قوی اور ضعیف کا توازن محض جسمانی قوٰی کی طاقت پر قائم رہے تو بلاشبہ وہ ایک فطری امتیاز ہوگا۔ لیکن جب سوسائٹی کے ہر طبقہ میں، ہر دو انسانوں کے درمیان، خواہ وہ باپ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں مقابلہ جاری رہے اور اس مقابلہ کی بنیاد قوائے جسمانی کا تفوق نہ ہو، بلکہ چالاکی، عیاری، مکاری ہی تفوق کا اصل اصول بن جائیں تو یہ دنیا جہنم سے کس طرح کم ہے؟ ہم جب اسی دنیا کے جہنم میں شاد و ناشاد زندگی بسر کر سکتے ہیں تو پھر اس دوسرے جہنم سے کیوں ڈریں جس کی دھمکیاں مذہب دیتا ہے! میں تو سمجھتی ہوں کہ کہ وہ جہنم شاید اس جہنم سے کچھ کم تکلیف دہ ہوگا۔ وہاں یہ تو نہ ہوگا کہ ایک ہی جنس کی زندگی میں قوی کی سیاست ضعیف کو کچل رہی ہو! ہماری دنیا میں اعلیٰ دماغ وہ کہلاتے ہیں جو غلام بنانے اور دوسروں کے حقوق پر جابرانہ قبضہ کر لینے کا فن جانتے ہوں! سیاست اس کو کہتے ہیں کہ ایک قوم کے وسیع پیٹ میں دوسری اقوام ہضم کی جا سکیں! معاشرت اس کو کہتے ہیں کہ، ایک دولتمند اور چالاک طبقہ باقی تمام طبقوں پر حکومت کر سکے اور ان کا خون

چوس چوس کر اپنی طاقت میں اضافہ کرتا رہے! ہماری معاشرت میں درحقیقت بنی نوع انسان دو حصوں میں تقسیم ہے! برہمن اور اچھوت، مسلمان، ہندو عیسائی، پارسی، ایرانی، عرب، سب اسی تقسیم کے ماتحت ہیں، برہمن، آقا و غلام اچھوت! حاکم اور محکوم، سرمایہ دار اور مزدور، مولانا اور مرید، ان مختلف ناموں کے پردے میں حقیقت ایک ہی ہے جو پوشیدہ ہے! قوی اور ضعیف، برا، اچھا، گناہ، ثواب، پاک وناپاک، بلند و پست، مومن و کافر حاکم و محکوم، آقا اور غلام، یہ سب اصطلاحیں قوی وضع کرتا ہے اور اسی معیار پر ضعیف جانچے جاتے ہیں! اگر آج تم کمزور ہو جاؤ اور میں قوی ہو جاؤں تو تمہارا وجود ایک ناقابل معافی جرم اور میری عصمت فروشی ایک پاکیزہ خصلت قرار پائے! میں جو کرتی ہوں وہ اعمال حسنہ کہے جائیں، اور جو کچھ تم کردہ گناہ اور جرم سمجھا جائے، تمہاری طرف حقارت، نفرت کے وہی اشارے کئے جائیں جو اب میری طرف کئے جاتے ہیں۔ تمہارا کوئی سلام بھی قبول نہ کرے اور جلوسوں میں میری گاڑیاں کھینچی جائیں! مجھ میں تم میں اعمال کا فرق قابل توجہ نہیں، بلکہ قوی اور ضعیف کا وہ امتیاز ہے جس نے عورت کی گردن مرد کے پاؤں کے نیچے رکھدی ہے! کیا خدا نے اس دنیا کو جب پیدا کیا تھا تو اس نے ہماری زندگی کا یہی نظم قائم کیا تھا جو آج ہے؟ تم چونکہ میرے مقابلے میں قوی ہو اس لئے یہی کہو گے کہ موجودہ تنظیم عین فطرت الٰہی ہے! میں چونکہ کمزور ہوں مجھے تمہارا قول فیصل ماننا پڑیگا، مگر یاد رکھو میرا ایمان یہ نہیں ہے۔ میں قوی کے مقابلے میں ضعیف تو ہوں مگر باغی ہوں! تم میری انسانیت کا لباس اتار کر مجھے ننگا کر سکتے ہو، تم میری عصمت پر ڈاکہ ڈال سکتے ہو، تم مجھے اپنے گھر

کی ماما اور لونڈی بنا سکتے ہو، مگر ایمان ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو کوئی قوی کسی ضعیف سے نہیں چھین سکتا! فطرت الٰہی کی یہی سب سے بڑی چٹان ہے، جو مظلوموں کا سہارا ہے! مرد نے اپنی قوت و سیاست سے عورت کی ہستی کو مٹا دیا ہے، اس کی پیشانی پر غلامی کا ٹیکہ لگا دیا ہے، مگر ابھی تک وہ اس کے ایمان کو نہیں مٹا سکا ہے، ہندوستان میں اور اغلباً تمام ایشیا میں، ایک دفعہ، عورت، مرد کے تفوق کے خلاف ایسی خوفناک بغاوت کرنے والی ہے جو تمھاری خود ساختہ سوسائٹی کے شیرازہ کو درہم برہم کر دے گی، ہم تم غالباً اس وقت دنیا میں زندہ نہ ہونگے، جب وہ طوفان نوح آئے گا لیکن ہماری آئندہ نسلیں عورتوں کو مردوں کے تخت شاہی پر قبضہ کرتے دیکھیں گی اور ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لیا جائیگا ـــــ بلاشبہ جفا کار مردوں کے لئے وہ یوم الحساب بہت سخت ہوگا،!

عورتوں کی جو بات تمھیں ناپسند ہو، تم لوگ بلا تکلف کہہ دیتے ہو کہ یہ گناہ ہے! یہ جرم ہے! لیکن ہم اگر تمھارے کسی گناہ یا جرم کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں تو تم ہماری آنکھیں پھوڑنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہو! مجھ جیسی بازار میں بیٹھنے والی عورتیں سب سے زیادہ زخم نصیب ہیں اور سب سے زیادہ مظلوم! وہی انشاء اللہ باغیوں کی سب سے پہلی صف میں کھڑے ہو کر اور اپنے نیزوں کی نوک تمھارے سینوں پر رکھ کر تم سے کہیں گی! ـــــ،

"لاؤ جو کچھ تم نے ہم سے گذشتہ صدیوں میں چھینا ہے
اس خون کے ایک ایک قطرہ کا حساب دو

جو تم نے بسایا ہے، مٹے ہوئے ارمانوں، ٹوٹی ہوئی
امیدوں، زخمی دلوں، بگاڑے ہوئے نصیبوں کی قیمت
ادا کرو، ایک ایک زخم گن لو، جو تم نے لگائے تھے،

سب ہرے ہیں ــــــ ان میں سے ہر زخم کے بدلے
تمھاری بدکردار روح کو ٹکٹکی سے باندھ کر ایک ایک لاکھ
چابک لگائے جائیں گے!

اس دن تمھارے غرور کی کمر ٹوٹے گی، اور اس دن خدا کے انصاف کی ترازو کے پلڑے برابر ہو جائیں گے!

انتقام کا یہ خواب میری طرح ہزاروں مظلوم عورتیں دیکھ رہی ہیں، تمھارا ظلم بڑھتا جائیگا اور اس کے ساتھ باغیوں کی تعداد بھی بڑھتی جائیگی تا آنکہ ایک دن، قوی اور ضعیف جگہ بدل لیں گے،

ان بے سروپا تخیلات پر حقارت کی ہنسی ہنسو! ہنستے جاؤ، ہنس ہنس کر عورت کے کمزور وجود کو ٹھکرائے جاؤ! یہی ہنسی ایک دن موت کا پھندا بن کر تمھارے گلے کی رگوں کو کچل دیگی، قضا کی ہچکی بن کر ــــــ تمھارے حلقوم میں اٹک جائیگی! ــــــ

یہ اس اشارے کا جواب ہے جو تم نے اپنے خط میں میرے گناہوں کی طرف کیا تھا! ــــــ اور کچھ سنو گے؟ ــــــ،

# بیالیسواں خط

قصبہ کے ٹوٹے ہوئے مکان میں ایک بڑھیا رہتی تھی، ایک دن اس کا

جی چاہا کہ کھیر پکائے، دودھ لینے کیلئے اس نے اپنے بچے کو بازار بھیجا: بچہ دودھ لے کر آرہا تھا کہ راستہ میں ایک گرتی ہوئی پتنگ نظر آئی۔ سڑک پر بہت سے لڑکے اس پتنگ کو لوٹنے کے لئے دوڑے۔ وہ بھی دوڑا ــــ دودھ کا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا، اور اس کے ٹکڑے زمین پر پڑے رہ گئے۔

ــــ تھوڑی دیر کے بعد ایک رئیس کے صاحبزادے اپنی موٹر دوڑاتے ہوئے اس سڑک پر گذرے۔ پیالہ کا ایک نوکدار ٹکڑا موٹر کے ٹائر میں گھس گیا، ٹائر کے پھٹ جانے کی وجہ سے ان کو کچھ دیر قصبہ میں ٹھہرنا پڑا۔ وہ اپنا ٹائر، درست کرا رہے تھے کہ سامنے کے مکان کے ایک دریچہ میں انھوں نے ایک حسین لڑکی کو دیکھا ــــ دیکھتے ہی وہ عاشق ہوگئے۔ کچھ عرصہ تک اُس لڑکی کے ماں باپ سے سلام پیام ہونے کے بعد ان رئیس زادہ کا اس لڑکی سے نکاح ہوگیا ــــ اس ازدواج سے سات اولادیں پیدا ہوئیں ان سات بچوں میں سے ہر ایک ایک نئے گھر کا چراغ بنا۔ ایک نیا خاندان دنیا میں اس سے پیدا ہوا، اس خاندان سے ایک نئی برادری پیدا ہوئی اور ایک صدی کے اندر ہی اس جوڑے کی اولاد نے چند قصبے آباد کر لئے!

اب اگر اس دن صبح کو بڑھیا کے دل میں کھیر کھانے کی خواہش پیدا نہ ہوئی ہوتی اور بجائے کھیر کھانے کے اس نے کھچڑی کھانے کا ارادہ کیا ہوتا تو نہ وہ بازار سے دودھ منگاتی، نہ رئیس زادے کے موٹر کا ٹائر خراب ہوتا۔ نہ اس کا نکاح قصبہ کی اس لڑکی سے ہوتا۔ نہ سات اولادیں ہوتیں، نہ سات نئے گھر آباد ہوتے، نہ سات خاندان ہوتے: بڑھیا کی ذراسی خواہش نے دنیا کی آبادی میں کتنا اضافہ کر دیا؟ ــــ

خاں صاحب کی بیوی بہت تنک مزاج اور ضدی تھیں، خاں صاحب کا مزاج بھی نازک اور جلد مشتعل ہونے والا تھا۔ گھر میں صبح کی چائے کے وقت ماما نے مکھن کی گولی نالی میں گرا دی۔ بیگم صاحبہ نے غصہ کی حالت میں ماما کے دو طمانچے مار دیئے۔ ماما نے اپنے شوہر سے شکایت کی۔ شوہر خانصاحب سے شکوہ کرنے آیا، خاں صاحب صبح کی چائے پر مکھن نہ ملنے کی وجہ سے بدمزاج ہو رہے تھے، انھوں نے ماما کے شوہر کے گھونسہ مار دیا، اس کی تلی پھٹ گئی اور خاں صاحب قتل کے الزام میں ماخوذ ہوگئے اور سات برس کے لئے جیل خانے گئے! بیوی اس صدمہ میں مرگئیں! ـــــ جائیداد قرضہ میں نیلام ہوگئی! ـــــ آج نہ خاں صاحب کا کوئی یاد کرنے والا باقی ہے نہ اُن کی بیوی کی قبر پر چراغ جلانے والا! ـــــ

اور بات صرف اتنی تھی کہ صبح کو مکھن کی ایک گولی نالی پر گر گئی تھی، وہ مکھن اگر اس دن نالی پر نہ گرا ہوتا تو شاید یہ خاندان اس طرح تباہ نہ ہوتا! ـــــ

ایک مٹھی بھر خاک، ایک چیونٹی، ایک مچھر، ایک تنکا، ایک چلو پانی، درخت کا ایک پتہ، پھول کا ایک کانٹا، ایک خفیف سی خواہش، ایک ذرا سا وہم، بڑے سے بڑے واقعات اور بڑے سے بڑے نتائج کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ سر راہ ایک معمولی واقعہ کے بطن سے اکثر خوفناک واقعات اور خونریز انقلابات پیدا ہوتے ہیں، سلطنتیں تباہ ہوجاتی ہیں، شہنشاہوں کے تخت لٹ جاتے ہیں! چڑیا کسی درخت کا ایک بیج لیکر

اڑتی ہے کسی بیابان اور ویرانے میں وہ بیج اس کی چونچ سے نکل کر زمین پر گرتا ہے، ہوا کا ایک جھونکا اس بیج پر ایک مٹھی بھر خاک ڈال دیتا ہے، بادل سے پانی کے چند قطرے اس بیج پر گر جاتے ہیں! —— پچاس برس بعد اس بیابان میں سینکڑوں میل تک ایک گھنا جنگل چرندوں، پرندوں اور درندوں کا مسکن ہوتا ہے! —— کس کو خبر ہے کہ اس ویرانہ میں وہ پہلا بیج کیونکر آیا تھا؟ اس ابتدا اور اس انتہا کے تفاوت کو دیکھو!

اسباب و نتائج کا یہ سلسلہ کس قدر خوفناک اور کس قدر دلچسپ ہے پھر غور کرو کہ ہمارے ہر سانس کے ساتھ یہ اسباب پیدا ہوتے ہیں! —— ایسے خفیف کہ ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی! —— لیکن ایک ہی دن میں یا سو برس میں ان اسباب سے ایسے نتائج پیدا ہوتے ہیں، جس سے مورخ کی تاریخ کے ہزاروں صفحات بھر جاتے ہیں، ان صفحات کا آغاز ایک ذرا سا نقطہ ہوتا ہے! —— مورخ بھی نہیں جانتا کہ جو واقعات وہ لکھ رہا ہے ان کا سرچشمہ کہاں تھا؟ ذرا سوچو کہ ہماری تمھاری زندگی کس قدر تاریک ہمارے تمھارے اختیار سے کس قدر باہر! اور فہم و ادراک سے کس قدر بالاتر ہے! مگر ہم کو —— اور عورتوں سے زیادہ مردوں کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں؟ —— میرے اور اپنے تعلقات پر غور کرو! کتنی ذرا سی بات تھی کہ تم اس شب محفل میں آئے اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے میرے قریب بیٹھ گئے۔ پھر کتنی ذرا سی بات تھی کہ میرا جلتا ہوا سگریٹ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا اور تم نے اس کو اٹھا کر مجھے دیدیا۔ پھر

حال اگر اس شب کو جس کمرہ میں محفل جمی تھی وہ کمرہ اس قدر تنگ نہ ہوتا - اگر میرا سگریٹ اتفاقیہ میرے ہاتھ سے نہ گرا ہوتا اور اس طرح مجھ سے اور تم سے بیگانہ وار چند باتیں نہ ہوئی ہوتیں تو گذشتہ دو برس میں میری تمہاری زندگی میں جو زلزلہ آتا رہا ہے وہ کیسے پیدا ہوتا ؟ خدا جانے میں کہاں ہوتی اور تم کہاں ہوتے - اُس شب کو نہ تم مجھ پر عاشق ہونے کا ارادہ کر کے آئے تھے، نہ مجھے اس وقت چاہنے والوں کی تلاش تھی ! تم نے بھی ایسی ہزاروں محفلیں دیکھی تھیں اور میں بھی بہت سی محفلوں میں اپنے حُسن کا اشتہار دے چکی تھی ! گو میں اس دنیا میں اس وقت بالکل نئی تھی اور اس پیشہ کے راہ و رسم سے بخوبی واقف نہ تھی تاہم اس چند منٹ کی مُلاقات کے بعد بظاہر کوئی وجہ نہ تھی کہ میں تم کو یاد رکھتی - اس شب کی مختصر ملاقات کے بعد چند روز تک میں اپنے پیشہ میں مشغول رہی اور غالباً تم بھی اپنے تعیش میں مصروف رہے ! دوسرے دن صبح کو ــــ بلکہ اسی شب محفل برخواست ہونے سے پہلے ہی ! ــــ بھول چکی تھی کہ تم کون ہو ؟ اور کون تھے ؟ ــــ مگر ــــ وہ بیج جو اس محفل سے کوئی پرندہ لیکر اڑ گیا تھا عرصہ تک ایک ویرانے میں پڑا رہا ، اور ہم تم اس کے نشو و نما سے بالکل بیخبر رہے ، لیکن کہیں کوئی باغبان تھا جو اس بیج کی سیوا کرتا رہا - ہم کو خبر نہ تھی مگر مزرعہ حیات میں وہ تخم اپنی جگہ پیدا کرتا رہا ! ــــ آج اُس کی شاخیں صحرا میں جھوم رہی ہیں ، جہاں ایک سانس کے لئے ہوا نہ تھی وہاں آندھیاں چل رہی ہیں ! ــــ کیا خبر ہے کیا ہونا ہے ؟ محبت و الفت کی آبادیاں آباد ہونگی یا مایوسیوں اور مجبوریوں کے شعلے بھڑک کر اس جنگل کو جلا ڈالیں گے ! ــــ کون بتا سکتا ہے کہ اس سرسبز درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ہم

تم زندگی گذاریںگے ، اس کی گھنی شاخوں میں ہم اپنے لئے کوئی آشیانہ بنائیںگے یا کسی دن ایک آندھی ایسی آئیگی کہ وہ درخت جڑ سے اکھڑ کر ہمارے سر پر گرے گا، اور اس کے پتے ہماری کچلی ہوئی لاشوں پر ایک سبز چادر ڈال دینگے ——— کوئی کیا جانے ؟

تم اپنے عشق کی بانسری بجائے جاؤ، میں اپنے حُسن کا نغمہ سنائے جاؤں! جو کوئی اس بساطِ زندگی پر اپنا کھیل کھیل رہا ہے، وہ جس طرح چاہے گا اپنے مہروں کو چلاتا رہے گا! ——— ہم کیا جانیں ؟

## تینتالیسواں خط

اچھا ہوا تم چلے گئے، تم کو چلا جانا ہی چاہئے تھا! ——— یہ بھی اچھا کیا کہ مجھ سے مل کر نہ گئے، دوستوں سے رخصت ہوتے وقت، میں بہت بزدل ثابت ہوتی ہوں، درحقیقت ہر ایسی چیز سے جو روحانی کوفت پیدا کرے میں ڈر کر بھاگا کرتی ہوں، یہ میری فطری کمزوری ہے۔ میں تکالیف کا مقابلہ کرنے سے گھبراتی ہوں۔ جب کوئی اس قسم کا واقعہ پیش آنے والا ہوتا ہے جس سے میں سمجھتی ہوں کہ مجھے روحانی تکلیف پہونچیگی تو میں حتی الامکان اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرتی ہوں، اور اگر ایسا کوئی واقعہ پیش ہی آجائے تو پھر اس کی یاد کو، اس کی خلش کو، اپنے دل سے بھلانے اور مٹانے کے لئے نئے نئے مشغلے پیدا کرتی ہوں۔ ان مشاغل میں اپنے کو اس طرح غرق کر دیتی ہوں کہ تصور میں بھی اس واقعے کے آنے کی گنجائش نہ رہے۔ اسپنے

حافظہ کے تمام دروازوں کو بند کردیتی ہوں جیسے کوئی تنہا عورت چوروں کے ڈر سے رات کو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیتی ہو، باوجود اس دربندی کے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی چور میرے گھر میں کود ہی آتا ہے، اور اس حالت میں پوری شب، اگر میں تنہا ہوں، ورنہ چند لمحے ضرور ایسے گذرتے ہیں کہ میری ہر سانس گویا موت کی ہچکی ہوتی ہے! ــــ اس کشمکش میں ہزاروں راتیں اور ہزاروں دن گذر گئے! میں ہنوز زندہ ہوں، میری کارواں سرائے میں مسافر آتے ہیں ٹھہرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، بہت ایسے ہوتے ہیں جو جاکر کبھی نہیں آتے مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو لوٹ لوٹ کر آتے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو اس کارواں سرائے کو اپنا گھر بنا لینا چاہتے ہیں! ــــ ان میں سے ایک تم بھی ہو خبر نہیں تم اس حقیقت سے واقف ہو یا نہیں کہ میں تم سے ڈرتی ہوں۔ تمھارا وجود مجھے خوفناک معلوم ہوتا ہے۔ جب تم میرے سامنے ہوتے ہو تو ایک چور میرے دل میں گھسا ہوتا ہے! ــــ میں اپنے قدموں کو بہکتا ہوا پاتی ہوں! ــــ اپنے دل و دماغ کو کھلتا ہوا محسوس کرتی ہوں، اور جب تم چلے جاتے ہو تو خوف کا ایک سیاہ پردہ میرے دل سے اٹھ جاتا ہے۔ سمجھتی ہوں کہ خطرہ تو ہے مگر مجھ سے بہت دور ہے! میرا عجب حال ہے، دریا میں رہتے ڈرتی ہوں، اور اور ساحل پر جانے سے گھبراتی ہوں، دریا میں نہنگ اور ــــ ساحل پر شیر بھیڑیئے! کدھر جاؤں ــــ؟ کہاں جاؤں؟ ــــ اے میرے خدا!

رات کو جب میرا شوہر بیدار اپنے نفس کے تقاضوں سے فارغ ہو کر سو جاتا ہے، میری آنکھیں، اس وقت کمرے کی تاریکی میں روشنی کے ایک ذرا سے نقطے کو تلاش کرتی ہیں، میرے کان جوانی کے کسی بھولے ہوئے نغمہ کا

انتظار کرتے ہیں! میں ہمہ تن خوف و ہراس، ہمہ تن انتظار ہوتی ہوں سونے والے کے خراٹے سنتی ہوں، اور اس سے الگ اپنی دنیا میں، کبھی زندگی ڈھونڈتی ہوں، کبھی موت! اس سانس گھونٹنے والی خاموشی اور تاریکی میں صرف ایک گھڑی کی آواز میرے بستر کے سامنے طاق پر سے آتی ہے "ختم! ــــ ختم! ــــ ختم! جوانی ختم!! عیش جوانی ختم!! امیدیں ختم! زندگی ختم! سب ختم، سب ختم! ــــ محبت کی آواز جو ازل سے ابد تک پھیلی ہوتی ہے، ــــ اور وہ مسرت جاوداں جو عورت کی روح میں اپنا گھر بناتی ہے ــــ سب ختم!" ــــ گھڑی کے اس قول فیصل میں کبھی کبھی میرے پہلو میں سونے والے عیاش کے بلند اور بھیانک خراٹوں کی آواز بھی شامل ہو جاتی ہے۔ "ختم، ختم، بالکل ختم!!"

صبح ہو جاتی ہے، میں اپنا منحوس منہ چھپا کر دوسرے کمرے میں بھاگ جاتی ہوں تاکہ میری لٹی ہوئی صورت دیکھ کر وہ دیو بد مزہ نہ ہو جائے، پھر میں تھک کر سو جاتی ہوں! ــــ اور معلوم نہیں وہ کس وقت جاگتا ہے، اور اپنے گھر چلا جاتا ہے"

ــــ لیکن جب کبھی تم میری کارواں سرائے میں شب بھر کے لئے آجاتے ہو تو گھڑی کی آواز کچھ بدل جاتی ہے، وہ "ختم ختم!" نہیں کہتی" کل، کل، کل!" کہے جاتی ہے، ــــ رات بھر کہے جاتی ہے! میرے دل میں اس کی آواز ایک بے معنی خوف پیدا کرتی ہے، کوئی میرے کان میں کہتا ہے، ــــ "اس اندھیری رات کی صبح کیا ہو گی؟ ــــ کل کیا ہونا ہے؟ کل کیا ہونا ہے؟

وہ مسافر جو رات بھر میری کارواں سرائے میں ٹھہر کر صبح کو رخصت ہو جاتا ہے میری کتاب زندگی کے صفحہ پر تمت لکھتا ہے اور چلا جاتا ہے ـــــ

مگر تم ـــــ مگر تم ـــــ مجھے ڈراتے ہو، خوف میرے دل میں پیدا کرتے ہو! میں رات بھر لرزتی ہوں اور صبح کو تمھارے پہلو سے نکل کر بھاگ نہیں سکتی! تم میری زندگی کے کسی صفحے پر تمت نہیں لکھتے، ساری کتاب کے اوراق منتشر کر کے ڈال جاتے ہو، تم چلے جاتے ہو اور میں بیٹھی ہوئی ان بکھرے ہوئے اوراق کو سمیٹا کرتی ہوں۔

اچھا ہوا تم چلے گئے، اپنی مکتوب نویسی کو اپنے عاشقانہ مشاغل کا کفیل سمجھو کبھی کبھی مجھے خط لکھا کرو، میں جواب لکھا کرونگی!

## چوالیسواں خط

کوئی میرے دروازے پر دستک دے رہا ہے، آدھی رات کی تاریکی میں یہ کون ہے جو میرے گھر میں آنا چاہتا ہے؟ ـــــ کیوں آنا چاہتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ ـــــ کون ہے؟ کون ہے؟ کون ہے؟ ـــــ

آجا، آجا، اچھا آجا، کیا کہتا ہے؟ کہدے؟ ـــــ خوابگاہ کے ایک گوشے سے ایک برہنہ جسم میری جانب آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا، میں خوفزدہ ہو کر کانپنے لگی، پسینہ میں تر ہو گئی، میرا خریدار جس کی گود میں میں نیم برہنہ پڑی تھی شراب کے نشہ میں مدہوش تھا، وہ نہ کچھ سن سکتا تھا نہ دیکھ سکتا تھا، ـــــ پسینہ کے قطرے میری پیشانی سے ٹپک رہے تھے ـــــ اور وہ برہنہ انسان میری طرف بڑھتا آتا تھا۔

ارے تو کون ہے؟ —— ارے تو اندھا ہے، دیکھتا نہیں، میں ننگی ہوں، میں خلوت میں ہوں،

ایک ہلکی، شیریں، اور دھیمی آواز میں جواب ملا،

میں فرشتہ ہوں، آسمان سے گرایا گیا ہوں، میں نے خدا سے بغاوت کی ہے، آسمان کے پہرہ داروں کو حکم دیا گیا ہے کہ میں آسمانی سلطنت میں قدم بھی نہ رکھنے پاؤں۔"

تو، کیوں نکالا گیا ہے؟ —— تو یہاں کیوں آیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جب میں خدا کی عدالت میں پیش ہوا، میرے ساتھ اور بھی چند فرشتے ملزم تھے، ہم سب پیش کئے گئے، ہم نے کہا، اے خدا، ہم تیری خود مختاریوں کو برداشت نہیں کر سکتے، ہم تیری مطلقیت کو گوارا نہیں کر سکتے، تو کسی کی رائے نہیں سنتا، جو تیرے جی میں آتا ہے کئے جاتا ہے۔ کام بگڑتے ہیں اور تو بگاڑے جاتا ہے، ہم تیری خود مختاری نہیں دیکھ سکتے۔ ہم کو اپنی حکومت میں حصہ دار بنا! مقربین نے خوشامدیوں نے خدا سے کہا، "یہ سب تیرے فرشتے تجھ سے باغی ہو گئے ہیں، اے کردگار! آسمان کی حکومت میں یہ حصہ دار بننا چاہتے ہیں، انھوں نے تیرے خلاف باغیانہ سازش کی ہے" —— حکم ہوا کہ ان سب کو نکال دو، اس دنیا میں بھیج دو، جہاں عورت ہوتی ہے، یہ سب آگ ہی آگ ہیں، ان کی آگ میں کچھ مٹی شامل ہونی چاہئے! —— لے جاؤ —— ان باغیوں کو، اور ان سے کہو کہ اپنے

وجود میں دنیا کی کچھ مٹی ملالیں، ــــــ کسی عورت کے پاس جائیں وہ ان کے خمیر کو درست کر دیگی!"

"پھر کیا ہوا؟" میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"پھر ہم آسمان سے گرا دیئے گئے، ہمارے پر اکھیڑ لئے گئے، ہمارا لباس نور ہم سے چھین لیا گیا، اب ہم اس جنس کی تلاش میں ہیں جس کو عورت کہا جاتا ہے! ــــــ کیا تو عورت ہے؟"

بہت ہلکی ہوا میں چنار کے پتوں سے جو آواز پیدا ہوتی ہے، وہی اس ننگے فرشتے کی آواز تھی، وہ میری طرف بڑھتا آتا تھا اور ایک ہی سوال کئے جاتا تھا، ــــــ "کیا تو عورت ہے؟ کیا تو عورت ہے؟" میں خوف کے مارے دم بخود تھی، اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا، میں کانپنے لگی، پھر اس نے کہا۔ "کیا تو عورت ہے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "ہاں میں عورت ہوں!"

"میرے آتشیں وجود میں کچھ مٹی ملا دے ــــــ اے عورت! ــــــ میں نے خدا سے بغاوت کی ہے!" اس نے کہا،

میں نے اپنے ساز کے ٹوٹے ہوئے تاروں پر انگلی رکھ کر ایک بھولا ہوا نغمہ چھیڑا، اس نے کہا۔ "نہیں۔ یہ آسمان کا راگ ہے! مجھے اس کی ضرورت نہیں میں اس کو سنتے سنتے تھک گیا ہوں! ــــــ مجھے اپنی دنیا کی ایک راگنی سنا دے۔"

میں نے جو سب سے زیادہ ٹوٹا ہوا تار تھا، اس پر انگلی رکھ دی، فرش پر دو زانو ہو کر اس نے اپنا سر میری گود میں رکھ دیا، ــــــ ٹوٹے ہوئے تار سے ایک نغمہ کلنا شروع ہوا، دھیما دھیما، ہلکا ہلکا، کمرہ کی ہوا میں ایک لرزہ

پیدا ہوا ــــ وہ جھومنے لگا، ــــ "ہاں یہی، ہاں یہی، ہاں ہاں یہی۔"
وہ کہے جاتا تھا" ــــ بجائے جا، بجائے جا! اے عورت اپنے ٹوٹے ہوئے
تار کو بجائے جا، آسمان والوں کی موسیقی سے یہ نغمہ بہتر ہے! ــــ بہت
بہتر ہے ــــ سرودِ جنت سے بھی زیادہ دلکش، ــــ تیرے ٹوٹے ہوئے
تار کی آواز، ــــ بجائے جا!

خوف میرے دل سے نکل گیا، میں اپنے ٹوٹے ہوئے تار کی موسیقی
میں محو ہو گئی، وہ کبھی میری گود میں کبھی فرش پر لوٹ رہا تھا، اس کے جسم سے
ایک مہک آ رہی تھی، جیسی کہ کبھی اپنی عمر میں میں نے نہ سونگھی تھی! ــــ
کب تک یہ عالم رہا، کب تک بین بجاتی رہی اور وہ لوٹتا رہا ــــ مجھے خبر نہیں،
اتنا یاد ہے کہ محلہ کی مسجد میں موذن صبح کی اذان دے رہا تھا، کہ اس فرش پر
تڑپتے ہوئے جسم سے ایک شعلہ بلند ہوا، اور اس شعلہ سے ایک آواز آئی،
"اے عورت تو میری ہے" ــــ "میں پھر آؤں گا" ــــ میری آنکھیں بند
ہو گئیں!

آج صبح رات کے اس عجیب تماشے کو اپنے دل میں دوہرا رہی تھی،
اور سوچ رہی تھی کہ کیا تعجب ہے کہ یہ مرد جو دنیا میں عورت پر حکومت کرنے
کا دعویٰ کرتے ہیں، آسمان سے نکالے ہوئے باغی فرشتے ہوں، جو یہاں آکر
شیطان کی فوج میں شامل ہو جاتے ہیں! تو کیا ان باغیوں کی بغاوت
کا علاج صرف عورت ہی ہے؟ ساتویں آسمان پر ان سرکشوں کی بغاوت
کا کوئی علاج ممکن نہ ہوا، کہ ان کو اس بستی کو تباہ کرنے کے لئے عورت کے گلے کا ہار
بنا دیا گیا؟ ہم صرف اسی لئے ہیں کہ اپنی مٹی ان کی آگ میں ملائے جائیں؟

کوئی اور کام ہمارے سپرد کیا گیا ہوتا! کوئی اور فرض ہمارے ذمہ ڈالا گیا ہوتا کوئی اور مشغلہ ہمارے سپرد کیا گیا ہوتا! ——— آسمان کے باغی ہماری گود میں کیوں اتارے جاتے ہیں؟

# پینتالیسواں خط

کیوں مجھ سے شکایت کرتے ہو کہ میں تمہیں بھول گئی، ——— میں تمہیں نہیں بھولی، ——— نہ بھول سکتی ہوں، عورت بھولا نہیں کرتی، عورت جب تک یہ نہ بھول جائے کہ وہ عورت ہے، اس وقت تک وہ کچھ بھی نہیں بھولتی، اس کی زندگی کے واقعات کا ہر نقش ——— ہلکا ہو یا گہرا ——— اُس کے قلب پر محفوظ رہتا ہے،

دہقان کی بیوی جو دن بھر کچے راستوں پر گوبر جمع کرتی ہے۔ دن بھر کھیتوں میں مویشی چراتی ہے، بیلوں کو گاؤں کے کنوئیں پر نہلاتی ہے! ———

غریب گھر کی بیوہ یا سہاگن، جو برتن مانجھتی ہے، مسالہ پیستی ہے روٹی پکاتی ہے!

مفلس و نادار بڑھیا جو اُجرت پر کپڑے سی کر اور آٹا پیس کر اپنا پیٹ پالتی ہے!

دایہ جو پانچ روپیہ مہینہ پر امرا اور اہل دول کے بچوں کی خدمت کرتی ہے۔

ترکاریاں بیچنے والی۔

بچوں کو پڑھانے والی استانی،

محلوں کی بیگم، زر و جواہر کی شیدائی، عیش و عشرت کی پروردہ،
علم و ہنر والی خاتون، جو اخبارات و رسائل میں مضامین لکھتی ہے،
تہذیب مغرب کی سوتیلی بیٹی جو رنگین تتلی کی طرح باغوں اور گلزاروں
میں اڑتی پھرتی ہے اور شمع کی طرح محفلوں اور انجمنوں میں مردوں
کو ذوقِ نظر عطا کرتی ہے،
سیاسی خاتون ـــــ شریمتی دیوی ـــــ جو کھدر پہن کر جلسوں میں
تقریریں کرتی ہے،
تھیٹروں کی ایکٹرس جو ہر شب کو تماشائیوں کے سامنے اپنا جلوۂ صد رنگ
پیش کرتی ہے ـــــ
اور سر بازار بیٹھ کر عصمت فروش لیلےٰ ـــــ

ان سب کو جب تک اپنا عورت ہونا یاد رہتا ہے، اس وقت تک
زندگی کے ناہموار راستہ کا ایک ایک پتھر، ایک ایک ذرہ یاد رہتا ہے! عورت
کی زندگی اسی لئے تلخ ہوتی ہے کہ وہ بھول نہیں سکتی، مرد اسی لئے زیادہ مطمئن
اور بے پروا ہوتا ہے کہ رات کی بات صبح کو بآسانی بھول جاتا ہے! شب
بھر اپنے عیش کی عمارت بناتا ہے اور صبح کو ایک ٹھوکر سے اس کی دیواریں گرا کر
اپنا راستہ لیتا ہے! درحقیقت مرد فطرتاً خانہ بدوش ہے اور عورت وطن پرست!
مرد ہر جگہ اپنا گھر بنا لیتا ہے، ہر جگہ اپنا دل لگا لیتا ہے اور عورت جس دیوار
کے سائے میں بیٹھ جاتی ہے، پھر اٹھ نہیں سکتی، وہیں سے اس کا جنازہ اٹھتا ہے
اور ـــــ اگر اٹھ بھی جائے تو عمر بھر اس دیوار کے سائے کو نہیں بھولتی۔۔!

باغوں میں رہتی ہے۔ محفلوں میں جلوہ ریز ہوتی ہے۔ سمندروں کے طوفان دیکھتی ہے۔ بیابانوں میں گذرتی ہے! اور پھر اسی دیوار کے سایہ کو تلاش کرتی ہوئی آتی ہے! ـــــ بھول نہیں سکتی۔ تا آنکہ اس کو وہ نیند نہ آجائے جو دنیا کی ہر چیز کو بھلا دیتی ہے!

عورت اور مرد کی فطرت کا یہ بہت بڑا فرق ہے۔ مرد بہت کم سوچتا ہے بہت کم سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی یاد نہیں رکھتا۔ وہ اپنے حاکمانہ اقتدار کے نشہ کی حالت میں عورت کی فطرت کا مطالعہ بھی غیر ضروری سمجھتا ہے۔ ایشیا، کے دو بڑے مذہبوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عورت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا غلام بنا دیا ہے ـــــ پھر کیوں وہ غلاموں کے حال کی جستجو میں اپنا وقت ضائع کرے، غلام آخر غلام ہی ہیں! ـــــ

چیلا اپنے گرو سے سوال کرتا ہے اور جواب پاتا ہے:۔

"اے گرو! ہم عورتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں؟"

"ان کی طرف ہرگز نہ دیکھ انندا!"

"اور اگر باوجود احتیاط کے ہم ان کی طرف دیکھنے سے باز نہ رہ سکیں؟"

"تو انندا! تو ان سے بات نہ کر۔"

"اور اگر اے گرو! ہم ان سے بات بھی کر لیں؟"

"تو پھر اے انندا، تو اپنی فکر کر۔"

ایک دوسرے مذہب کے شارع نے تو یہاں تک طے کر دیا کہ:۔

"خدا کی لعنت ہے! اس جنس پر، تم شیطان کے آنے کا راستہ ہو، تم خدا کی تصویر (یعنی مرد) کو تباہ کر دیتی ہو"

اسلام نے عورت کو کچھ زیادہ حقوق دیئے، مگر وہ بھی چند روز بعد تخت سلطنت کے اسلامی تاجداروں نے ضبط کر لئے، اور ابتدائی نصف صدی کے بعد ہی مسلمان عورت بھی مرد کی ہمہ گیری کا شکار ہو گئی، تمام مذاہب کے ایسے اقوال جمع کرنا چاہتی ہوں تاکہ تمھیں بتا سکوں کہ کس طرح گذشتہ پانچ ہزار برس میں خدا کی مخلوق کے نصف حصے کو دوسرے نصف نے اپنا غلام بنایا، مٹایا، شمار سے باہر کر دیا، مرد اپنے کو خدا کی تصویر اور عورت کو شیطان کے آنے کا راستہ سمجھتا ہے —— زندگی کے سمندر میں عورتیں گندی مچھلیاں ہیں! ——

کاش کہ مرد، جو علم و فضل کا سب سے زیادہ کم فہم مدعی ہے، چند لمحے عورت کی نفسیات کا مطالعہ کرنے میں گذارے! —— صرف چند لمحے جو "صنف اعلیٰ" کے قدیم تعصبات سے پاک ہوں،

## چھیالیسواں خط

تین مختلف قسم کے انسان ہوتے ہیں! ان کے دماغوں کی تین مختلف کیفیات ہوتی ہیں!

(۱) "یوں ہونا چاہیئے!"

(۲) "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے!!"

(۳) "اے کاش کہ!"

وہ شخص دنیا کا فاتح ہے جو اپنے دل کی خواہشوں کو "یوں ہونا چاہئے"

کے گہوارہ میں پرورش کرتا ہے، وہ مدعیانہ قدم اٹھاتا ہے اور ہر کام جو کرتا ہے اس کے کرنے سے پہلے طے کر دیتا ہے کہ "یوں ہونا چاہئے"۔ اسباب اور سامان سے وہ بحث نہیں کرتا، نتائج کی وہ پروا نہیں کرتا، وہ خون بہانے کے لئے اپنی تلوار بے نیام کرتا ہے اور کہتا ہے "یوں ہونا چاہئے"۔ وہ دنیا کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ممالک فتح کرنا چاہتا ہے اور یہ کہکر قدم اٹھاتا ہے کہ "یوں ہونا چاہئے"۔ وہ علم و فضل کے میدان میں مخلوق خدا سے خراج عقیدت وصول کرتا ہے ـــــ اس طرح، گویا وہ اس کا مسلمہ حق ہے۔ وہ حکومت کرتا ہے، نئی سلطنتیں قائم کرتا ہے! تاج شاہی دوسروں کے سروں سے اتار کر اپنے سر پر رکھ لیتا ہے، سپہ سالاری کی تلوار اپنی کمر سے باندھ لیتا ہے، ملکوں اور قوموں کی ہستی کو زیر و زبر کر دیتا ہے، اور جب دنیا اس کے کارناموں کو حیرت اور احترام کی نظر سے دیکھتی ہوئی ہے تو وہ اپنی شان میں دنیا کے قصیدے اور گیت، انتہائی بے پروائی کے ساتھ سنتا ہے اور اپنی زندگی کی ہر تازہ کامیابی سے محض یہ کہکر قطع نظر کر لیتا ہے کہ "یوں ہی ہونا چاہئے"۔ جس بات کو وہ کہتا ہے کہ "یوں ہونا چاہئے"۔ وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اپنے دعوی کی نفی سے اس کے کان ناآشنا رہتے ہیں وہ ایک سیلاب کی طرح، بہتا چلا جاتا ہے، اپنے سامنے ہر چیز کو بہائے لئے جاتا ہے، زمین کا جگر چیرتا چلا جاتا ہے، کاٹتا چلا جاتا ہے! ـــ اور اسی شان سے وہ سمندر سے جا کر ٹکراتا ہے!

مگر وہ جو ہر بات پر کہہ دیتا ہے کہ "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے"۔ وہ اس سمندر سے ٹکرانے والے سیلاب کے مقابلہ میں کسی گاؤں کا ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے اندر وہی چند مینڈک رہتے ہیں جو ہمیشہ سے رہتے چلے آئے ہیں، جس کے کنارے گاؤں کے وہی چند بیل اور چند سور پانی پینے آتے ہیں جو ہمیشہ آیا کرتے ہیں ـــــ

اس کے اندر قصبہ کی غلاظت گرتی ہے تو وہ بُرا نہیں مانتا۔ اس کے پانی میں غلیظ جانور آکر نہاتے ہیں تو وہ پروا نہیں کرتا اور ہر واقعہ کے بعد "یوں ہی ہوا کرتا ہے" کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے ——— وہ شکایت نہیں کرتا ——— وہ درحقیقت محسوس ہی نہیں کرتا، یہ شخص اپنے اندر کوئی حس نہیں رکھتا، نہ کامیابی اس کو مسرور کرتی ہے نہ ناکامی مغموم - وہ کامیابی اور ناکامی کا فرق ہی نہیں سمجھتا - جس کا خون رگ رگ میں سرد ہو گیا ہو، جو تلوار اٹھانے کا جذبہ ہی نہ رکھتا ہو وہ زخم کی لذت کو کیا جانے خواہشیں اس کو نہیں ستاتیں، امیدیں اس کو تنگ نہیں کرتیں، ارادے اور خیالات اس کے سکون کو متحرک نہیں کرتے! ——— وہ سانس لیتی ہوئی ایک قبر ہے اور اس کے خیال میں صرف تنفس ہی سے زندگی عبارت ہے! وہ اپنے خیال میں کچھ اتنا مطمئن ہے کہ اس کی نیند کو صبح کی تمنا خراب نہیں کرتی، اور اس کی صبح کبھی اس کے لئے کوئی نیا تحفہ نہیں لاتی! اس کا تالاب اس کی خاموش دنیا ہے آسمان اس کے وہم و گمان سے بھی باہر ہے، اس کے تالاب کا طوفان بس اتنا ہے کہ اگر گاؤں کا کوئی لڑکا کنارہ پر کھڑا ہو کر ایک سنگریزہ پھینک دے تو پانی کی سطح پر چھوٹے چھوٹے چند دائرے بن جائیں! ———

اپنے قلب کی حرکت کو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر دبا رکھتا ہے کہ "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے"۔ بے عملی اور بے حسی کے اسی نشے سے اس کی روح آسودہ رہتی ہے۔ کم و بیش کی فکر سے بے نیاز اور امروز و فردا کی کشمکش سے آزاد، ———

مگر ان دونوں سے زیادہ زندہ مگر مجبور وہ شخص ہے جس کی ہر سانس سے "اے کاش کہ" کی آواز آتی ہو! اپنی پیدائش سے دم آخر تک وہ اسے "اے

کا نسکہ" میں مبتلا رکھے، اور ہر طرف اسی طرح سینہ کوبی کرتا ہوا گذرے "اے کا نسکہ اَے کا نسکہ!" ان دو لفظوں میں وہ اپنی زندگی کا پورا فلسفہ بیان کر دے۔ اس کی ہر صبح اور ہر شام کا عنوان یہی دو لفظ ہوں، اس کی کتاب زندگی کی ہر سطر ان ہی دو لفظوں کی تفسیر ہو! وہ منزل تلاش نہ کرے، منزل کا سکون و آرام تلاش نہ کرے۔ — وہ مسلسل اور کبھی نہ ختم ہونے والا سفر چاہے — حرکت چاہے — انتہا اور خاتمہ نہ چاہے! — ہمیشہ آغاز اور دوران کا رچاہے۔ اس کی زندگی ایک مسلسل آواز ہو، مسلسل حرکت ہو! مسلسل ہیجان ہو! وہ ہمیشہ مصروف رہے۔ عمارتیں گرائے اور بنائے، دریا خشک ہو جائیں اور وہ ان میں پانی بھرے کھیتیاں سوکھتی رہیں اور وہ آبپاشی کرتا رہے، امیدیں بھاگتی رہیں اور وہ ان کا دامن نہ چھوڑے، ارادے تھکتے رہیں اور وہ ان کو سہارا دیتا رہے — گرتا رہے اور سنبھلتا رہے! — اگر کبھی اس کے حوصلے سست بھی ہو جائیں، تو وہ ان کو جگاتا رہے، اپنی ہر خواہش پر کہے کہ "اے کا نسکہ! یوں ہوتا!" زمین سے ہوا میں، ہوا سے آسمان کے ستاروں میں، آسمان کے ستاروں کے بعد ان سے بھی بلند تر ہر بلندی کے بعد اور بلندی مانگے، — کبھی چین سے نہ بیٹھے! — ناکام ہو کر بھی کامیابیاں مانگتا رہے۔ "آج" پر قانع نہ ہو اور "کل" کو تلاش کرتا رہے اُس کے مذہب میں قناعت، زندگی کی نفی، سکون موت، اور خواہش اور طلب، زندگی کا جوہر! —————

میں سراپا "اے کاش کہ" ہوں اور تم یکسر "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے"۔ ہو میں ہمہ تن حرکت ہوں اور تم از سرتاپا جمود مطلق، کیا اچھا ہوتا کہ تم "یوں تو

ہوا ہی کرتا ہے" کے خانے سے" یوں ہونا چاہیے" کے خانے میں منتقل ہو جاتے۔!
—— طلب کی قوت تم میں بھی پیدا ہوتی، پھر میری اور تمھاری قوت ارادی کا مقابلہ ہوتا۔ —— اور کسی دن میرے تمھارے قضیہ کا فیصلہ ہو جاتا۔

اب تک جو ذوقِ طلب تم رکھتے ہو وہ ذوق کاذب ہے —— اس کے اندر آنسو ہیں، آہیں ہیں، دو چار نالے ہیں، دس بیس شکوے ہیں، اور کچھ نہیں ہے، میں اپنے ایک دلنواز تبسم سے تمھارے تقاضوں کو تھپک کر سُلا دیتی ہوں۔!
جب وہ تقاضے کسی طرح نہ سُلائے جا سکیں، تب سمجھو کہ تم ہوس کی زنجیر سے آزاد ہو!

# بینالیسواں خط

تھیٹر کے ایک مالک و مینجر صاحب جو میرے دیدار کے بہت پیاسے رہتے ہیں اور اکثر میرے غریب خانے پر تشریف لاتے ہیں، کل کیفِ صہبائے تند کی حالت میں بہک گئے، مجھ سے اصرار فرمانے لگے کہ میں ان کے تھیٹر میں اسٹیج کی زینت بنوں، انھوں نے اپنی لڑکھڑاتی زبان سے میری نظر کے سامنے شہرت اور قبولیت کی بہت ہی نظر فریب تصویریں پیش کیں، —— ہر شب کو ہزارہا تماشائی میرے "فن" سے لطف اندوز ہونگے۔ میں ان کی نظروں میں جگہ پاؤنگی، جس شہر میں پہنچ جاؤنگی وہاں میں اپنے کمالات اور اپنی شہرت کے نقش قائم کر دوں گی، چھ مہینہ میں سارا ہندوستان میرے نام سے گونجتا ہوگا، اور میں اپنے زمانے میں خدا جانے کیا بن جاؤنگی، میرا حُسن، میرا ناچ، میری موسیقی، دنیا میں تھیٹر کے فن کا ایک نیا معیار قائم کریگی، اور اہلِ نظر میرے نام کو لیکر اکناف عالم میں جائیں گے

اور میری شعریت کی شان میں قصیدے پڑھتے پھرینگے، میں ستارہ ہوں تو ماہتاب بن جاؤنگی، اور ماہتاب ہوں تو آفتاب بن جاؤنگی ——— وغیرہ وغیرہ

یہ سب کچھ اور کچھ اس سے بھی زیادہ انھوں نے فرمایا! میں نے عرض کیا کہ کہاں میں گنہگار اور کہاں آپ کا "آرٹ" اچھا، برا ایک اپنا سٹیج میں نے اس کوٹھے پر اپنے لئے بنالیا ہے، اسی پر صبح سے شام تک نئے نئے روپ لوگوں کو دکھاتی رہتی ہوں اور اپنے کاروبار کی کامیابی سے بالکل مطمئن ہوں، پھر کیوں بجلی کی تیز روشنی میں آپ کے اسٹیج پر کٹ پتلی کی طرح گاؤں اور ناچوں! ؎

صبر کا نہیں یارا مجھے      اس ستمگر نے مارا مجھے

میں اپنی راگنی کو چھوڑ کر آپ کا راگ کیوں گاؤں، اپنے ناچ سے قطع نظر کرکے آپ کا بتایا ہوا ناچ کیوں ناچوں؟ میں خود ہی پیدائشی ایکٹرس ہوں، اور میرا فن "آپکے فن سے کم نہیں! کچھ زیادہ آزاد ہے، میری نرگس مستانہ اور میرا عشوہ ترکانہ اب بھی میرے لئے کافی وسیلۂ معاش ہے، پھر اور مجھے کیا چاہئے؟ حُسن پرست مردوں کی تعریف و توصیف سے اب بھی محروم نہیں ہوں، میری "فتوحات اب بھی کم نہیں ہیں! پھر جو میں اپنے بڑے بڑے عالیمقام غلاموں کو چھوڑ کر "چار آنہ والے ٹکٹ" کے تماشائیوں کی عامیانہ دلچسپی حاصل کرنے کے لئے لکڑی کے تختوں پر ٹھکتی پھروں تو مجھ سے زیادہ بیوقوف کون ہوگا؟ بد اعمال ہوں مگر بدمذاق نہیں ہوں! آپ کے بڑے بڑے ڈرامہ نویس جو لغو اور بیہودہ اور ذمینی ڈرامے لکھ لکھ کر آپ کو دیتے ہیں اُن سے بہتر ڈرامے لکھ سکتی ہوں، آپ مجھ سے ایکٹ نہ کرایئے، ڈرامے لکھوایئے، خود میری زندگی میں اتنے ڈرامے کھیلے جاچکے ہیں اور روز کھیلے جاتے ہیں کہ ان میں سے دو چار کو بھی لکھنے بیٹھوں تو آپ جیسے"

"منیجر و مالک کمپنی ہذا" کی آنکھیں کھل جائیں۔ تجارت ایک آزاد پیشہ ہے میں آزاد ہی رہنا چاہتی ہوں۔ اپنی آمدنی میں ایک درمیانی آدمی کو حصہ دار کیوں بناؤں؟ آپ کی تجویز کا خلاصہ تو صرف یہ ہے کہ آپ میرے حُسن کے دلال بننا چاہتے ہیں!"

بیچارے بہت خفیف ہوئے اور خفت کی ہنسی ہنسکر بات کو ٹال گئے!

"تم نے بہت سی عورتوں کو اسٹیج پر ایکٹ کرتے اور ناچتے دیکھا ہوگا درحقیقت عورت کی ساری زندگی اسٹیج کی زندگی ہے، تم نے کبھی غور بھی کیا کہ ہماری سوسائٹی میں عورت اپنی پیدائش سے موت تک ایکٹ کرنے پر مجبور کی جاتی ہے۔ وہ ہر وقت اپنے اسٹیج پر "مالک" کے منشا کے مطابق ایکٹ کرتی رہتی ہے! شوہر یا باپ یا بھائی جو چال اس کو چلانا چاہتے ہیں وہ چلتی ہے! آزادی ضمیر و عقل کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب ایک لڑکی گھر کی چار دیواری میں پرورش پاکر شعور کی عمر تک پہونچتی ہے تو وہ سارے خاندان اور اس خاندان کے تمام متعلقین کی نظر کا مرکز بن جاتی ہے، اس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا سب ان تماشائیوں کے منشا کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے لئے جب ایک شوہر مہیا کیا جاتا ہے (ہر چیز اس کے لئے مہیا کی جاتی ہے، وہ خود اپنے لئے کچھ مہیا نہیں کر سکتی) تو پھر اس کو اپنے گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں ایکٹ کرنا پڑتا ہے۔ خسر اور ساس اور نندا در دیور یہ سب تماشائی ہوتے ہیں، ان کی خوشنودی خاطر کے لئے وہ وقف کر دی جاتی ہے۔ اس کا مرنا، اس کا جینا سب ان ہی لوگوں کے لئے ہوتا ہے، اور اگر وہ ہندوستان کی نہایت مشتبہ اصطلاح میں "تعلیمیافتہ" ہے تو پھر جلسوں میں، "پارٹیوں" میں، کانفرنسوں میں، بازاروں میں، پارک میں، اور اس تماشہ گاہ میں جس کو "سوسائٹی" کہتے ہیں ایکٹ کرتی ہے، اس کا اسٹیج زیادہ کشادہ اور اس کا تھیٹر زیادہ وسیع

ہوجاتا ہے اس کیلئے ایکٹ کرنا کس قدر مشکل ہوجاتا ہے جب وہ دیکھتی ہے کہ اس کے پاؤں میں مردوں کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اور اس کو ہر قدم مرد کی خواہش اور منشا کے مطابق اٹھانا پڑتا ہے، تم کہو گے کہ عورت تو اسی حال میں خوش ہے، ہاں بیشک طوطے کے بچے کو جب تم پنجرے میں بند کرکے پالوگے اپنے ہاتھ سے اس کو کھلاؤ گے، جیسا پسند کروگے ویسا ہی بولنا سکھاؤ گے، پنجرے کا دروازہ بند رکھو گے، اور اس طوطے کی بھوک پیاس بھی تمھارے اختیار میں ہوگی تو پھر وہ طوطا پنجرے کے دروازے کے باہر بھی آنا نہ جانیگا اور اگر تم اس کو آزاد بھی کردو تب بھی تمھارے ہی گھر میں پھرتا رہیگا، اس کے پروں کی طاقت سلب ہوچکی ہوگی، پھر اگر تم کہو کہ یہ طوطا آزاد ہے اور کھلی ہوا میں جہاں اس کا جی چاہے اڑجائے، تو یہ تمھاری ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کے اندر جو شعریت اور طاقت عمل ودیعت کی گئی وہ سب، مردوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور ان کی فطرت پر گذشتہ صدیوں میں آہستہ آہستہ اس قدر سخت قبضہ حاصل کرلیا کہ اب عورت آزادی کا صحیح مفہوم بھی نہیں سمجھ سکتی! جو چند عورتیں اب آزادی کا مطالبہ کرتی بھی ہیں، وہ بھی صرف ظاہری نشست وبرخواست کو آزادی سمجھ رہی ہیں، باطنی آزادی تخیل کی آزادی، دماغ کی آزادی اصلی آزادی ہے، جب تک عورت مرد کی مدد کے بغیر خود سوچنے خود سمجھنے، خود اپنے دماغ سے راہ عمل پیدا کرنے، اپنی بصیرت سے زندگی کے معموں کو حل کرنے اور اپنے ضمیر کی روشنی میں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے قابل نہ ہو وہ آزاد نہیں، ابھی تو وہ دھوکا کھا رہی ہے مرد اس کو اچھی اچھی ساریاں پہن کر ہوا خوری کرنا سکھاتے ہیں، حب وطن کے وہی جھوٹے گیت ان کو یاد کراتے ہیں جن گیتوں کی آواز مردوں کے ڈھول اور نقارے سے نکلتی ہے، وہ تعلیمیافتہ "بناکر ان کو جلسوں میں وہی بے معنی تقریریں کرنا سکھاتے ہیں، جیسی وہ

خود کرتے ہیں، اسی قسم کا قوم پرست اور مصلح قوم بناتے ہیں جیسے وہ خود ہیں ـــــ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم عورت کو "آزاد" کر رہے ہیں، یہ سب کھوٹے سکے ہیں جو عورت کو دیئے جاتے ہیں، اس کو سب کچھ بنایا جاتا ہے مگر عورت نہیں بننے دیا جاتا! اچھی اچھی سبھا ئیں بنا کر، بڑے بڑے شاندار موٹروں میں "عظیم الشان" جلسوں اور کانفرنسوں میں شاہی محلوں کے درباروں میں عورت آگے بڑھائی جاتی ہے، اور مرد کا مغرور ضمیر اس کو تسلّی دیتا ہے: "یہ سب تیری غلام ہیں، ان کی شہرت تیری شہرت ہے، ان کی نمود تیری نمود ہے، جب یہ اچھے اچھے لباس پہن کر بڑی بڑی محفلوں میں جاتی ہیں اور زرو جواہر ان کے جسم پر چمکتے ہیں تو نام تیرا ہوتا ہے! تیری بیوی! تیری بیٹی! تیری بہن یہ سب تیری ہی کٹ پتلیاں ہیں، نچائے جا، ان کو سب کچھ دے مگر آزادیٔ ضمیر نہ دے، سوائے اس دروازے کے باقی سب دروازے کھول دے، ان کو آزاد ہو جانے دے، یہ پھر بھی غلام ہی رہینگی۔" مرد خود ترقی نسواں کا علم لیکر کھڑا ہوتا ہے، سینکڑوں اخبارات و رسائل "صنف نازک کی اصلاح و ترقی" کیلئے جاری کئے جاتے ہیں، ہزاروں تقریریں کیجاتی ہیں رزولیوشن پاس ہوتے ہیں اور گویا عورت کے متعلق اپنی آزاد خیالی اور روشن ضمیری کا یہ ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھو ہم عورتوں کے حقوق دے رہے ہیں! ان لمبی زبان والے مقرریں اور ان تیز قلم "اہل قلم" کے گھروں میں جا کر دیکھئے تو ان میں مضامین تقریروں اور ریزولیوشنوں کا ہلکا سا عکس بھی نظر نہ آئیگا، بھیڑیا گھر میں آتے ہی بکری کی کھال اتار دیتا ہے اور اس کی حقیقت عریاں ہو جاتی ہے، حقوق نسواں کے لئے پبلک کے جلسوں میں سینہ کوبی کرنے والا گھر پہ آکر بیوی کوبی شروع کر دیتا ہے۔ وہاں تو کہتا ہے کہ عورت کے حقوق بھی مَردوں کے برابر ہیں۔ اور شام کو گھر میں آتا ہے، تو سالن میں نمک زیادہ ہو جانے کی وجہ سے وہ رکابی بیوی کے سر پہ کھینچ مارتا ہے! ـــــ

یہ ہے ان فتوحیوں کا فریب!! مرد خوب جانتا ہے کہ جب تک عورت کے دماغ پر غلامی کی مُہر لگی ہوئی ہے اور اس کے دل میں "صنف ضعیف" ہونے کا عقیدہ راسخ ہے! وہ قبضہ سے باہر نہیں جاتی، اپنی سب بہنوں سے اور خصوصاً ان سے جو پردہ کے باہر آکر تقریریں کہنے اور قومی "لیڈر" بننے ہی کو اپنی آزادی سمجھتی ہیں، میں کہتی ہوں کہ ہم بدنصیب اس وقت تک چاروناچار مرد کے غلام رہینگے جب تک کہ اپنے ضمیر کو اس کے اثر سے آزاد نہ کرلیں، اور اس کے تفوق سے قطعی اور غیر مشروط انکار نہ کردیں اگر انکار کی قوت ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے! تو اسی کے ساتھ عمل کی تمام قوتیں ہم کو حاصل ہو جائینگی، اور جب تک یہ نہیں، اس وقت تک ترقی نسواں اور آزادی اور حقوق کی باتیں بہکائے ہوئے بچوں کی باتیں ہیں!

میں تو اپنی حالت کو دیکھتی ہوں، جب شروع شروع میں گھر سے نکلی اور بازار میں آئی تو میرے دل میں مرد کی فضیلت کا احساس بہت قوی تھا، وہی میری عصمت لوٹتا تھا، وہی مجھے ذلیل کرتا تھا، وہی مجھ پر ہنستا تھا اور اسی کا احسان میں اپنی گردن پر سمجھتی تھی اس کی نفس پرستی مجھے طعنے دیتی تھی، میرا مذاق اڑاتی تھی اور میں اس رسوائی کو یہ سمجھ کر قبول کرلیتی تھی کہ میں اسی قابل ہوں، مرد کی تمام بدکاریوں کے بعد بھی میں اپنے کو اس سے زیادہ بدکار سمجھتی تھی، لیکن اس زندگی کے تجربوں نے میری آنکھیں کھولدیں اور آج میں محسوس کرتی ہوں کہ باوجود اپنی گناہگاری کے میں اب بھی انسان ہوں اور مرد حیوان مطلق۔ میرے گناہ کا وزن اس کے گناہ سے بہت کم ہے، میں اس کے مقابلے میں زیادہ ایمان اور پاک تر ضمیر رکھتی ہوں، میں گناہگار ہوں، مکار نہیں ہوں، وہ مجھ سے زیادہ گناہگار بھی ہے اور موذی اور مکار! اس کے قلب پر گناہوں کی سیاہی طاری ہے، میرے قلب پر خون کی چھینٹیں ہیں، زخم ہیں، ناسور ہیں، میرا دل اب بھی خدا کے خوف سے

کانپ جاتا ہے مگر اس کا دل شیطان کے قبضہ میں اور سوائے دنیا کی بدنامی کے کسی چیز سے نہیں ڈرتا! اس کا صرف وہ عمل گناہ ہے جو لوگوں پر ظاہر ہو جائے! ۔

مظلوم کو جب ظالم کے ظلم کا احساس ہونے لگے تو سمجھ لو کہ ظالم کے خاتمہ کا آغاز ہوتا ہے! عورت کے کانوں میں آوازیں آنے لگی ہیں، جو کچھ میں سوچتی ہوں وہی میری بہت سی بہنیں سوچ رہی ہیں! ـــــــــ تم شاید اعتراض کرو ـــــ ہمیشہ اعتراض کیا کرتے ہو ـــ کہ تو بڑی توانی بناتی ہے مگر خود بھی ان ہی مردوں کی خدمت کرتی ہے! جن کو تو ظالم و مکار کہتی ہے، مگر میری نسبت تمھارا یہ خیال صحیح نہیں، میں جو کچھ کرتی ہوں وہ میرا پیشہ ہے، مگر میرے دماغ میں الحمد للہ، مرد کے تفوق کا ذرا بھی اثر باقی نہیں، میں اپنے تھیٹر میں محض روٹی کمانے کیلئے ناچتی ہوں لیکن تماشہ دیکھنے والے مردوں کے اتنی ٹھوکریں مارتی ہوں کہ وہ بھی یاد کرتے ہونگے ، اپنے بڑے بڑے عالیمقام عشاق کو جو موٹروں میں سوار ہو کر میرے گھر آتے ہیں بھنگی اور چمار سے بدتر سمجھتی ہوں، جب وہ میرے حسن کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ درخواستیں پیش کرتے ہیں تو دل کو ایک عجیب تسکین حاصل ہوتی ہے۔ میں ان کو جھڑکتی ہوں اور خوش ہوتی ہوں، ان کو ہر طرح ذلیل کرتی ہوں اور دل میں کہتی ہوں:۔ "موذی تیرا علاج ہی یہ ہے اور جوتیاں کھائیگا!" وہ میری عصمت کی قیمت ادا کرتے ہیں، میں ان سب کو اپنے دوزخ کا ایندھن سمجھتی ہوں، جب کوئی بنا چاہنے والا آ کر پھنستا ہے تو کہتی ہوں! "آ میرے شکار، میں تیرے کباب بناؤں، میری آگ بہت تیز ہے ان انگاروں پر لوٹ، تیرا جس قدر خون جلے گا، اسی قدر میری روح تازہ ہوگی!" میرے خریدار مجھے میرے جسم ہی کی قیمت ادا نہیں کرتے بلکہ اپنی انسانیت بھی مجھے دیتے

ہیں، وہ سمجھتے ہونگے کہ انھوں نے بڑی فتح حاصل کی، میں سمجھتی ہوں کہ میں نے دنیا کے موذیوں کی روح کو آلودہ کردیا، فنا کردیا، وہ داغ لگا دیا جو مٹ نہیں سکتا ــــ فتح دراصل میری ہوتی ہے! ــــــــــــ

جس دن بازارِ حُسن میں میرا کاروبار بند ہوگا، ــــ اس کے بند ہونے کی وجہ کچھ بھی ہو ــــ اس دن میں ماما حوا کی آزاد بیٹی بن کر اپنی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد قرار دونگی! ــــ مرد کے تفوق کی بیخکنی! ــــ اسی مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی ساری عمر ختم کردوں گی! ــــــــــــ

ان خیالات اور ارادوں کے ساتھ اگر میں تمھاری بیوی بن کر تمھارے گھر میں آبیٹھی تو کیا تم مجھے اجازت دوگے کہ میں اس جہاد کو جاری رکھوں؟ خدا جانتا ہے کہ اس انتقام کی لذت، حجلۂ عروسی سے میرے لئے یقیناً زیادہ ہے!!

## اڑتالیسواں خط

عرصہ سے تمھیں خط نہیں لکھا، لکھ نہ سکی، ہوا کچھ دوسری طرف چل رہی ہے، سوچتی زیادہ ہوں کہتی کم ہوں، کبھی کبھی مجھ پر ایک دورہ سا پڑتا ہے! جیسے کسی نے کتاب کا ورق لوٹ دیا، تمھارا اندازہ غلط نہیں، میرے موسم جلد جلد بدل رہے ہیں آج کل ایک انقلابی اور ہیجانی کیفیت مجھ پر غالب ہے، خبر نہیں یہ کیسا انقلاب ہے؟ کیونکر، کہاں سے، کس طرح، پیدا ہو رہا ہے، کوئی قوت ہے ــــ ازلی اور ابدی! میری باگیں ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، کوئی دور کی آواز ہے جو مجھے بلا رہی ہے!

وہی ہے جو اشارے کر رہا ہے، کوئی بھولی ہوئی موسیقی، جس کی موج کہیں قوسِ قزح کے پاس پیدا ہوتی ہے، آتی ہے اور مجھ کو چھو جاتی ہے، میرے وجودِ باطنی میں ایک نئی لرزشِ حیات پیدا ہوتی ہے! جیسے بجلی کے تار پر انگلی لگ گئی ہو، ہلکے ہلکے جھٹکے محسوس کرتی ہوں، جو کیفیتیں مجھ پر گذری ہیں ان میں عجیب تر کیفیت یہ ہے کہ مجھے اپنی گذرتی ہوئی جوانی، جو کبھی عزیز نہ تھی، کچھ عزیز ہوتی جاتی ہے، جب سے میں نے اس بازارِ حسن میں اپنی دکان لگائی، میں اپنی جوانی اور اپنے حُسن کو ہاتھوں سے دونوں ہاتھوں سے لٹاتی رہی ہوں۔ اپنے عاشقوں کے ہجوم میں میں نے اس کو مٹھیاں بھر بھر بکھیرا ہے اور کوشش کرتی رہی ہوں کہ لوٹنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے، — یعنی جس قدر جلد میں اس متاعِ حُسن سے فارغ ہو جاؤں بہتر ہے — جس قدر میرے حسن کی یہ عمارت پیوندِ زمین ہو جائے اچھا ہے! — لیکن خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے کہ اب اس سرمایہ میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس کو محفوظ کرنے کی خواہش دل کے کسی ویران گوشے میں پیدا ہو رہی ہے، کوئی میرے کان میں کہہ رہا ہے، "لیلیٰ! جو کچھ باقی ہے اس کو سنبھال کوئی مدعی آنے والا ہے جو تجھ سے اس دولت کا حساب مانگے گا، جو تو نے لٹائی ہے اس کے لئے جو کچھ بچ سکے بچا رکھ، جب وہ آنے والا تجھ سے کہیگا، میرے لئے تیرے پاس کیا ہے! تو بتا تو اپنے لئے ہوئے گھر سے اس کے لئے کیا نذرانہ لائیگی؟ جب فاتح تیرے شہر کو فتح کرلیگا تو تیرے پاس اس کے لئے کچھ خراج بھی ہوگا یا نہیں -؟ تو مفلس اور نادار بن کر اس کے پاس جائیگی؟ —

اپنے باغ کے لاکھوں پھول میں تقسیم کر چکی! ایک چھوٹی سی کیاری میں چند پھول جو باقی رہ گئے ہیں، اب میں اپنے دل میں یہ خواہش پاتی ہوں کہ وہ کسی طرح

سرسبز رہیں، مرجھا نہ جائیں! ــــــ شاید یہ میرے آنے والے عہدِ پیری کا پہلا اشارہ ہے! اشرفیاں لٹا دینے کے بعد چند بچے ہوئے پیسوں کو گرہ میں مضبوط کی خواہش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب افلاس دروازے پر دستک دیتا ہے، شاید کچھ ایسا ہی حال میرا ہے۔ جب تک دولت وافر تھی میں لٹاتے گئی ــــ لٹائے گئی اب جبکہ میرے میخانے کی سب شراب ناب پینے والے بلانوش پی گئے تو تلچھٹ کے ان چند قطروں کو جو خم میں باقی رہ گئے ہیں، بچا بچا کر رکھنا چاہتی ہوں، یا تو یہ بات ہے ــــ یا ــــ میں کچھ کہہ نہیں سکتی، سمجھ نہیں سکتی، میری زندگی کی سرسبز وادی میں پھولوں کی شاخیں خالی ہو چکی ہیں، میری جوانی بھاگی جاتی ہے، میں کیوں اس کو واپس لانا چاہتی ہوں، میں کیوں اس کے پیچھے دوڑ رہی ہوں؟ اگر یہ عہدِ جوانی کے اختتام کی وہ کیفیت نہیں جو اکثر انسانوں میں پیدا ہوا کرتی ہے تو پھر یہ بات کیا ہے ۔؟ شاید وہی آواز سچ کہتی ہو جو میرے کانوں میں آ رہی ہے؛ اپنی تجارت کے فروغ کے لیئے جو جنس میں نے دکان پر رکھی تھی اب اس کو کسی آنے والے کے سامنے ہدیہ محبت بنا کر پیش کرنا چاہتی ہوں تاکہ جب وہ آئے ــــ ملک محبت کا وہ بادشاہ ــــ تو میں اپنا ہدیہ حقیر، اپنا حسن، اس کی تمام شعریت، اپنی جوانی، اپنی راگنی، اپنا نغمہ، اپنی روح، اپنی ساری پونجی، ایک خوان میں رکھ کر اس کے سامنے پیش کروں اور کہوں :" اے میرے راجہ! یہ مجھ فقیرنی کی نذرِ محبت ہے ــــ اس کو قبول کر تو دیر سے آیا! ــــ جب میرا سارا شہر لٹ چکا! میرے خزانوں میں سے جو کچھ باقی ہے وہ تیرا ہے ــــ اس کے بعد میرے پاس کچھ نہیں"؛ ــــ حیران ہوں کہ الٰہی وہ کون ہوگا؟ کب آئیگا، جس کے سامنے میں اس طرح اپنی نذر پیش کروں گی اور جو اس طرح اس کو قبول بھی کرلے گا، جس کے لیئے میں اپنی خشک کھیتی پر پانی چھڑک

رہی ہوں — کس کے لیے ؟ — کس کے لئے ؟ کوئی مجھے بتائے ؟ —
موت کے گھنٹے سے زندگی کی آواز کیوں نکل رہی ہے ؟

# انچاسواں خط

میرے الفاظ کم ہوا کرتے تھے — مفہوم زیادہ ہوتا تھا۔
تمہارے الفاظ زیادہ ہوتے تھے مفہوم بہت کم ہوتا تھا —
اب میرے الفاظ زیادہ ہونے لگے ، مفہوم بہت اُلجھا ہوا ہوتا
ہے — تمہارے الفاظ مختصر ہونے لگے مگر مطالب زیادہ ہوتے
ہیں !! کچھ تم بدل رہے ہو ، کچھ میں بدل رہی ہوں۔ کیا اسی طرح
کسی دن تم میری جگہ آجاؤگے اور میں تمہاری جگہ ؟ — یا ہم دونوں
کسی وسطی نقطہ پر مل جائیں گے ؟ — پھر کیا ہوگا ؟ جس دن تم نے
قسم کھائی تھی کہ آئندہ میرے ساتھ نفسانی تعلقات نہ رکھوگے
اور محبت کرنا سیکھوگے جس طرح کہ محبت کرنی چاہیے ، اسی دن میں نے
بھی عہد کر لیا تھا کہ اگر تم اپنی قسم پر قائم رہے تو میں بھی چند قدم
تمہاری طرف بڑھنے کی کوشش کروں گی — تم بار بار
سوال کرتے ہو کہ میری رائے میں تمہاری قسم مستحکم ثابت ہوئی یا
نہیں — میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی ! بس اتنا کہہ سکتی ہوں کہ
جب سے تم نے لذات نفسانی کو میرے اپنے تعلقات سے خارج
کیا ، میں تمہاری دوستی میں ایک نیا لطف پاتی ہوں ، ایک نئی
کیفیت محسوس کرتی ہوں۔ وہ گناہ کی بے حجابی میرے اور تمہارے
وجود و روحانی کے درمیان بہت بڑا حجاب تھا۔ جب سے گناہ کا
دور ختم ہوا وہ حجاب بھی کم ہونے لگا۔ اب جو تم ملتے ہو تو میں

تمہارے اندر وہ تعفن نہیں پاتی جو پہلے مجھے تم سے متنفر کرتا تھا۔ طغیانی کی حالت میں دریا کا پانی بہت میلا ہوتا ہے۔ لیکن طغیانی کے بعد اُس کا بہاؤ صاف اور پانی تازہ ہو جاتا ہے۔ اب جو تمھارے نفس کی خواہشوں کا دریا اُترا ہے تو اُس میں کچھ صاف پانی آنے لگا ہے! — کیا یہ کسی عظیم الشان انقلاب کا پیش خیمہ ہے؟ میری زندگی میں، یا تمھاری زندگی میں؟ یا دونوں کی زندگی میں؟ خدا ہی کو علم ہے! میرے تمہارے تعلقات کی ناپاکی کا پاکی سے بدل جانا کیا معنے رکھتا ہے؟ ہمارے گناہوں کے آغوش میں کیسا انقلاب پرورش پا رہا ہے! فرض کرو کہ تم اپنی سطح سے واقعی بلند ہونے لگے تو کیا تم مجھے بھی اپنے ساتھ کھینچ کر دلدل سے نکال سکو گے؟ کیا خبر ہے کیا ہوگا — لیکن میرے لیے یہ خواب خوش آیند ضرور ہے۔ عقاب جب فاختہ کو اپنے پنجوں میں دبا کر بلند ہوتا ہے تو زخمی فاختہ جو اُس کے پنجوں کی گرفت سے خوف زدہ ہوتی ہے، کیا عقاب کے ساتھ بلند ہونے پر خوش بھی ہو سکتی ہے؟ اُس کی وہ بلندی فنا کی بلندی ہے — لیکن میں تو شاید اس پر بھی راضی ہو جاؤں! بقا اگر نصیب نہ ہو تو فنا بھی بُری چیز نہیں! میں تو اس حال میں ہوں کہ نہ بقا میرے لیے ہے نہ فنا میرے لیے ہے! ان دونوں کے درمیان معلق ہوں۔ اگر زندگی نصیب نہ ہو تو موت کیا بُری ہے! اس زندگی میں جس کے اندر نہ میں مرتی ہوں نہ جیتی ہوں کام مرنے کے اور فنا ہونے کے کرتی ہوں اور خواہش جینے کی رکھتی ہوں! — کہیں بہت دور، میرے دل کی گہرائی میں، بقا کی یہ خواہش ایک بجھنے والے چراغ کی طرح ٹمٹما رہی ہے — اور باہر یہ حال

ہے کہ آندھیاں آ رہی ہیں !! وہ "عورت" جاں بلب "عورت" جو میرے اندر رہتی ہے اب بھی کسی شب کی خاموشی میں، کسی دن کی تنہائی میں چپکے چپکے مجھ سے کہا کرتی ہے :- "لیلیٰ! تیری شراب سرکہ بن گئی، تیری شیرینی تلخ ہو گئی، اپنا مینا خالی کر دے۔ اس میں کوئی نئی شراب بھرے ---- اپنی قسمت کا کوئی نیا ستارہ ڈھونڈھ ---- تو عورت ہے ---- تو عورت ہے! تو کھلونا نہیں ہے۔ اپنے دل میں اُس جوہر کو قائم رکھ جو عورت کا حصّہ ہے۔ تو محبت کر سکتی ہے، تجھ سے محبت کی جا سکتی ہے ---- اپنی گود فطرت کے تحائف سے بھرلے۔ اپنے لباس ظاہر کو تار تار کر کے جلا دے اور اپنے باطن کی عریانی کو محبت کی دہلیز پر رکھ دے ---- وہی تیرا مقام ہے، وہی تیرا گھر ہے!! ---- تو عورت ہے، تو عورت ہے، اپنا جوڑا ڈھونڈھ اپنا ٹھکانا پیدا کر ---- جہاں تو مر کر بھی زندہ رہے گی ---- تو لازوال ہے!!" ---- تم یاد آتے ہو، آؤ!!

# پچاسواں خط

تمھیں خط کیا لکھوں، بہت مصروف ہوں ---- آ کر دیکھ لو! اپنی ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختے جوڑ رہی ہوں، پھٹے ہوئے بادبان سی رہی ہوں، پتواروں کی مرمت کر رہی ہوں ---- گویا کوئی بڑا طوفان آنے والا ہے!! کون ایسا ملاح آئے گا جو اس ٹوٹی ہوئی ناؤ کو سنبھالے گا؟ ہوا بند ہے، فضا خاموش ہے، اُٹھتے ہوئے بادلوں کو دیکھ رہی ہوں، چمکتی ہوئی بجلی

پر نظر جمائے ہوئے ہوں، ہوا چلنے والی ہے، سمندر کی موجیں بڑھتی آتی ہیں ـــ کوئی مجھے اور میری کشتی کو اُن موجوں کی طرف ڈھکیل رہا ہے، کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے : ــ" اپنی کشتی میں بیٹھ جا ! رسیاں کاٹ دے ! تیری کشتی کا ملاح آگیا !" میں پوچھتی ہوں" کہاں آگیا، کدھر آگیا ؟ کیا وہ طوفانی ہوا کے دامن میں لپٹ کر آئے گا ؟ کیا وہ بادلوں کے کاندھوں پر سوار ہو کر آئے گا ؟ کیا وہ موجوں کے آغوش میں لپٹا ہوا آئے گا ؟ ـــ وہ کیسے آئے گا، وہ کہاں سے آئے گا !" ـــ مگر کوئی کہے جاتا ہے : " وہ آگیا۔ وہ آگیا " میری نہیں سُنتا اور کہے جاتا ہے !!

# اکاونواں خط

تم نے مجھے پھر ڈھونڈھ لیا ! میں مر جاؤں گی میں فنا ہو جاؤں گی مجھ میں سکت نہیں کہ تمہارے سامنے آؤں ! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، مجھے چھوڑ دو، بخش دو ! رنگین تتلی کو باغوں میں اڑنے دو، ہاتھ لگاؤ گے تو اُس کے پروں کا رنگ اُڑ جائے گا ـــ کوئی نہیں سُنتا ــ کوئی بڑھا آرہا ہے !! ـــ

میری آنکھوں میں نیند نہیں، سورج کے طلوع ہونے کا انتظار ہے ! میری کشتی تیار ہے، سمندر کی موجوں کا آغوش کھلا ہوا ہے، ـــ میرا ملاح آگیا !! ـــ

میرے خون سے تیری کھیتی سینچی جائے گی، میں تجھے سنوارنے کے لیے بگڑوں گی، میری گندگی تیرے پاؤں دھو کر پاک کرے گی، زمین کھودی جاتی ہے، ملبہ اور کیچڑ کے ڈھیر لگائے جاتے ہیں

لکڑیاں کاٹی جاتی ہیں، پتھر توڑے جاتے ہیں، اینٹیں پیسی جاتی ہیں، اُس تمام تخریب کے بعد مسجد تعمیر ہوتی ہے۔ اُس خرابی کے اندر سے محراب و منبر پیدا ہوتے ہیں — میری مسجد تیار ہے، میں اُسکے اندر کیونکر قدم رکھوں، میں ناپاک ہوں! —

رات بھر کے طوفان کے بعد صبح ہو رہی ہے، خزاں کے بعد درخت برہنہ ہو گئے تھے، بہار اُن کے لیے ایک نیا لباس لے کر آرہی ہے، اُس لباس کے ساتھ زندگی کی نئی مسرتیں ہیں —

کیا میری خزاں کو بھی بہار کا پیام آیا ہے؟ میرے ویرانہ کی شکستہ دیواریں بھی کیا پھر تعمیر ہوں گی؟ میری ظلمت میں یہ شعلے کیوں بلند ہو رہے ہیں؟ کون ہے جو میرے دل میں بادشاہ بن کر بیٹھ گیا ہے۔ کون ہے؟ تم ہو؟ — تم نے کہا تھا: "تو مجھ سے بھاگتی ہے میں چھپ کر تیرے دل میں جگہ ڈھونڈھ لوں گا، تو مجھ سے محبت نہیں کر سکتی، میں تجھے محبت کرنا سکھا دوں گا!" تم نے جو کہا تھا وہ کیا!! میں کہا کرتی تھی: "میرا مرد پیدا نہیں ہوا۔ میرا جوڑا دنیا ہی میں نہیں آیا" — آج میرا مرد آگیا، آج میرا جوڑا آگیا، میں اُس کی ہوں، میں اُس کیلئے ہوں، میری زندگی اُس کی ہے میرا عیش اُس کا ہے — وہ آگیا جس کے وجود سے میری زبان انکار کرتی تھی اور جس کو میری روح پکارتی تھی — تم آگئے! —

# باونواں خط

دنیا کے ظاہر پرستوں نے میرے خطوط پر تبصرہ شروع کر دیا —

ان اوراق میں جو کچھ لکھا گیا اسکو زندگی کی ایک داستان سمجھا جا رہا ہے. کم نظری، اور وہ بھی مرد کی — بہت مضحکہ انگیز ہے!

میری زندگی کی داستان کا ایک نقطہ بھی ان اوراق میں موجود نہیں! زندگی تھی کہاں جو داستان بنتی! میں سوتے سوتے ابھی تو جاگی ہوں!! وہ "عورت" جو میرے اندر ۲۵ برس تک سوتی رہی اب آنکھیں مل کر پہلی انگڑائی لے رہی ہے ————

ان احمقوں نے اس پہلی انگڑائی کو ساری داستان سمجھ لیا!! آغاز کو انتہا سمجھ رہے ہیں — اول کو آخر کہتے ہیں! تبصرہ اور تنقید کے دریا بہ گئے —— اس لہو کے ایک ہی قطرہ پر!!

غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے لکھتی ہوں کہ یہ جو کچھ ہے میری داستان کا دیباچہ ہے۔ ایک مختصر روئداد خواب کے بعد اب بیان بیداری شروع ہوتا ہے ———— میں اب بیدار ہوئی ہوں —— محبت کے آغوش میں! زندہ رہی تو "عورت" کی زندگی کا کچھ حال بیان کرونگی —— پڑھنے والے "مرد" گھبرا گھبرا کر میرے آغاز کو انجام نہ سمجھیں!!

چند روز اس نئی دنیا میں مجھے دم لینے دو جس کے دروازے میرے لیے کھلتے جاتے ہیں — اس ویرانہ کو آباد ہونے دو — مجرموں سے میرے انتقام کا وقت وہ آئیگا جب میں بیوی اور ماں بنکر بغاوت کا علم بلند کرونگی، ابھی تو میں ایک بازاری عورت ہوں — ذلیل، حقیر، اگردن زدنی!! جس شریعت کے پردہ میں مرد عورت پر جابرانہ حکومت کرتا ہے، اسی شریعت کا نام لیکر میں اسکے سارے پردے فاش کرونگی۔ یہ جانتی ہوں کہ وہ مکار یہ ضرور کہیگا کہ "لیلی! —— وہی لیلی! —— جو کل شام تک حسن فروش تھی —— ہم ہی سے اپنی روزی

حاصل کرتی تھی، اب ہم پر لعن طعن کرنے کے لئے عصمت و عفت کی دیوی بنی ہے!،" تم منھ چڑا چڑا کر لعن طعن کروگے اور میں ہنس ہنس کر تمھاری سیاہ کاریوں کے متعلق تم ہی سے محاسبہ کرونگی ——————

ان اوراق پر "تمت - تمام شد" میں نے نہیں لکھا ہے —— بلکہ ان خطوط کے اختتام کو ایک نئے باب کا عنوان بناتی ہوں!!

عصمت فروش بازاری عورت کی دو باتیں سنکر تم اسقدر خفا ہوگئے، مگر جب ایک خانہ نشین، پاک نہاد بیوی کی دو چار باتیں سنوگے تو کیا کہوگے۔ حق کی آواز محض تحقیر اور تذلیل سے روکی نہیں جاسکتی۔ یہ اوچھوں کے ہتھیار ہیں جنکی دھار ہمیشہ کند ہوتی ہے!!

ہاں ایک دوسرے جنم میں میرا انتظار کرو!۔

"لیلی"

از

قاضی عبدالغفار صاحب مصنف "لیلیٰ کے خطوط"

محمد یعسوب حسن

مالک و مہتمم "دارالادب پنجاب" بارود خانہ سٹریٹ۔ لاہور

نے

بعد اخذ حقوق دائمی باہتمام حافظ محمد عالم پرنٹر عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا!

روزنامچہ
یا
مجنوں کی ڈائری
ادارہ ادب پنجاب لاہور

# ماضی

متاعِ رفتہ ہے ——— اس کا غم کیا؟

# حال

رفتنی اور گذشتنی ہے ——— اس کا فکر کیا؟

# استقبال

کا تخیل زندگی ہے! اسی سے یہ ادراق نسبت قریب رکھتے ہیں

# شرح کلام

جس زمانہ میں "لیلیٰ" کے خطوط شائع ہو رہے تھے اور پڑھنے والے دلچسپی کے ساتھ ان کو پڑھ رہے تھے، میرے اکثر احباب نے مجھے اس امر پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھا کہ "لیلے" کا طرزِ بیان بہت بے حجاب ہے اور اعتدال کی حد سے گزرا ہوا۔ بعض نے تو یہ بھی کہا کہ "لیلے" کی یہ حرکت کہ وہ مذہب اور انسانیت کے بہترین مسلمات کے ساتھ کھیلتی ہے اور شوخیاں کرتی ہے قطعاً ناروا ہے۔ میں نے اس وقت ان احباب سے جو کچھ عرض کیا تھا وہی اب عرض کرتا ہوں یعنی ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

"لیلیٰ کے خطوط" میں جو داستان میں بیان کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے موزوں طرزِ بیان وہی تھا۔ جو لیلیٰ نے اختیار کیا۔ عورت کی مظلومیت کا افسانہ ہندوستان کے ماحول میں کسی شریف گھر کی بیٹی یا بہو کی زبان سے بیان ہونا ممکن نہ تھا۔ لامحالہ ایک بازاری عورت کے قلم سے وہ عبرت انگیز حقائق بیان کرانے پڑے جن کو ذرا کم بے حجاب اور زیادہ سنجیدہ طرزِ بیان بے اثر اور بے معنی کر دیتا۔ جو

نوک خار میں چاہتا تھا کہ ان موٹی کھالوں میں چبھے جن پر معمولی چٹکیوں کا
کبھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ نوک خار سنجیدگی اور اعتدال کی حدود میں اکثر
بے اثر رہتی ہے۔ درحقیقت میں مجبور تھا کہ لیلیٰ کے قلم کی نوک سے ان موٹی
اور سخت کھالوں میں سوراخ کراؤں! اپنے مقصد میں کس حد تک مجھے
کامیابی ہوئی اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکیں گے جنھوں نے "لیلیٰ کے خطوط"
کو محض اس کی ادبی چاشنی کی خاطر نہیں بلکہ اس مقصد اعلیٰ کو پیش نظر رکھ کر
پڑھا ہے جو لیلیٰ کے قلم کی روانی میں میری ساری داستان گوئی کی روح رہا
ہے۔ وہ ایک عورت کے خونچکاں کفن کے چند دھبے تھے جن کا عکس
ان خطوط میں پیش کیا گیا۔

---

یہ روزنامچہ بھی اسی قسم کی ایک کوشش اور ایک قلمی تصویر ہے جس
میں عہد جدید کے ایک ہندوستانی نوجوان کی معنوی کیفیات کو بے نقاب
کرنے کے چند پہلو پیدا کئے گئے ہیں۔ محض ادبی نقاشی نہ "لیلیٰ کے خطوط" کا
مقصد تھا نہ "روزنامچہ" کا ہے۔ پس جو لوگ سطحی طور پر ان اوراق کی ادبی خوبیوں
کی داد دیں اور ان نقوش کی معنوی اہمیت پر نظر نہ کریں، ان کی طرف سے
مجھے داد ملی بھی تو کیا۔ ــــــ میرے نزدیک وہ "تحسین ناشناس" ہے۔
اگر میرے ادعا کو خود بینی پر محمول نہ کیا جائے تو اتنا ضرور عرض کروں کہ
"روزنامچہ" کا ایک حرف بھی محض زور قلم کا مظاہرہ کرنے کے لئے نہیں لکھا گیا،
میرا یہ "روزنامچہ نگار" ایک تعلیم یافتہ اور دولتمند نوجوان ہے، بے فکرا

کھلنڈرا۔ وہ ہر حال میں ــــ روتے ہوئے، ہنستے ہوئے، بگڑتے ہوئے
جھنجھلاتے ہوئے، غصہ میں، مرتے ہوئے، عشق میں، عیاشی میں، مے نوشی
میں، یاروں کی صحبت میں، بمبئی کے کٹم خانوں میں، تنہائی کی راتوں
میں، وصل کی شب میں۔ اختر سے گفتگو یا مولانا یا میر صاحب سے چھیڑ چھاڑ کرتے
ہوئے ــــ ہر حال میں جو کچھ لکھتا ہے، جو نقش کاغذ پر بناتا ہے
وہ ہر نقش اس کی معنوی کیفیت کا حامل ہے ــــ تلاطم کیفیات،
جنھوں نے اس کی زندگی کا لنگر توڑ دیا ہے! مختصر یہ کہ ان اوراق کی چادر میں
چند مقاصد اور حقائق لپٹے ہوئے ہیں۔

ایک ایسے انسان کی زندگی کی معنوی حقیقت بیان کرنے کے لئے جس
نے مذہب، اخلاق اور جذبات کی تمام حدود کو توڑ ڈالا ہو۔ طرز بیان بھی اُن
حدود کے اندر محدود نہیں رہ سکتا۔ بعض اوقات کلام کی سنجیدگی مطالب
کا خون کر دیتی ہے۔ اور اکثر مشاہدۂ حق کے لئے بادہ و ساغر کی ہیجا بیاں
ناگزیر ہوتی ہیں:

---

اس تمہید کے بعد چند الفاظ میں عرض کر دوں کہ میرا موضوع ہے کیا؟
دورِ جدید کے وہ نوجوان جو تعلیمیافتہ کہے جاتے ہیں اور جو زندگی کی کشمکش سے
فارغ رہ کر اپنے جذبات اور محسوسات کی زنجیریں کھول دیتے ہیں۔ ہمہ تن
ایک جہل مرکب بن جاتے ہیں اور زندگی کے مسلمات سے بے نیاز اور بے خبر
ہو کر اپنے لئے جہل مطلق کی ایک نئی دنیا بنا لیتے ہیں۔ اس بے علمی کے ساتھ

ساتھ جس کا نام ہمارے ملک میں "تعلیم" رکھا گیا ہے۔ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اپنے مرکز ثقل سے ہٹتی جاتی ہے۔ اس کا توازن فنا اور اس کی زندگی میں ایک خوفناک انتشار پیدا ہو رہا ہے۔ صحیح تربیت کے بغیر ایک ایسی، تعلیم جو مشرق و مغرب کے بہت سے علوم کا ایک نامکمل اور غیر مرتب مرکب ہو، یا تو ایسے جانور پیدا کرتی ہے جو کسی نہ کسی طرح دو وقت کی روٹی کماتے ہیں اور مر جاتے ہیں یا ایسے نوجوان پیدا کرتی ہے جو عقل اور مذہب دونوں سے برگشتہ ہو کر زندگی کا مقصد صرف اتنا جانتے ہیں کہ ادنیٰ جذبات کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیں اور جوانی کے گرم خون کو اور بھی زیادہ گرم ہو کر دوڑنے دیں۔ وہ مذہب کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ داعیان مذہب ان کے حال پر نظر ہی نہیں کرتے نہ ایسا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ان "حاملان شریعت حقہ" کو اس حقیقت کا کچھ علم نہیں کہ مسلمانوں کی اس نسل میں جو تیرہ سو، (۱۳۰۰) برس پہلے پیدا ہوئی تھی اور اس نسل میں جو اب پیدا ہو رہی ہے اور دنیا کے انقلابات کی گود میں پرورش پا رہی ہے، کس قدر فرق اور بعد ہے۔ وہ کہتے ہیں ــــــ ہمارا یہ مذہبی پیشوا ــــــ کہ جب کتاب میں لکھنے والا یوں لکھ گیا تو پھر یوں ہی صحیح ہے۔ اگر وہ کتاب چھ سو برس پہلے لکھی گئی یا نو سو برس پہلے تاہم اس کا "حکم" زمانہ کے فصل و بعد پر یکساں حاوی ہے اور حاوی رہے گا! اجتہادات کا دروازہ بند ہے! ایک مسجد کے ٹوٹے ہوئے لوٹے کے متعلق بھی اجتہاد نہیں کیا جا سکتا! دنیا کچھ سے کچھ ہو جائے۔ عقل اور سائنس کی طاقتیں انسانوں کو مشین بنا دیں اور زندگی کا نقشہ بدل ڈالیں، لیکن جو

لکھا ہے وہی لکھا رہے گا! نوجوانوں کے سامنے زندگی کے نئے نئے حقائق مغرب کی تعلیم پیش کرتی ہے۔ وہ ان حقائق کو قبول کرنے میں کہیں ان کے اور اپنے قدیم عقاید کے درمیان توازن قائم نہیں کر سکتے اور بالآخر بھٹک جاتے ہیں۔ اہل مذہب کی خود فریبیاں اور خود مختاریاں ان کو مذہب سے بآسانی منحرف کر دیتی ہیں اور پھر ان کی کشتی ایک ایسے متلاطم سمندر کی ہواؤں اور موجوں کے حوالہ ہوتی ہے جس کی سطح پر بڑے بادبان روئی کے گالوں کی طرح اڑتے رہتے ہیں، دوسری طرف مغربی تعلیم جو ان نوجوانوں کو ملتی ہے اس کا یہ حال ہے کہ وہ بی۔ اے یا ایم۔ اے اور ڈاکٹر اور علامہ تو پیدا کر دیتی ہے، مگر انسان پیدا نہیں کر سکتی۔ سب کچھ اس تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، سوائے علم کے، چند صفحے تاریخ کے ——— وہ بھی اپنی نہیں ——— چند صفحے جغرافیہ کے، چند قاعدے ریاضی کے، چند مبادی سائنس کے، دو ایک کتابیں انگریزی ادب کی۔ ایک دو رسالے اردو، فارسی یا ہندی کے ——— یہ نسخہ ہے "کوفتہ، بیختہ، آمیختہ بقند" اس نسخہ کی دوائیں معدہ سے حلق تک بھری جاتی ہیں۔ پھر ان نوجوانوں کو ایک سیاہ چغہ کاندھوں پر ڈالنے کے لئے، ایک سپاٹ مثلث سر پر رکھنے کے لئے عطا کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے زندگی کی کشاکش کا مقابلہ کرنے کے لئے نئے سپاہی تیار ہوتے ہیں۔ قصور کس کا ہے؟ کسی کا ہو! مگر ان غریب نوجوانوں کا تو یقیناً نہیں ہے جن کو کالجوں میں اس طرح پیسا، گھولا، اور چھانا جاتا ہے۔ کہ جب وہ کالجوں اور اسکولوں سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو ان کو آنکھوں سے نظر نہیں آتا، دماغ معطل ہوتے ہیں اور کمر ٹیڑھی! پھر وہ دونوں طرف

سے ٹھوکریں کھاتے ہیں، مذہب والے ان کو مردود و ملعون کہہ کر دھتکارتے ہیں اور دنیا والے ان کو دو وقت کی روٹی کمانے نہیں دیتے ہیں۔ ہر طرف سے تنگ آکر وہ یا تو مذہب والوں کی خامیوں کو مذہب سے منسوب کر دیتے ہیں اور دہریہ اور منکر ہو جاتے ہیں، یا تعلیم دینے والوں کے تمام عیوب کو علم سے منسوب کر کے معاشیات و اقتصادیات کے موجودہ نظام سے بغاوت کرتے ہیں اور سوشلزم کے جھنڈے کے نیچے زندگی کا ایک نیا نقشہ بنانے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں، مذہب اور دنیا کی مسلمہ اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہو کر وہ بے تکلف اپنے تمام اضطراری جذبات کی کارفرمائی کو زندگی کا مقصود قرار دے لیتے ہیں، اور یوں اس انتہا یا اُس انتہا پر اپنی زندگی کو ختم کرتے ہیں۔

ان اوراق میں جو نقوش پیش کئے جا رہے ہیں وہ ایسے ہی نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کی معنوی زندگی کا عکس ہیں۔ ایک خاص نکتہ جو توجہ کے قابل ہے شخصی اجتہاد کا وہ غلبہ ہے جو روزنامچہ نگار کے ہر قول و فعل سے ظاہر ہوتا ہے وہ دوسروں کے بنائے ہوئے اصولوں اور معیار کا پابند ہونا گوارا نہیں کرتا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں، سیاست ہو یا اخلاق، یا مذہب، وہ اپنے لئے اپنے ہی معیار پر ہر چیز کو جانچتا ہے۔ اور کچھ پروا نہیں کرتا کہ دنیا کیا کہے گی، یہ اس کا بے خوف آزاد اور غیر متوازن اجتہاد اس کو ہر سمت میں دوڑاتا ہے اور کسی سمت میں قرار نہیں لینے دیتا۔ وہ اپنے نفس کو ہر پابندی سے آزاد اور اپنی ہر خواہش کو بے لگام رکھنا چاہتا ہے، وہ دنیا سے ہر بہتر چیز اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے، دنیا کچھ نہیں چاہتا، کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ بغیر کوشش کے، اڑنا چاہتا ہے بغیر پر دن کے

اور جب بہت سے امکانات غیر ممکن ثابت ہوتے ہیں تو جھلاتا ہے، بگڑتا ہے اور
کڑال لیکر کبھی مذہب کے محراب و منبر پر حملہ کرتا ہے کبھی تمدن کے میناروں پر یورش،
یہ اس کا حال ہے، یہ اس کی معنوی زندگی ہے۔ یہ کشاکش ہے جس میں وہ مبتلا ہے
اپنی مجبوریوں کو محسوس کرکے وہ موت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتا ہے اور خودکشی کا ایک
نیا فلسفہ پیش کرکے موت کے مقابلہ میں اپنی آزادی و خود مختاری ثابت کرنے کی
کوشش کرتا ہے ـــــ اس طرح زندگی کی قدامت کے خلاف وہ اعلان جنگ
اور اعلان بغاوت کرتا پھرتا ہے۔ کم نظر اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر وہ
صرف اس کا ظاہر دیکھتے ہیں اس کے باطن کو نہیں دیکھتے، ان طوفانوں کو نہیں دیکھتے
جو اس کے اندر برپا رہتے ہیں!

اگر آپ ان اوراق کو پڑھتے وقت بین السطور بھی دیکھتے جائیں گے تو آپ
بہ آسانی معلوم کر سکینگے کہ باوجود اس بغاوت کے جس کا علَم یہ باغی بلند کئے
ہوئے ہے کبھی کبھی جوہر اصلی کی ایک جھلک اس کی زندگی میں نظر آتی ہے جس
طرح شب کی تاریکی میں اور جنگل کے کسی تاریک کونے میں ایک کرمک شب تاب
کی چمک! مثلاً عورت کے متعلق وہ شدت کے ساتھ اپنی خود غرضانہ نفس پرستی
کا اعلان کرتا ہے۔ لیکن اپنی تمام عیاشی اور عیش پرستی میں جب کبھی محبت
کی ایک لرزش اس کے اندر پیدا ہوتی ہے تو وہ دنیا کا باغی ایک جھٹکا محسوس
کرتا ہے اور اپنے میدان جنگ میں بڑھتے بڑھتے یکایک رک جاتا ہے نفس کی
اس خود مختاری کے اس زرہ بکتر کے نیچے ایک کمزور نقطہ موجود ہے۔ جوہر اصلی کی
ایک چنگاری باقی ہے جو دل کے کسی تاریک گوشے میں دبی پڑی ہے۔ لیکن "مذہب"

کے ٹھیکیدار ایک طرف اور عقل کے علمبردار دوسری طرف ——— دونوں میں سے کوئی اس چنگاری کے وجود کی پروا نہیں کرتے بلکہ محض سطح کو دیکھ کر فیصلے اور فتوے صادر فرماتے ہیں۔ طبیب بخار کا علاج کرتا ہے اور دن میں چار چار دفعہ نسخے بدلتا ہے مگر جن اسباب کا بخار ایک ظاہری نتیجہ ہے۔ ان کی جستجو نہ کرتا ہے نہ ایسا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ پھر جب مریض کو کسی طرح شفا نہیں ہوتی تو بہت حیران ہوتا ہے کہ یہ بات کیا ہے اپنی بدعقلی کا اسے خیال بھی نہیں آتا، الزام رکھتا ہے مریض پر !!

---

مجھے کچھ زیادہ امید نہیں کہ میرے یہ اشارے سونے والوں کے حلق میں گھس کر ان کے خراٹوں کو بند کر سکینگے، لیکن اگر سننے والوں کے کان پٹ ہوں تو اس کے کبھی یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ بولنے والوں اور کہنے والوں کی زبان بھی گنگ ہو جائے، ابھی تو اس گفتگو کا آغاز ہے۔ "لیلیٰ کے خطوط" اور "روزنامچہ" کی داستان ابھی باقی ہے جو اس سلسلہ کے آئندہ اقساط میں پیش کی جائیگی ؛

حیدرآباد دکن      عبدالغفار

۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۳۴ء

قاضی عبدالغفار صاحب ہندوستان کے ان معدودے چند انشا پرداز بزرگوں میں سے ہیں، جن پر ہندوستان اور اُردو ادب بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ آج تک آپ کی جتنی تصانیف شائع ہو کر بازار میں آچکی ہیں وہ سب ایسی تھیں کہ قاضی صاحب نے ہنگامی تاثرات سے متاثر ہو کر یا کسی وقتی جذبات کے ماتحت تصنیف فرمائیں لیکن "لیلیٰ کے خطوط" روزنامچہ یا دیگر کتابیں جو آج قاضی صاحب تحریر فرما رہے ہیں وہ ایک مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ اور موصوف خاص اس جذبے سے مجبور ہو کر لکھ رہے ہیں جو ان کے حساس دل کی گہرائیوں میں ایک مدت سے پنہاں تھا اور جو آج ایک زبردست کھولاؤ اور جوش کے ساتھ نمایاں ہو رہا ہے۔ میری کس قدر خوش قسمتی ہے، کہ اتنا مخلص، ایثار پیشہ اور

بیتش انشا پرداز میری خفیر خدمات کو شرف قبولیت بخش رہا ہے اور آپ نے ازراہ شفقت میرے ساتھ وعدہ فرما لیا ہے کہ وہ اپنی تمام تصانیف میرے ذریعہ سے شایع فرمائینگے - میرے پاس ان کی سپاس گزاری کے لئے الفاظ نہیں ہیں - صرف ایک چیز ہے خدمت گزاری ؏

# گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

محمد یعقوب حسن
مالک و مہتمم دار الادب پنجاب بارود خانہ سٹریٹ
لاہور

## ۱۸ فروری ۱۹۲۹ء

صبح ۵ بجے سویا، دو بجے سہ پہر کو جاگا، رات بھر ناچ دیکھتا رہا تھا۔ اور تھوڑی تھوڑی پیتا بھی رہا تھا۔ یاروں کی محفل میں اگر نہ پیجیے تو عیش گونگا بہرا لنگڑا، اپاہج ہو جاتا ہے! ............

یہ کون تھیں جو رات میرے قریب بیٹھی ہوئی تھیں؟ سنتا ہوں کہ کوئی نئی آئی ہیں خاصی دلفریب ہیں۔ عمر تو بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ ابھی چھوکری پن چہرہ پہ برس رہا ہے اور شرمائی کس قدر ہیں! گھنٹوں میں نے سر پٹکا مگر اللہ کی بندی نے کھل کر بات ہی نہ کی! اجی شرم ورم تو کیا۔ میں تو سمجھتا ہوں بہت چالاک اور پرفن ہوں گی۔ یہ انداز شرم بھی گویا ایک ہنر تھا! وہ سگریٹ جو ہاتھ سے گرایا وہ بھی ایک ترکیب تھی کہ میں اس کو اٹھا کر پیش کروں اور ان کی طرف توجہ کروں! اللہ بچائے عورت کے چلتروں سے۔ کیسی شکر چڑھی ہوئی گولیاں ہیں اندر سے کڑوی۔ باہر سے میٹھی! پلکوں کے پیچھے —— نرم بالوں کے اندر چھپے ہوئے خوب دیکھ لیا۔ ان سب کو! سندر بائی نے کیسا کیسا ٹھگا۔ ناک چنے چبوا دیئے۔! بی مشتری نے کیا کیا جھکائے دیئے۔ دو برس تک کیسے کڑوے گھونٹ پلائے روپیہ بھی دو۔ خوشامدیں بھی کرو۔ گالیاں بھی سنو۔ جوتیاں بھی کھاؤ۔ دنیا بھر اپنی ناک بھی کٹاؤ۔ روتے روتے مر جاؤ۔ مگر پتھر پہ جونک نہیں لگتی! خدا ہی بچائے ان جادو گرنیوں سے! اب ذرا ان بی لیلیٰ کے رنگ بھی دیکھنے ہیں۔ بات ہی نہیں

کرنیں بیٹھی ہیں میرے پاس، مگر بولتی نہیں بچاری! جلتا ہوا سگریٹ ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا ——— گویا اتفاقیہ ایسا ہوا! جی ہاں! خوب سمجھتا ہوں ایسی نہتی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں، جان کر گرایا تا کہ میں اس کو اٹھا کر ان کی طرف متوجہ ہو جاؤں! کیا میں ان ترکیبوں کو جانتا نہیں۔ کمان زید کی طرف کھینچیں اور تیر لگے بکر کے سینہ پر! ——— ان کو بھی دیکھنا ہے؟ ابھی ذرا نو گرفتار ہیں! ——— میر صاحب تو کہتے تھے کہ ان کو اس شہر میں آئے آٹھ ہی دن ہوئے ہیں۔ مگر اپنے فن کے سب امتحان پاس کر کے آئی ہونگی۔ ان قبروں کے مردوں کا صحیح حال تو صرف دوزخ کے فرشتوں کو ہی معلوم رہتا ہے، خیر۔ حال جو کچھ بھی ہو، چیز بری نہیں! ——— میں نے دیکھا رات دس پانچ اور بھی اسی طرف نشانہ باندھے ہوئے تھے ——— بڑا ہی حریص ہوتا ہے۔ جسے مرد کہتے ہیں! عورت کے معاملہ میں کبھی بس نہیں کہہ سکتا۔ جو مل جائے۔ جہاں مل جائے! کچھ نہیں تو آنکھیں ہی سینک لے گا۔ اور ہے بھی یہ کہ دنیا میں آخر عورت کے وجود کی اس کے سوا اور غرض ہی کیا ہے۔ "طلب" مرد کی ہے۔ اور وہ "مطلوب" ہیں، باغوں کے پھول بھی تو اسی لئے دامن میں بھرے جاتے ہیں کہ وہ حسین ہیں اور معطر، ان کی نوع یکسر "مطلوب" ہے۔ فطرت کے تقاضوں کو نہ قانون باندھ سکتا ہے نہ مذہب! وہ تو ہمیشہ آزاد ہی رہے اور آزاد ہی رہینگے۔ ———

مرد مرد ہی رہیگا اور عورت عورت ہی ———

## ۲۵ فروری ۱۹۲۹ء

میر صاحب کو "لیلیٰ" کے گھر بھیجا تھا۔ میں نے کہا ذرا خبر تو لائیں کہ رنگ

کیا ہیں کتنے کتنے پانی میں ہیں، منزل دور ہے یا قریب! کتنا دوڑائیں گی، اور تھکائیں گی ـــــ مگر میر صاحب تو یہ خبر لائے کہ وہ سیدھے مُنہ بات ہی نہیں کرتیں اور جو بات کرتی ہیں تو سو من کی۔ اُٹھائے نہ اٹھے۔ پڑھی لکھی بھی معلوم ہوتی ہیں۔ میر صاحب گئے تو مطالعہ میں مشغول تھیں۔ یہ اپنا سا مُنہ لئے بیٹھے رہے اور وہ مطالعہ میں مشغول رہیں۔ جب میر صاحب نے میرا ذکر چھیڑا اور محفل کی ملاقات اور سیگریٹ والا واقعہ یاد دلایا تو کہنے لگیں ـــــ "جی ہاں! کوئی صاحب بیٹھے تو تھے۔ میں تو یہاں اجنبی اور نووارد ہوں اور اس کے علاوہ ملنے جلنے کا کچھ شوق بھی نہیں۔ وہ میرے غریب خانے پر تشریف لانا چاہیں تو تشریف لے آئیں۔"

اوہ! یہ دماغ! یہ مزاج! میں نے تو میر صاحب سے کہا تم نرے گدھے ہو، عورت سے ڈر گئے، یہ سنجیدگی تو ایک ادا ہے، ارے میاں صاف صاف مطلب بیان کیا ہوتا۔ معاملے کر کے آئے ہوتے۔ کوئی ایسی راجہ کی بیٹی تو ہیں نہیں ہیں تو وہی آخر جو ہیں۔ میر صاحب کہنے لگے! صاحب! مجھے تو پسینہ آ گیا۔ وہ بیگم بنی بیٹھی تھیں، میں نے جو ہمت کر کے کہا کہ آپ کے حُسن کا بہت چرچا ہے، تو کیا بتاؤں کیا مُنہ بنا کر ـــــ جیسے کوئی بازاری لونڈے سے بات کر رہا ہو ـــــ

اس نے کہا۔ حُسن کو آپ کیا جانیں؟ اندھوں کے سامنے چراغ! آپ لوگ تو اپنی ہوس کو جانتے ہیں، دوسروں کے حسن سے واقف نہیں! آپ حسن کو کھال کے اوپر دیکھتے ہیں اور وہ ہوتا ہے کھال کے نیچے۔ کچھ اور عقل و تمیز کی باتیں کیجئے ـــــ" میر صاحب کہنے لگے میں تو یہ لکچر سن کر ٹھنڈا ہو گیا، کہنا کیا؟ ـــــ خیر، میں نے کہا، یہ رنگ بھی دیکھنا ہے۔ ایک

دن آئیں تو بازر بر سر فولاد، سب فلسفہ رکھا رہ جاتا ہے۔ ــــــــــ

## ۱۲ ر مارچ ۲۹ ء

کیا کیا رسہ کشی ہوئی ہے۔ بارے کل شام تشریف لائیں۔ کچھ بھی کہو۔ عورت تو ذہین اور دلچسپ ہے۔ ایسی سلجھی ہوئی باتیں کرتی ہے کہ میں تو حیران رہ گیا پھر اس کا حسن اور اس کی نو عمری! میں نے تو بیتاب ہو کر یہاں تک کہدیا کہ روز شام کو تشریف لایا کیجئے۔ مگر کیا صاف جواب دیا ہے ظالم نے! کہنے لگی "جی ہاں اگر روز آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہو جایا کروں تو میری جان کھانے والے دس پانچ اور جو ہیں وہ کہاں جا کر سر پھوڑیں؟ میں جائداد مشترکہ ہوں سرائے کی بھٹیاری ہوں، جو مسافر آئے اس کا بستر بچھاتی ہوں، کھانا پکاتی ہوں میں اپنی سرائے چھوڑ کر کہیں باہر جا بیٹھوں تو میرے مسافر کیا کریں! آپ اگر میرے حال پر مہربان ہیں تو کبھی کبھی ضرور حاضر ہوا کرونگی۔" ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہے مگر اس کی ہنسی میں ایک اور جھلک ہے ـــ جیسے درد کی، جیسے بیمار ہنستا ہے خدا جانے سب کون یہ عورت؟ اس قبیلہ سے تو یقیناً نہیں ہے۔ میں نے کچھ دریافت کرنا چاہا تو صاف اُڑ گئی۔ ــــــــــ

## ۱۴ ر مارچ ۲۹ ء

بہت بلایا، نہیں آئیں، کہدیا کہ فرصت نہیں ہے۔ میں نے دو تین خط لکھے۔ جواب ملا "خط لکھنے کی فرصت ہوتی تو خود ہی نہ حاضر ہو جاتی"۔

عجیب عجیب حرکتیں کرتی ہے، یار لوگوں نے تو مجھے طعنے دینے شروع کر دیئے

ہیں "پھسل پڑے۔ ریشہ خطمی ہونے لگے پھنسا چاہتے ہو۔" یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو پسند کرے تو اس کے معنی عشق و الفت کیوں سمجھے جائیں۔ عشق تو ایک بازاری اصطلاح ہے۔ لغو اور بے معنی عیش کا دوسرا اصطلاحی نام درحقیقت عشق ہے۔ واللہ! شاعروں کا عشق تو ایک عذاب ہے۔ لاحول ولا اصل چیز عورت ہے۔ اور مرد کی عورت طالب فطرت، میرا کوئی دوست کبھی میرے سامنے آکر کہتا ہے کہ "میں فلاں عورت پر مرتا ہوں" تو میں صاف کہہ دیا کرتا ہوں کہ دماغ کا علاج کیجئے۔ شے لطیف کی کمی معلوم ہوتی ہے۔ یا خودکشی کر لیجئے میرے کان کھانے کیوں آگئے۔ میاں اختر ایک دفعہ کسی چھوکری پر عاشق ہو کر ہائے ہائے کرتے میرے گھر آئے۔ لگے ہچکیوں سے رونے۔ میں نے کہا کچھ باؤلا ہوگیا ہے، الو کہیں کا۔ اگر عشق بازی ہی کرنا چاہتا ہے تو جو عورت آسانی سے حاصل ہو سکے۔ اس سے کرے عشق بازی! دس پانچ مہینے۔ اگر شریفوں کی سی عشق بازی کرنا ہے اور جو عورت نہ مل سکتی ہو اس کے لئے ریں ریں کرنے سے کیا حاصل —— چل بھاگ یہاں سے —— تیرا معدہ خراب ہے یا گرما گئی ہے اختر میاں اس دن مجھ سے بہت خفا ہو گئے اور جب تک مبتلائے عشق رہے خفا ہی رہے۔ جب وہ بھوت سر سے اترا تو پھر ایک دن آئے شرمائی ہوئی ہنسی ہنستے ہوئے۔ ارے بھائی معاف کرو۔ لاحول ولا کس خبط میں مبتلا ہو گیا تھا میں لعنت بکار شیطان! اس چھوکری نے تو ناک چنے چبوا دیئے۔ خیر جھگڑا کٹا —— اب تو سنتا ہوں اس کی شادی ہونے والی ہے۔ پہلے تو میرے ہی پاس پیام آیا تھا کہ شادی کر لو۔ میں نے کہا لاحول ولا قوۃ! کہاں عشق کہاں نکاح! عشق بازی کہاں اور

نکاح کہاں ! میں نے کہلا بھیجا کہ نیک بخت جہاں تمہارا دل چاہے شادی کرلو میری عشق بازی نکاح کی خشکی کا تحمل نہیں کرسکتی ! کیوں کیسی کہی ــــــ پھر کہنے لگا - یار سنتے ہیں ایک نئی آئی ہوئی ہیں، تم نے تو خوب ربط وضبط پیدا کرلیا ہے ہمارا بھی کچھ حصہ ہے یار ــــــــ میں نے کہا باؤلے ہوئے ہو، میرا ہی حصہ کہاں ہے جو تمہارا ہو، وہ تو کچھ عجیب ہی ہیں - ــــــــ

---

## ۲۱ر مارچ ،

بہت بُرا دن گزرا ، مولانا خیر الزماں صاحب خدا جانے کہاں سے (ہر بلائے کز آسماں آید) نازل ہوگئے - پھر جب وہ آتے ہیں تو قطب بن کر جم جاتے ہیں ان کی عرفانیات کا ترشح ٹپاٹپ شروع ہوتا ہے - گویا انسان ٹپکتی ہوئی چھت کے نیچے بندھا بیٹھا ہے ! حسب معمول مولانا کے پند ونصائح کا پٹارہ کھل گیا، یہ گناہ ، وہ گناہ - یہ صغیرہ - وہ کبیرہ ، دوزخ اور فرشتے اور منکر اور نکیر ــــ ! غرض داڑھی پر ہاتھ پھیر کر فرماتے فرماتے میرا ناک میں دم کردیا - کہنے لگے میاں اب تم شعور کی عمر تک پہونچ گئے ہو - اب ذرا اپنے ضمیر سے محاسبہ کیا کرو - گناہ کی زندگی کا نشہ شروع میں تو بہت خوشگوار ہوتا ہے مگر آخر میں تباہ کار ہوجاتا ہے "میرے بھائی !" ــــــــ یہ مولانا کا تکیہ کلام ہے ــــــــ میرے بھائی ! کب تک غافل رہوگے ــــــ پھر انھوں نے نہ جانے کتنی آیتیں اور حدیثیں بیان کرڈالیں ــــــ میں تو گناہ کا نام سنتے سنتے تھک گیا ہوں ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انسان کی زندگی میں گناہ کے سوا کچھ بھی نہیں

گناہ! گناہ! سوتے، جاگتے، کھاتے، پیتے، ہنستے، بولتے گناہ ہی گناہ ہے پانی پیئیو تو گناہ، روٹی کھاؤ تو گناہ، جو کچھ کرو گناہ! مولانا ہمہ تن ثواب اور ہم ہمہ تن گناہ! میں نے بھی آخر جل کر کہا کہ حضرت! آپ اپنے مذہب کا پٹارہ تو میرے سامنے کھولئے نہیں، یہ تو بازیگر کی جھولی ہے۔ میں آپ کے ڈھکوسلوں کا قائل ہی نہیں۔ جو بات آپ کہیں فوراً ساتھ ہی ساتھ اس کو سمجھاتے بھی جائیں۔ آپ کہتے ہیں مرد کا بغیر نکاح عورت کے پاس جانا حرام ہے۔ کیوں جناب؟ صرف اسی لئے کہ مذہب نے مرد اور عورت کے تعلقات کے متعلق ایک قانون بنا کر ہمارے سر پر رکھ دیا ہے۔ لیکن نکاح میں ہے کیا سوائے ایجاب و قبول کے۔ پھر اگر ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ایجاب و قبول ہو، مگر شرعی اصطلاحات نہ ہوں۔ تو نکاح بغیر بھی دونوں کا جنسی تعلق کیوں جائز نہیں؟ اور فرض کیجئے کہ کوئی شخص آپ کی مصطلحات اور قانونی ڈھکوسلوں کو مانتا ہی نہ ہو تو پھر آپ اپنا قانون اس کے حلق میں کیونکر اتار سکتے ہیں۔ جو شخص آپ کے جہنم ہی کے وجود کا منکر ہو اس پر "خَالِدِیْنَ فِیْہَا اَبَدًا" کا کیا اثر؟ جناب مولانا؟ میں نے کہا مرد عورت کیلئے ہے اور عورت مرد کے لئے، اس لئے نہیں کہ ان کو مذہب ایک دوسرے کا لباس بتاتا ہے، بلکہ اس لئے کہ فطرت مجبور کرتی ہے کہ مرد عورت کی طرف آئے اور عورت مرد کی طرف جائے! زندگی کا ایک سلجھا ہوا سیدھا سادا مسئلہ ہے جس میں مذہب نے سینکڑوں گرہیں لگا دی ہیں۔ مولانا کہنے لگے۔ اگر فطرت ہی کے پابند ہو تب بھی تو اس نے کوئی حد اعتدال مقرر کر دی ہے، اسی کا لحاظ کرو۔ میں نے کہا، بیشک! لیکن اگر اعتدال کی حدود سے تجاوز

کیا بھی جائے تو اس کی سزا فطرت خود دیتی ہے ۔ آپ کیوں اپنا دوزخ جنّت لے کر گھسے پڑتے ہیں؟ فطرت کے نمائندے آپ کہاں سے بن آئے؟ فرمایا کہ دین فطرت ہے ۔ اور دین کے نمائندے ہم ہیں ۔ میں نے کہا واہ صاحب کیا دین ہے اور کیا اس کے نمائندے ہیں ۔ فطرت کا سارا ڈھانچہ توڑ مروڑ کر اس کی صورت ہی مسخ کر ڈالی ۔ وراثت کا ایک نیا ڈھانچہ بنا کر کھڑا کر دیا ۔ اس ڈھانچے کو قائم رکھنے کیلئے ازدواج کے قاعدے اور ضابطے مقرر کر دیئے ۔ عورت اور مرد کی فطرت کو پابہ زنجیر کر دیا ۔ خالص فطری جذبات کو کیا سے کیا بنا دیا ۔ نتیجہ کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ فطرت اور مذہب میں مقابلہ ہونے لگا ۔ دونوں ایک دوسرے کے حریف بن گئے ۔ فطرت اپنے تقاضوں کو چوری چھپے پورا کرنے لگی ۔ مذہب کے دامن میں ریا و مکر کے سانپ، بچھو پرورش پانے لگے ۔ ـــــــ اور آپ ہیں کہ حلال و حرام کی ہی بحث میں سر کھپائے جاتے ہیں ـــــــ اور فطرت مذہب کی قید و بند سے آزاد ہو کر زمین کے نیچے سرنگیں بنانے لگی ۔ صاف اور ستھری حیوانیت کو آپ نے انسانیت سے خارج فرما کر ایک خالی ڈھول بجانا شروع کر دیا ۔ زہد و تقویٰ کی نئی نئی اصطلاحیں گھڑ لی گئیں ۔ اس حیوانیت کے پاؤں میں جو جزو انسانیت ہے آپ نے بیڑیاں ڈال دیں ـــــــ عجب قسم کی یہ تنظیم ہے ـــــــ حضرت مولانا بہت تحقیر آمیز طریقہ پر میری صورت دیکھ دیکھ کر مسکرائے جاتے تھے ۔ مگر میں بھی کہے ہی گیا ۔ جو منہ میں آیا ۔ عجب قسم کی یہ تنظیم ہے ۔ مولانا! غذا سامنے رکھی ہے ۔ بہت آسانی سے انسان اس کو اٹھا کر کھا سکتا ہے ۔ مگر آپ نے اس کے دستر خوان سے منہ تک لے جانے کے لئے ہزاروں قاعدے اور ضابطے بنا ڈالے ۔ پہلے نوالہ یوں بناؤ ۔ منہ

اس طرح چلاؤ۔ کُلی اس طرح کرو۔ ہاتھ اس طرح دھوؤ۔ ڈکار اس طرح لو ـــــــ فطرت کے معمولات تصنعات کی زنجیروں میں باندھ دیئے گئے ــــــ کام آسان تھا۔ اس کو مشکل بنا دیا ــــــ واہ رے مذہب! مولانا فرمانے لگے۔ تیرا دماغ خراب ہے مذہب کو نہیں مانتا مگر عقل کو تو مان! میں نے کہا جناب! عورت مرد کی مملوکہ و مقبوضہ تھی۔ فطرت نے مرد کو اس کا مالک اور آقا بنایا تھا، آپ نے اتنے حقوق اس کو دے ڈالے کہ وہ مرد کے تفوق ہی سے منکر ہو چلی۔ آپ ہماری جائداد چھین رہے ہیں ــــــ ہم کو بے دخل کئے دے رہے ہیں اور پھر گناہگار بھی ہمیں کو ثابت کرتے ہیں۔ فطرت نے عورت کی قیمت صرف اتنی مقرر کی تھی کہ

بڑھا کر جو اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

لیکن آپ نے مینا کو مینخانے کا حصہ دار بنا دیا۔ وہ ہمارا کھلونا تھی۔ آپنے اس کو ہماری ہستی کا "نصف" بنا دیا۔ واہ جناب واہ۔ پھر آپ چاہتے ہیں کہ ہم شکایت بھی نہ کریں! مذہب نے مرد پر یہ ظلم ڈھایا کہ عورت کو اس سے چھین کر غلام کو آقا کے ہم پلّہ بنا دیا۔ اور اب تو شدید حکم یہ ہے کہ اس کو نظر اٹھا کر بھی مت دیکھو! اس زبردستی کی پابندی کا نام آپ نے رکھا "زہد و تقویٰ"! یہ آپ کی قانونی اصطلاح ہے! میری ہی بلی اور مجھ ہی سے میاؤں! یہ حالت آپ نے مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی بنا دی! ان کو حقوق دیئے گئے اور ہم سے چھینے گئے! آپ کی اس قانون سازی کو حضرت! دور ہی سے سلام! ــــــ

کوئی اور ہوتا میری جگہ تو مولانا اس کے سر پر عصا کھینچ مارتے۔ مگر میری

باتوں کو وہ باؤلی سمجھا کرتے ہیں —— اس لئے اکثر اس قسم کی بحث اپنی عادت کے موافق حسب ذیل دلائل میں سے کسی ایک یا سب دلیلوں پر ختم کر دیا کرتے ہیں یعنی جس دن میں ان کو زیادہ نہیں گرماتا تو وہ محض "احمق، پاگل، خبطی" کہہ کر ٹال جاتے ہیں۔ لیکن جس دن ذرا حرارت آجاتی ہے تو "لاحول ولاقوۃ"، "توبہ توبہ!" "اللھم احفظنا" وغیرہ ان کا خاتمہ کلام ہوتا ہے اور جو بحث نے طول کھینچا اور مولانا کا پارہ بہت ہی زیادہ چڑھ گیا۔ تب تو "لعین، مردود، کافر" کی گرج اور کڑک پر گفتگو ختم ہوتی ہے —————— آدمی بہت اچھے ہیں مولانا، مگر ذرا شئے لطیف کم ہے!!

## ۲۹ر مارچ۔

رات بہت عرض معروض کے بعد غریب خانہ پر تشریف لائی تھیں۔ مگر کچھ اداس اور افسردہ، میں نے کہا تم کو یہ زیبا نہیں، تم تو دنیا میں ہنسنے ہنسانے کے لئے بھیجی گئی ہو۔ ان حسین آنکھوں کو آنسوؤں سے کیا علاقہ؟ کہنے لگیں میرا پیشہ ہنسنا ہنسانا ہے، مگر میری فطرت غمگین ہے —————— حسن ہمیشہ غمگین ہوتا ہے —— اور عشق بھی۔ ہوس البتہ خندہ بر لب ہوتی ہے۔ اور گناہ قہقہے لگاتا ہے! —— گناہ! —— لیجئے یہ بھی گناہ اور ثواب کے الجھیڑے میں الجھی ہوئی ہیں! رات بہت دیر تک ان کو سمجھاتا رہا کہ گناہ اور ثواب کا تخیل انسانوں میں محض بزدلی اور مجہولیت کی نشانی ہے۔ میں نے کہا زندگی کے جس نظم کی بنیاد تخویف اور تہدید پر ہوتی ہے وہ آزاد انسانوں کو غلام اور مجہول بنا دیتا ہے جب دل پر ڈر اور خوف کے نقوش ثبت کر دیئے گئے تو ضمیر کی آزادی ختم ہوئی!

اسی کا نام لوگوں نے مذہب رکھ دیا ہے۔ کہنے لگیں مذہب کی تو میں بھی کچھ زیادہ قائل نہیں، مگر رسم و رواج کے مطابق نماز بھی پڑھ لیتی ہوں۔ کبھی روزے بھی رکھ لیتی ہوں مجھے تو مذہب سے شکوہ ہے کہ اُس نے مردوں کو عورتوں پر مسلّط کر دیا۔ یہ تم نے سچ کہا کہ خوف کی بنیاد پر جو تنظیم کی جاتی ہے وہ انسانوں کی انسانیت کو مجہول اور مجبور بنا دیتی ہے۔ وہ نماز نماز کیا ہے جو دوزخ کے ڈر یا جنت کے مزوں کی امید میں پڑھی جائے۔ لوگ مذہب کی پابندی زیادہ تر دوسروں کو دکھانے اور مرعوب کرنے یا ملامت اور بدنامی کے خوف سے کرتے ہیں۔ یہ سب یا تو بزدل، جھوٹے اور مجہول ہیں یا مکّار اور دنیا ساز،

———— سیاہ اور گھنے ابرو پیشانی کی طرف کھنچے ہوئے۔ بڑی بڑی غزالی آنکھیں معمول سے زیادہ کھلی ہوئی ———— اس طرح وہ گناہ اور ثواب کے فلسفہ کی تشریحات سے میری مدارات کر رہی تھیں، میں نے کہا ہم تم مذہب کے تخیل کی کجی کے متعلق تو متفق الرائے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ تم نے کیا کہا کہ مذہب نے عورتوں پر مردوں کو مسلّط کر دیا مجھے تو مذہب سے وجہ عداوت یہ ہے کہ اس نے مردوں کے مالکانہ حقوق چھین کر عورتوں کو ہمارے سر پر چڑھا دیا!! ہاں! کہنے لگیں، ہمارا تمام خون پی کر بھی آپ کو شکوہ ہے کہ ہڈیاں باقی رہ گئیں! مذہب کا نام لیکر آپ گویا ماتم کر رہے ہیں کہ عورتیں آپ کے قابو سے باہر ہو گئیں ہیں۔ مذہب سے آپ صرف اس لیئے خفا ہیں کہ اس نے آپ کی رعایا کو کچھ حقوق دیکر ان کے پاؤں کی زنجیروں کو قدرے ہلکا کر دیا ہے اور مجھے مذہب سے یہ شکایت ہے

کہ اس نے اپنے قانون کا ہم کو جبراً پابند بنا کر اس قابل نہیں رکھا کہ تم لوگوں سے کافی انتقام لے سکیں! عجیب تماشہ ہے۔ ہم دونوں مذہب سے روگرداں ہیں لیکن دونوں کی روگردانی کے اسباب جدا جدا ہیں۔ اتحاد میں اختلاف! میں تو یہ کہتی ہوں ــــــ کہنے لگیں ــــــ کہ مرد اور عورت کے قضیہ کا مذہب کی عدالت میں فیصلہ ہی نہ کراؤ۔ اس قضیہ کو فطرت کی عدالت میں پیش کرو۔ مذہب کی قانونی اصطلاح میں گناہ اور ثواب کو گناہ اور ثواب ہی نہ سمجھو، آؤ ہم تم اپنے ضمیر اور اپنی عقل سے محاسبہ کریں، میں تمہیں بتاؤں کہ میں کیوں اپنے کو تم سے بہتر اور برتر سمجھتی ہوں، تم مکار اور بزدل ہو، میں نہ مکار ہوں نہ بزدل میرے اندر تم سے بہت کم مجبوریت ہے۔ میں ایک گندہ پیشہ کرتی ہوں لیکن اپنی گندگی کو چھپاتی نہیں نہ اس کو پاکیزہ بنا کر دکھاتی ہوں۔ تم عیاشی کرتے ہو۔ مگر دنیا والوں سے ڈر کر مکاریاں اور حیلہ بازیاں بھی کرتے ہو۔ میں کھلم کھلا اپنے گھر پر بیٹھ کر اعلان عام کے ساتھ حسن فروشی کرتی ہوں مگر تم جب مجھے اپنے گھر بلاتے ہو تو رات کی تاریکی میں بند گاڑی کے اندر۔ برقعہ اڑھا کر پھر مجھے لیکر بیٹھتے ہو تو گھر کے دروازے بند کر لیتے ــــــ تمہارے دل میں دنیا والوں کا خوف اور رسم و رواج کی غلامی موجود ہے۔ میں اس سے آزاد ہوں۔ اگر میرے تمہارے تعلقات مذہب کی اصطلاح میں گناہ بھی ہیں تو تمہارا گناہ میرے گناہ سے بدرجہا بدتر ہے۔ اس لئے کہ اس میں بڑا حصہ مکر اور فریب کا ہے! ــــــ

ان ہی باتوں میں بلا مبالغہ ساری رات گزر گئی! کچھ عجب سی عورت ہے اس کی صورت میری حیوانیت کو مشتعل کرتی ہے۔ لیکن اس کی فلسفیانہ باتیں

میرے دماغ کا گودا نکال لیتی ہیں ——— مگر میں حسن صورت چاہتا ہوں

میں مرد ہوں مجھے فلسفیانہ نکتہ نوازیوں سے کیا کام! میں جوان ہوں۔ دولتمند

ہوں، آزاد اور مختار ہوں، بے پروا ہوں، وہ صرف ایک چھوکری ہے،

——— حسین اور دلکش میرے نفس کی پیش خدمت ———

میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ آئندہ ملاقاتوں میں گفتگو کے اس پہلو کو درمیان میں

آنے ہی نہ دونگا ——— میری ساری رات کیسی ضائع گئی ———

چھوکری کس قدر چالاک ہے! ———

## ۸ار اپریل

اختر، محمود، ذکی، دانش، سب کے سب دن بھر جمے رہے۔ بستر سے اٹھنے

بھی نہ پایا تھا کہ یہ غول کا غول وارد ہوگیا۔ برج جو شروع ہوا تو دوپہر کا کھانا بھی

بھاگم بھاگ کھایا، پھر جو جمے تو رات کے نو بجے دم لیا۔ نہ سورج کے طلوع کی خبر

ہوئی نہ غروب کی! ہم سے بڑا بادشاہ کون؟ وقت بے حساب۔ فرصت بے شمار

فکر صرف اتنی کہ دن میں چار دفعہ بھوک لگتی ہے۔ آفتاب نکلے یا غروب ہوجائے

——— ہمارے گھر کا چاکر ہے۔ اپنے وقت پر آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ ہمیں کچھ خبر

نہیں۔ کہاں سے آیا اور کہاں گیا۔ جوانی! جوانی!! جوانی!!! میں تو کہتا ہوں کہ آدمی

جوان ہی مرجایا کرے۔ جس دن محسوس ہو کہ عمر کا ضعف اعضا میں پیدا ہونے

لگا۔ کچھ کھا کے سو رہے۔ دنیا کو ضرورت صرف جوانوں کی ہے۔ بڈھے تو مادر گیتی

کے سینہ پر خواہ مخواہ پتھر کی طرح رکھے رہتے ہیں اسٹنڈ میں بڈھے گھوڑ دل

کو گولی ماردی جاتی ہے۔ اس لئے کہ مفت کا دانہ چارہ کیوں دیا جائے۔ کوئی

ایسا ہی اسٹینڈ انسانوں کے لیے بھی بنایا جائے۔ جوانوں سے جوانی کے سارے کام لیجیے اور جب وہ بڈھے ہو چلیں تو ایک گولی کھلا کر کہیں توپ دیجیے، زندگی صرف جوانی ہے۔ بڑھاپا موت کے گھر کی چوکھٹ ہے۔ اس چوکھٹ پر پہونچ کر انسان کیسے کیسے بہانے کرتا ہے کہ کسی طرح چوکھٹ کے اس پار نہ جائے کیا کیا نسکریں اور تدبیریں کرتا ہے، طبیبوں اور ڈاکٹروں سے رجوع کرتا ہے۔ مقویات اور مفرحات کھاتا ہے۔ بندر کی گلٹیاں اپنے جسم میں پیوست کراتا ہے ان کی معجونیں بنا بنا کر کھا جاتا ہے۔ موتی اور جواہرات گھول گھول کر پی جاتا ہے دنیا بھر میں بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ کس قدر بیوقوف ہے۔ جانتا ہے کہ ایک دن تو مرنا ہی ہے۔ شنبہ کو نہ سہی یکشنبہ کو سہی۔ مگر سانپ کی چھچھوندر بن کر کچھ دنوں موت کے حلق میں اٹکا رہنا چاہتا ہے۔ گدھا کہیں کا! جوانی ہے مزے کرتا ہوں جب دیکھوں گا کہ رات کو جاگنے سے سر میں درد ہونے لگا۔ سمجھ لونگا کہ تیس مارخانی ہو چکی اپنا بوریا بستر سمیٹ کر موت کو آواز دونگا ——— "آجا! میں فارغ ہوں دنیا میں جو کچھ اچھا تھا اس سے میری جوانی نے اپنا حصہ ایک ایک رتی وصول کر لیا اب فرصت ہے محفل برخواست ہو گئی، آجا! اور جہاں تیرا جی چاہے مجھے لے جا!" اس طرح میں کھیلتے کھیلتے، پھولوں کی چادر پر ——— کسی نہ جبین کی آغوش میں ——— سو جاؤں گا ——— اس کے بعد کیا ہوگا؟ کچھ بھی ہو۔ مجھے کیا؟

مولانا خیر الزماں تو عاقبت کا دکھڑا لیے بیٹھے ہیں۔ واہ کیا زندگی ہے زندگی میں عاقبت کے خوف سے مرتے رہو۔ بڑھاپے میں موت کے ڈر سے پڑے

کا نپا کرو، اور جنت اور دوزخ کی فکروں میں لسوڑا کرو! ــــــ یہ بھی گویا جینے میں کوئی جینا ہے! ــــــ روتے ہی رہو، روتے جاؤ، پیٹتے جاؤ اپنے نصیبوں کو!!

## ۲۲ر اپریل۔

وہ مجھ سے خفا ہیں شکایت یہ ہے کہ میں ان کے احباب کو رقیبانہ نظر سے دیکھتا ہوں! چاہتی یہ ہیں کہ ان کا فیض عام جاری رہے۔ وہ بہار حسن لٹائے جائیں اور میں بھی اپنا حصہ لیتا رہوں۔ بے چون وچرا۔ پرسوں جب وہ تشریف لائی تھیں تو میں نے ان سے اشارتاً کہا تھا کہ ان کے "دیگر احباب" کے تذکرے اور وہ بھی انہی کی زبان سے میرے لئے "فردوس گوش" نہیں ہیں۔ ان کو میرے پاس بیٹھ کر اپنے احباب کے عشق والفت کی داستانوں کے بیان کرنے میں بہت مزہ آتا ہے میں نے کہا مجھے تو ان قصّوں سے معاف رکھئے۔ مجھ سے التفات کیجئے اور دوسروں کی یاد کو گھر ہی چھوڑ آیا کیجئے ــــــ اب بہت خفا ہیں کہتی ہیں تو میرے دوستوں کو اپنا رقیب بنا رہا ہے ــــــ گویا کہ وہ میرے رقیب ہیں نہیں،

عجیب ہے یہ عورت اور عجیب ہیں اس کی باتیں۔ ہدایت فرماتی ہیں کہ تجھے اپنے کام سے کام (تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو!) تو دوسروں کو دیکھ کر کیوں جلے! پھر ساتھ ہی ساتھ مردوں کی "حیوانیت" پر بھی لعن طعن۔ "لیلیٰ" کے بجائے کوئی دوسری "آرائش محفل" ہوتی تو میں کہتا کہ "حضور عالی! حسن کی فریب کاریوں پہ یہ غرور تمسخر انگیز ہے! مرد ہر حال میں مرد ہی ہے شیر اپنے شکار میں جنگل کے دوسرے رہنے والوں کو شریک نہیں کیا کرتا۔ سو دل کا قبضہ ہے اور قوت کا! ــــــ مگر

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں بوڑھا ہو چلا! غصہ آتے ہی بگڑتا ہوں۔ تیار ہو کر بیٹھتا ہوں
کہ آج آئیں تو ذرا مزاج پرسی کروں۔ جب وہ تشریف لاتی ہیں اور میں موم کی
ناک کی طرح پگھل کر رہ جاتا ہوں! کبھی اپنی نسبت کچھ کہنا بھی شروع کیا تو وہ
عجب طرح بھنویں اوپر کھینچ کر، آنکھیں نیم باز مسکراتی ہیں، اور کچھ ایسے انداز
سے میرا مذاق بنانا شروع کرتی ہیں کہ زچ ہو کر رہ جاتا ہوں —— "ہاں! تو آپ
کے دل میں درد ہے! —— آپ کے؟ —— جی؟ رشک غیر نے آپ کا دل خراب کر ڈالا
یہ عیاشی کرتے کرتے عشق کیسا شروع ہو گیا؟ مجاز سے حقیقت کی طرف پرواز!
تصوف کا بہت بلند درجہ ہے۔ جناب! اگر سنئے تو۔ وہ سب بھی جن سے آپ
خفا ہیں! اسی حال میں ہیں! مرتے ہیں! دیکھئے کس کس کا جنازہ اٹھاؤں۔ کس کس
کو گناؤں —— اتنی بہت سی قبریں مجھ سے تو کھودی نہ جائینگی —— زمین
میں خریدے لیتی ہوں۔ قبریں اپنی اپنی سب کھدوالیں —— " ایک ذرا دل
کے اندر ایک آگ سی لگتی ہے۔ دل کہتا ہے۔ اس عورت کی سزا یہ ہے کہ محض انتقاماً
اس کو بیوی بنا کر گھر میں بند کر دیا جائے —— یہ خوبرو تیتری اپنے رنگین پنکھوں
پر کس قدر نازاں ہے" —— پھر جو نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو جیسے کسی نے
منہ پر ایک طمانچہ مار کر کہا "چپ۔ بے ادب!" —— پھر جب وہ چلی جاتی
ہیں تو اپنے اوپر لعنت بھیجتا ہوں۔ دل کہتا ہے "واہ حضرت! واہ معلوم شد
بافندگی؟ آپ نے تو ہزاروں کے حسن کو فتح کیا۔ آپ کی عیاشی اور حسن پرستی کا تو
ڈنکا بجتا ہے! آپ جوانمرد ہیں، آپ کا حق ہے کہ جس عورت کو چاہیں فتح
کر لیں! اس عورت سے آپ کیوں پٹے جا رہے ہیں۔ اپنے اوپر لعنت بھیجتا ہوں

اور پھر عہد کرتا ہوں کہ آئندہ ملاقات میں دو چار سخت جھٹکے دیکر دماغ درست کر دوں گا! آئیں تو ایکی دفعہ! ساری تیزی طراری نہ بھلا دوں تو لعنت ہے مجھ پر! ـــــ کبھی سوچتا ہوں یہ عورت یوں قابو نہ آئیگی۔ بہت چالاک ہے لاؤ نکاح کرکے پابند کرلوں ـــــ واللہ! جو کہیں مجھ سے نکاح کرلے تو ساری شاعری اور فلسفہ دھواں بن کر اڑ جائے! ـــــ مگر نکاح کی پابندیاں میرے لئے؟ لاحول ولا، کوئی مرد پابند ہوتا ہے، جو ہ ہو جائینگے؟ دل اکتا گیا تو عورتوں کی کچھ کمی ہے، چار تک تو بیویاں ہی رکھی ہیں کون بیوقوف کہتا ہے کہ نکاح سے مرد پر بھی اخلاقی پابندیاں عاید ہوتی ہیں، نکاح تو صرف قبضہ مالکانہ کی شرعی توثیق ہے، جیسے جائداد خرید کر عدالت میں اس کی رجسٹری! قیمت نقد یا وعدہ اسی کا نام مہر ہے! ـــــ

## ۲ / مئی۔

آخر چاہتی کیا ہے۔ یہ عورت؟ محبت کے نام سے بیزار ہے۔ زر پرست ہے نہیں، اس کی تعریف کرو تو چڑتی ہے ـــــ کس قدر سرد اور خشک ہے! اپنی عیش کی خلوتوں میں مجھے "سرد" عورت سے کس قدر نفرت ہے۔ ہر مرد کو ہوتی ہے۔ مرد عورت سے ہمیشہ اپنی حیوانیت کا جواب مانگتا ہے۔ عورت اگر بے حس ہو کر اس کی گود میں پڑی رہے تو پھر عیش کہاں۔ ایسی عورت سے تو بہتر مصوّر دل کے شاہکار اور مرمر کے مجسمے ہیں! انھیں کو دیکھ کر خوش وقت ہو لیا کریں ـــــ اور ہزار شغل ہیں اور ہزار تفریحات ہیں! خوبصورت مُردے کو گود میں لیکر کیوں بیٹھے مرد کی اس سے بڑی توہین ہی کیا ہوسکتی ہے کہ وہ کسی عورت میں عیش کی گرمی بھی

پیدا نہ کرسکے۔ وہ بربط نواز کیا جو ساز کے صحیح تاروں کو انگلی بھی نہ لگا سکے!۔۔۔ گزشتہ ہفتہ دو دن تک میرے پاس رہیں، میں نے لاکھ لاکھ پوچھا کہ آپ کا یہ رنگ کیا ہے۔ ہنستی رہیں اور ہنستے ہی ہنستے دو آنسو بھی نکل پڑے۔ پھر ہنسنے لگیں!۔۔۔ مجھ پر عورت کے آنسوؤں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، بلکہ صحبت عیش میں تو اس کے آنسو بے لطفی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ مگر "لیلیٰ" کے وہ دو آنسو جو پرسوں میں نے اس کی آنکھوں سے گرتے دیکھے۔۔۔۔۔ ان کو اب تک نہیں بھول سکا۔۔۔ گویا وہ آنکھوں سے نکل کر میرے دل میں اتر گئے ہیں!!۔۔۔۔ مجھے کیا ہو گیا ہے، لاحول دلا عورت کے آنسو دیکھ کر بیقرار ہو جانا۔۔۔۔۔ یہ بڑھاپا ہے یا بزدلی! یہی حال ہے تو بس ہو چکی حسن پرستی!!

صبح اختر آئے تھے۔ "لیلیٰ" اسی وقت رخصت ہوئی تھی، میں کچھ افسردہ سا پڑا تھا۔ اول تو اختر مذاق کرتا رہا پھر کہنے لگا "تم پھنس گئے ہو سمجھے؟ اور مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بُرے پھنسے ہو" اس وقت میں نے بھی جو کچھ میرے دل میں تھا اختر سے کہدیا۔ اس نے بہت ہی سنجیدہ آواز میں کہا "میں تمھارا حال دیکھ رہا ہوں اس وقت سے دیکھ رہا ہوں جب سے "لیلیٰ" کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ اب ذرا سنبھل کر قدم بڑھانے یا ہٹانے کا وقت آیا ہے۔ اپنے نفس کا تجزیہ کر کے فیصلہ کرو کہ تمھارے جذبات محض عیاشانہ ہیں جیسے کہ ہمیشہ ہوا کرتے ہیں یا کچھ آگے بڑھ گئے ہو اگر تم کو ذرا بھی شبہ ہو کہ تمھارے قدموں کے نیچے سطح ڈھالو ہے تو یہیں سے اُلٹے پاؤں لوٹ پڑو، ورنہ یاد رکھو مارے گئے۔ شکاری کتے کے دانتوں کی طرح عورت کے دانت بند ہو کر پھر کھلتے نہیں ہیں ساری شیخی کرکری ہو جائیگی۔ تمھارا

دل اگر اس عورت کے متعلق واقعی بے چین ہونے لگا ہے تو کہیں نہ کہیں نکاح کر لو
صرف یہی صورت بچاؤ کی ہے۔ تمھارے خاندان ہی میں حسین اور دولتمند لڑکیاں
موجود ہیں۔ عیاشی تو تم خوب کر چکے۔ مگر یہ پھندا برا ہے۔ سنتے ہو؟ یہ عورت کہیں تم کو
گدھا بنا کر نہ چھوڑ دے ـــــ اور خدا جانے وہ کیا کیا بکے گیا۔ میں نے سنا ہو تو
لکھوں! گویا یہ سب سامان عاشقی فراہم ہو رہا ہے ـــــ ہمارے لئے ـــــ
ایک ناصح مشفق بھی پیدا ہو گئے۔ ان کی بھی ضرورت تھی!!

## ۱۱ مئی۔

اعلان الفت بغیر ارادہ کے ـــــ آنسو حتیٰ کہ ہچکیاں! عرض حال دل!
بیتابی تمنا ـــــ غرض کہ کل رات بیٹھے بیٹھے بکھر گیا۔ یہ سب کیونکر ہوا کیسے ہوا ـــــ
مجھے تو خبر نہیں ـــــ مگر تھی بہت طفلانہ حرکت! اپنے اوپر لعنت بھیج رہا ہوں وہ
ہنستی رہی، میں روتا رہا ـــــ توبہ توبہ ـــــ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا! اس
نے میری بیتابیوں کو بہت ہی تحقیر کی نظروں سے دیکھا۔ چلتے وقت تو وہ صاف کہہ
گئی ـــــ مجھے اس کا ہر لفظ یاد ہے "آپ اس وقت اتنے انسان نہیں جتنے
گدھے ہیں۔ عورت بازی کرتے کرتے عشق بازی کرنے چلے ہیں تو اب آپ کے ساتھ
رات بھر اس سینہ کوبی میں شریک ہونے کیلئے آنے سے رہی!"

## ۱۹ مئی۔

بلاتا ہوں تو نہیں آتیں۔ ہار کر کل خود گیا۔ دروازہ بند کر لیا۔ میر صاحب
کو بھیجا تو ان سے کہا کہہ دیا کہ "جب تمھارا دماغ صحیح ہو گا تب آؤں گی۔ ابھی تو چالیس
دن تک سر پر برف کی تھیلیاں رکھے بیٹھے رہو!" ـــــ

ابھی اختر آئے تھے۔ مواعظ حسنہ کا ایک پشتارہ لیکر آئے تھے۔ خدا جانے کیا کیا بکتے رہے۔ کہنے لگے تم مرد ہو، تمھیں اپنی صنف کے تفوق کو کسی عورت کے مقابلہ میں اس قدر پست نہ کرنا چاہیئے اور عورت بھی ایسی ذلیل ——— ایک ٹکے کی عورت ——— سنتا رہا، سنتا رہا۔ وہ بکتے رہے بکتے رہے۔ آخر میں نے کہا کب تلک کوئی نہ بگڑے؟ حال بگڑا جائے ہے! پند و نصائح کے ذخائر تم سے زیادہ میرے پاس ہیں ——— میاں اختر ——— میں ایک بازاری عورت کے مقابلہ میں مفتوح اور بے بس ہو جانے کی ذلت کا بھی اندازہ کر سکتا ہوں! ——— جب وہ استہزا کرتی ہے اور مجھے ٹھکراتی ہے تو میرے قلب کے اندر وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ گویا میں اپنی جان دیدونگا اور اس کی جان لیلونگا۔ ——— پھر جب اپنے خشک ہونٹوں کو تر کرکے، اپنی مٹھیاں باندھ کر، سینہ نکال کر سنبھلتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ میری اور میرے صنف کی جو توہین کر رہی ہے اس کا جواب دوں تو دفعتہً گویا ایک قسم کا فالج ——— روحانی اور اخلاقی ——— مجھ پر گرتا ہے۔ گونگا ہو جاتا ہوں ——— وہ کہتی ہے ——— سنتے ہو اختر؟ ——— کہتی ہے "تم میں جو سب سے زیادہ مردمی اور مردانگی کا مدعی ہوتا ہے، وہی سب سے بڑا نامرد اور بزدل ثابت ہوتا ہے۔" ——— کیا میں ان تیروں کی نوک کو اپنے قلب میں کھٹکتے محسوس، نہیں کرتا ——— قسمیں کھاتا ہوں کہ آج کے بعد "لیلیٰ" کی صورت نہ دیکھونگا اور پھر صبح کو اسی کے ہاتھ جوڑتا ہوں کہ کل ضرور آنا۔ کچھ سمجھ سکتے ہو تم میری اس حالت کو؟ ——— میری عقل گم ہے ——— یہ کیا ہو گیا ——— اختر تمھیں بھی نہیں معلوم اور مجھے۔ ———

## ۵ مئی ۔

خطرہ سامنے آنے میں ہے، نظر ملانے میں ہے، میری آنکھیں سب سے
زیادہ کمزور ہیں۔ وہ اس کو راستہ دیتی ہیں! اب وہ خفا ہے، میں بھی خاموش
ہوں۔ شاید کچھ دن اس طرح گزر جائیں تو پھر میں اپنا توازن قائم کرلوں
—— آج کل شراب بہت پیتا ہوں، اپنی محفل میں عورتیں بہت
سی جمع رکھتا ہوں، دن بھر قہقہے مارتا ہوں۔ خوب پینا ہوں، پیتے پیتے رات
کو کسی وقت غافل سو جاتا ہوں۔ صبح کو اٹھ کر پہلے صبوحی، پھر ناشتہ، اُڑا ہوا
رنگ پھر جم جاتا ہے، بجلیاں پھر کوندنے لگتی ہیں —— اس طرح
تم بھلائی جا رہی ہو، خبر ہے تم کو؟ —— کوئی میری محفل میں لیلیٰ کا
نام نہیں لیتا۔ مَیں بھی نہیں لیتا —— زبانیں قاصر ہیں، دل میں پھر بھی وہ
نام کھٹکتا ہے، جب کچھ کھٹک بڑھتی ہے ایک جام لبریز پی لیتا ہوں ——
—— یہ جواب ہے تیری زبردستیوں کا —— او
بلائے بے درماں!! ——

## ۱۱ مئی ۔

ہرن کو پکڑ کر لائے تھے، اصطبل میں باندھنے کے لئے —— وہ نہ بندھا
ایک ہی جست میں رسیاں تڑا کر کہاں سے کہاں پہنچا! تیتری کو لائے
تھے قفس میں بند کرنے —— وہ اپنے رنگین پر پھیلا کر صاف نکل گئی!!
—— بچہ ہٹ کر رہا تھا کہ وہ آسمان کے ماہتاب کو پکڑ کر اپنی

گود میں رکھ لے! اس کے ہاتھ پھیل کر رہ گئے! ــــــ وہاں تک نہ پہونچ سکے ــــــ زندگی کے نظم کو نہ توڑو، ہرن کو جنگل میں رہنے دو ــــــ وہی اس کا وطن ہے ــــــ تیتری کو شاخ گل پر جھولنے دو ــــــ وہی اس کا مسکن ہے ــــــ چاند وہی رہے گا جہاں ہے بچہ سے کہو اس کو دیکھ کر تالیاں بجائے اور ناچے، مگر اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے ــــــ وہ بلند ہے اور بعید ہے! ــــــ میں اپنے دل کو تسکین دے لیتا ہوں، وہ عورت میرے لئے موزوں نہیں، اس کے حسن کی سنجیدگی میرے رندانہ عشق کی حریف نہیں ہو سکتی ــــــ جنس مختلف ہے، مذاق جداگانہ ہے، ہم نے ایک دوسرے کو تول لیا، وزن ایک نہیں!! پھر یہ ساری دردسری کیوں؟ ــــــ

دل بہکاتا ہے عقل سمجھاتی ہے ــــــ میں شراب کی بوتل پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھاتا ہوں توبہ کرتا ہوں ــــــ شراب، جوانی، عیش اور حسن کے ہنگاموں میں جب کبھی تھوڑا وقفہ ہوتا ہے اور تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، تو پھر وہ یاد آجاتی ہے، عقل کہتی ہے، یہ تکلیف بھی چند روزہ ہے۔ گھبراؤ نہیں تو بھول جائے گا۔ ــــــ

## ۲۸ مئی۔

گئی ہوئی واپس آرہی ہے ــــــ عقل ــــــ گزشتہ غلطیوں کا نام تجربہ

ہے، حماقتوں کے بھنور میں پھنس تو گیا تھا مگر بچ گیا، میرا فلسفہ آڑے آیا۔ دوست احباب تو سر پیٹ ہی رہے تھے کہ ہائے گیا ہاتھ سے! مگر گناہ کی قوت ابھی مجھ میں باقی ہے۔ "بی لیلیٰ" روٹھ کر بیٹھ رہیں اور مجھے گرداب الفت سے نکلنے کا راستہ مل گیا، تم روٹھے ہم چھوٹے ——— اپنی عیاشی اور حسن پرستی کی زندگی میں چند فلسفیانہ اور حکیمانہ اصول میرے رہنما رہے ہیں، ان کو اس روزنامچہ میں قلمبند کئے دیتا ہوں تاکہ میرے آئندہ پیدا ہونے والے فرزند کے اس وقت کام آئیں جب وہ جوان ہو کر عالم نسواں میں اپنے مجاہد باپ کی طرح فتوحات شروع کرے!

(۱) اپنے تمام افعال پہ انسان کو ناز کرنا چاہئے، اور ان افعال میں جس قدر گناہ (بہ اصطلاح عام) کی آمیزش ہو اسی قدر ان کو زیادہ مایہ ناز سمجھے!

(۲) گناہ کی کھیتی دماغ ہے ——— نہ دل نہ ضمیر ——— اسی کو اپنے نفس کا رہنما بناؤ۔

(۳) معصوم اور گناہگار میں فرق صرف اتنا ہے کہ معصوم ایک پوسیدہ اور مردہ ماضی رکھتا ہے اور اسی کے دامن سے لپٹا پڑا رہتا ہے اور گناہگار ایک وسیع مستقبل رکھتا ہے اور اسی کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے!

(۴) عیاشی کی روح بوڑھی پیدا ہوتی ہے مگر عمر کے ساتھ ساتھ جوان ہوتی جاتی ہے۔ جس قدر گناہ کرو اسی قدر روح جوان ہوتی جائیگی۔ البتہ جسم نوعمر اور جوان پیدا ہوتا ہے اور جس قدر زمانہ گزرتا ہے بوڑھا اور کمزور ہوتا جاتا ہے۔

(۵) "اخلاق" ایک بے معنی اصطلاح ہے۔ عیش جس کے اندر جنسیت کی لرزش حیات موجود ہو اصل حیات ہے۔

(۶) مرد کی زندگی میں عورت محض ایک ہندسہ ہے جس کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا انحصار اس کا محل وقوع ہے۔

(۷) وسوسہ اور ترغیب کا علاج امتناع نہیں ہے، ارتکاب ہے

میری زندگی کے ایسے کتنے ہی روشن اصول میرا راستہ صاف رکھتے ہیں۔ میری اولاد کا راستہ بھی صاف رکھینگے، اور جو کوئی اس روزنامچہ کو پڑھیگا، اس کا بھی! اختر سے آج میں نے کہدیا کہ عشق کا تپ ولرزہ دو چار حملوں کے بعد ختم ہو گیا ہے۔ میں اب پھر ایک ہوشمند انسان ہوں اور حسن کا بے پرواہ ڈاکو! اختر خوش ہو گیا اس کا چہرہ دمک اٹھا، کہنے لگا، خوب بچے یار، بال بال بچے، لو آؤ ایک جام! بیاد رفتہ لیلیٰ!

---

## ۳ر جون۔

اتنی خفا ہوئیں کہ اس شہر سے بھی چلی گئیں، میر صاحب خبر لائے تھے۔ میں نے کہا میر صاحب جانے والوں کی خبر لاتے ہو۔ آنے والوں کی خبر لاؤ۔ کوئی نیا مال آیا ہو، کوئی نئی دکان کھلی ہو تو پتہ بتاؤ، رہیں لیلیٰ قسم کی عورتیں! ۔۔۔ تو انھیں تو یا عجائب خانہ میں رکھو کہ اہل نظر مطالعہ کیا کریں، یا جہاز کا ٹکٹ دلوا کر حج کے لئے روانہ کرا دو! عمل کی دنیا میں اس قسم کی عورتوں کا وجود اہل کمال کو سرگردان کرتا ہے!

۶ر جون ۔

زندگی نام ہے حرارت اور حرکت کا، سوال یہ ہے کہ اس حرارت اور حرکت کی استعداد کو تھوڑا تھوڑا خرچ کر کے زندگی کی مدت بڑھائی جائے! یا جلد اور زیادہ مقدار میں خرچ کر کے آمد و خرچ کی میزان کو بعجلت برابر کر دیا جائے؟ چراغ کی بتّی نیچی اور پتلی رکھی جائے تاکہ روشنی دیر تک (گو کہ کم) باقی رہے یا موٹی سی بتی ڈال کر اور جلدی جلدی اس کو بڑھا کر تیز روشنی کی جائے اور جو تیل دس راتوں کو کام دیتا اس کو ایک ہی شب میں خرچ کر ڈالا جائے؟ روشنی کی تیزی زیادہ اچھی یا چراغ جلنے کی مدت کا طویل ہونا بہتر؟ جن کو اللہ میاں، کہا جاتا ہے انھوں نے تو انسان کو عجب مخمصہ میں پھنسا دیا ہے۔ یعنی یا تو ہلکی اور مدھم روشنی میں گھر کے نیم تاریک کونوں میں پڑے ٹٹولتے رہو اور اس طرح زیادہ عرصہ تک اندھیرے میں اپنا سانس جاری رکھو یا ایک ہی شب میں چراغ کو تیز جلا کر سارا گھر بقعہ نور بنا دو اور باقی سب راتیں بالکل اندھیری رکھو چراغ کے تیل کی مقدار مقررہ ہے۔ ازل کے کسی مشعل فروز نے ہر چراغ کو اس کے حصہ کا تیل ناپ تول کر دیدیا ہے۔ اس مقدار میں بیشی خارج از بحث ہے خرچ کا اوسط البتہ، اگر تم چاہو تو کم و بیش ہو سکتا ہے! اب بتایئے در آمد پر قابو نہیں، بر آمد ایک حد تک اختیاری ہے پھر کیا کیا جائے؟ ـــــ

ـــــــ جوانی میں زندگی کی ساری پونجی پھونک ڈالئے یا بڑھاپے کی انتہائی حد تک زندہ رہنے کے لئے اس پونجی کو حد درجہ کفایت شعاری اور جزرسی کے ساتھ خرچ کیجئے ـــــــ ایک شب چراغ

کی پوری روشنی سے شب کو دن کر لیجئے یا اس چراغ کو ستر اسی برس کی عمر تک ٹمٹماتے دیکھئے ـــــ آندھیوں سے بچائیے، ہوا کے تیز جھونکوں سے محفوظ رکھئے ـــــ دامن کی آڑ میں، کسی کونے کے طاق میں، کسی فانوس کے اندر، ـــــ ہر روز تیل اور بتی کا معائنہ کرتے رہئے۔ اب بتی اتنی باقی ہے تیل آتا ہے، ہوا تیز ہے، کہیں آندھی نہ آجائے۔ تیل نہ گرجائے۔ بتی خشک نہ ہوجائے ـــــ ان، ترددات میں بدحواس رہئے، مگر زندہ رہئے ـــــ سانس آپ کا چلتا رہے، یہ نہ رکنے پائے!!

مکان جب بوسیدہ ہوجائے۔ اس کی دیواریں جھک جائیں اس کی محرابوں میں شگاف پیدا ہونے لگیں، تو کیا یہ بہتر نہیں کہ اس کو گرا دیا جائے؟ یا یہ بہتر ہے کہ اسی کھنڈر میں پڑے رہئے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہئے کہ آج یہ دیوار گری، کل وہ چھت بیٹھ گئی، یہ ستون ٹیڑھا ہوگیا ـــــ وہ بنیاد غرق ہونے لگی ـــــ روز اس عمارت کی تباہی کو پڑے دیکھتے رہئے۔ مگر ارادہ یہ رکھئے کہ جب تک دو اینٹیں بھی باقی ہیں، ہم تو اسی گھروندے میں لیٹے رہیں گے، تا آنکہ اس کی آخری دیوار کے نیچے دب کر رہ جائیں! ـــــ

اس نقطہ پر پہونچکر جہاں سے جوانی کا انحطاط شروع اور بڑھاپے کا آغاز ہوتا ہے اس قسم کے سوالات ہم جیسے اہل بصیرت کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں، ان سوالوں کے جوابات تعداد میں اتنے ہی ہیں جتنے

دنیا میں انسان، ہر شخص اپنے دماغ میں ایک جواب رکھتا ہے لیکن میں تو کہتا ہوں، زندگی سے موت کا خطرہ نکال دیجئے! یہ تو اپنے اختیار میں نہیں کہ فنا کی شرط کو اپنی زندگی سے خارج کر دیں ——— ہوتا تو یہی کرتے ——— لیکن موت کے خطرہ کی تلخی کو زندگی کی حلاوت سے جدا کرنے کی یہ ترکیب تو کچھ مشکل نہیں کہ موت کے تمہارے قریب پہونچنے سے پہلے تم خود اس کے قریب پہنچ جاؤ! بجائے اس کے کہ وہ آئے اور اس کے آنے کے خطرے کے خیال میں تم اپنی جان گھلاؤ، تم ہی اس کے پاس چلے جاؤ! ———

بے تکلف، ہنستے کھیلتے!! اس طرح زندگی کے نصف اجزا کو تم موت کے خیال کی تلخیوں سے بچا لوگے پہلے اس سے کہ ڈاکوؤں کی جماعت تمہارے گھر پر دھاوا کرے تم اپنی ساری دولت لٹا دو اور جب کچھ نہ رہے تو گھر کا دروازہ کھول کر پکارو۔ آ، لوٹنے والے! آجا! لوٹ! کیا لوٹتا ہے؟ چھین کیا چھینتا ہے؟

یہ فلسفہ ایسی جوانی کا ہے جو بڑھاپے کی چٹان سے بندھا ہونا پسند نہیں کرتی، جو اپنے گلے میں بڑھاپے اور موت کے امکانات کا بھاری پتھر لٹکانا نہیں چاہتے زندہ رہو جب تک جوان رہو اور جب بڑھاپا اپنے آنے کی اطلاع بھیجے تو دفعتاً مر جاؤ، فنا ہو جاؤ! یہ فلسفہ لوگوں کی سمجھ میں تو آتا ہے مگر وہ اس کو مانتے نہیں، یہ سب بدبخت اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ بڑھاپے میں بھی کچھ نہ کچھ جوان رہنے کی کامیاب کوشش کر سکتے ہیں! پرانی تیلیوں پر ہر چھٹے چھمینے نیا غلاف چڑھا کر گویا تیلیوں کو بھی نیا کر لیا جا سکتا ہے سونا کھائیں گے جواہرات گھول کر پی جائینگے، جسم کی رگوں میں سوئیاں

پھونک پھونک محرک دوائیں پہونچائینگے تاکہ ان کے آغوش میں عورت ان کی گرفت کو کمزور محسوس نہ کرے، پوپلے منہ میں نئے دانت لگائینگے تاکہ ان کے بوسوں کا چٹخارا جوانی کے بوسوں سے ملتا جلتا رہے! سفید بالوں پر خضاب کی استرکاری کرینگے تاکہ ۶۰ برس کی عمر میں عورت ان کو ۴۰ سے زیادہ کا نہ سمجھے۔ عمر دریافت کیجئے تو ہمیشہ ۵۰ کی بجائے ۴۰ بتائیں گے اور ۳۰ بتاتے ہوئے بھی شرمائیں گے۔ دل میں شکوہ کرینگے کہ کیوں ان کی اجازت کے بغیر عمر بڑھ جاتی ہے۔ جس قدر عورت اپنی عمر کو ظاہر کرتے گھبراتی ہے، اسی قدر وہ بوڑھا مرد بھی جو جوان بننے کی کوششوں میں مصروف رہتا ہو عمر کے متعلق کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے گھبراتا ہے ——— یہ گھبراہٹ قبول، یہ شرمندگی قبول، یہ ضعف قبول، بڑھاپا قبول، مگر زندگی عزیز ——— مرتے ہیں کہ کسی طرح موت کے آنے کو ملتوی کیا جاسکے ———! وہ آئے گی ضرور زندگی کے حقائق میں صرف وہی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے! ———

——— سامنے سے میاں اختر چلے آرہے ہیں، چہرہ پر رونق ہے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ۔ رات اس بدمعاش نے ضرور کوئی نیا تکا ر مارا!

## ۱۱ جون۔

کہتے ہیں کہ کل رات دو بجے زلزلہ آیا تھا۔ کئی جھٹکے محسوس کئے گئے، شہر میں کچھ پرانے مکانات گر گئے، کچھ نئی دیواروں میں شگاف پیدا ہوگئے۔ دس بیس گھروں میں محرابیں شق ہوگئیں، ستون ٹیڑھے ہوگئے ——— آج کے اخبار

سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر چار پانچ ہزار آدمی ہلاک ہوگئے۔ ایک دو شہر ہی تباہ ہوگئے ـــــ بس اتنی سی بات کا ایک ہنگامہ برپا ہے! گویا کہ زلزلہ ایک بالکل نئی قسم کا واقعہ ہے جو انسان کی زندگی میں پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا، ایک ایسا حادثہ ہے کہ اس جیسا پہلے نہ سنا گیا نہ دیکھا گیا۔ گویا کہ کل سے پہلے نہ کبھی کوئی دیوار گری تھی، نہ کوئی محراب شق ہوئی تھی، نہ کوئی مرا تھا! اور گویا چار پانچ ہزار آدمیوں کا مرجانا تو بالکل ہی عجیب واردات ہے جو آج تک کسی انسان کے خیال و گمان میں بھی نہ آئی تھی!!

ـــــ صبح ہی صبح میر صاحب دوڑے ہوئے آئے، ارے جناب! کل زلزلہ آیا، کیا قیامت کا زلزلہ تھا، اللھم احفظنا، کوئی جھٹکا آپ نے بھی محسوس کیا؟ میں میر صاحب کی بدحواسی کو دیکھ کر ہنس پڑا۔ زلزلہ؟ زلزلے تو ہماری زندگی میں روز آتے رہتے ہیں، نئی کیا بات تھی میر صاحب؟ میر صاحب کی اور میری گفتگو بہت دلچسپ تھی، جو کچھ یاد ہے لکھتا ہوں۔

**میر صاحب**۔ کیوں حضرت آپ نے بھی کوئی جھٹکا محسوس کیا؟

**میں**۔ جی ہاں! میں ٹھیک دو بجکر ۵ منٹ پر بوتل سے گلاس میں لوٹ رہا تھا، جھٹکا جو آیا چھلک گئی! اور وہ اس وقت میرے پاس تھیں وہ گھبرا کر میرے سینہ سے چپٹ گئیں، اور میں نے جو چھت کو ہلتے دیکھا تو میں سمجھا کہ آج آب گلرنگ ذرا تیز تھا اور میں نے میر صاحب جلدی سے ایک گلاس خالی کر کے دوسرا بھر لیا، میں نے کہا اگر چھت سر پر گر پڑی تو میں ایک آخری جرعہ سے کیوں محروم رہ جاؤں، کیوں

میر صاحب! یہ نہ کرتا تو کیا کرتا؟

**میر صاحب** حضرت! مذاق تو چھوڑیئے، یہ کیا موقع ہے؟ ——

**میں۔** مذاق؟ مذاق کیسا میر صاحب؟ میری آپ کی گفتگو ہمیشہ سنجیدہ ہوتی ہے زلزلہ آیا، اس میں تو کلام نہیں، یہ اندیشہ بھی بجا نہ تھا کہ مکان گر پڑتا اور میں دب کر مر جاتا، بلکہ میرے ساتھ وہ بھی مر جاتیں جو اس وقت آرائش خلوت تھیں ان امکانات میں مذاق کی گنجائش کہاں؟ مگر ایسا ہو جاتا تو آئندہ کے بہت سے امکانات سے بہتر ہوتا، رات میں بچ گیا، اور اگر اسی طرح آئندہ زلزلوں سے بھی بچتا رہا تو بڑھاپا شروع ہو جائیگا صحت خراب ہونے لگے گی۔ زیادہ ہوگا تو سر میں درد ہوا کریگا، پھر گردوں میں درد ہوا کریگا پھیپھڑے خراب ہو جائینگے جگر ماؤف ہو جائیگا۔ دس پانچ مہینے پلنگ پر پڑا رہونگا۔ اطبا اور ڈاکٹروں کا تختہ مشق بنونگا، آپ جیسے دوستوں کو تیمار داری کی تکلیفیں برداشت کرنی ہونگی —— ان مصیبتوں کے بعد مشکل سے مرونگا —— دس برس بعد جو کچھ ہونا ہے وہ رات ہی ہو جاتا —— ایک ہاتھ میں جام شراب ایک ہاتھ یار کی گردن میں، اوپر سے گرتی چھت —— صبح کو آپ سب احباب آکر پتھر، اینٹوں اور کڑیوں کے ڈھیر کے نیچے سے میرے کچلے ہوئے جسم کو نکالتے! ——

**میر صاحب** توبہ توبہ! حضرت! آپ تو موت سے مذاق کرتے ہیں۔

**میں۔** مذاق وذاق نہیں میر صاحب! بات یہ ہے کہ جب مسافر کو اپنی منزل پر جانا ضرور ہو تو قریب کا راستہ کیوں نہ اختیار کرے دلی سے کلکتہ جانا ہو تو کشمیر

ہو کر کیوں جائے! ابھی آپ کچھ ہی کہیں، میں تو یہی کہتا ہوں کہ رات بڑا اچھا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔

**میر صاحب** ۔ لاحول ولاقوۃ، آپ بھی کیا باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے ملک کے ایک حصے میں قیامت صغریٰ بپا ہے۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں، ہزاروں انسان بے خانماں ہو گئے! ——

**میں** ۔ اجی میر صاحب! میر صاحب! ذرا تو ٹھہرئیے، آپ تو منہ اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں ذرا لگام کھینچے ہوئے! سوچتے نہیں مکے چلے جاتے ہیں، آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ گویا دنیا میں جو کچھ نہ ہونا تھا، کبھی نہ ہوا تھا، وہ سب ہو گیا۔ اے حضرت بچے تو سبھی یتیم ہوا کرتے ہیں۔ میں اور آپ، دو یتیم تو یہیں بیٹھے ہیں، عورتیں بھی سب کبھی نہ کبھی بیوہ ضرور ہوتی ہیں مکانات ویسے بھی مسمار ہوا ہی کرتے ہیں —— پھر نئی بات آپ کو کیا معلوم ہوئی رہا یہ امر کہ ہزارہا آدمی بے خانماں ہو گئے اور ہمدردی کے مستحق ہیں تو جناب اس دنیا میں کروڑوں انسان ہر لمحہ مبتلائے عذاب رہتے ہیں ان کروڑوں میں اگر دس پانچ ہزار کا اضافہ ہو گیا تو آپ کی روح کیوں تحلیل ہونے لگی؟ یہ تو ماں باپ کی غلطی ہے کہ بچے یتیم ہو گئے۔ انھوں نے پیدا ہی کیوں کئے، —— جو عورتیں بیوہ ہونے سے گھبرائیں وہ شادی ہی کیوں کریں، اور جو لوگ بے خاناں ہونے سے ڈریں وہ مکانات ہی کیوں بنائیں، جائیدادیں کیوں خریدیں، بستیاں اور شہر کیوں آباد کریں —————— میر صاحب بیچارے کچھ نہ سمجھے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، کچھ بسورنے لگے، جب میر صاحب سے جواب

بن نہیں پڑتا تو بسورنے لگا کرتے ہیں! میں نے کہا میر صاحب! یہ جو ہمدردی کا جذبہ انسان سے ظاہر ہوتا ہے اس کی حقیقت بھی کچھ آپ کو معلوم ہے یہ جذبہ درحقیقت خوشی اور اطمینان کا جذبہ ہے، اس کا تجزیہ کیجئے تو اس کے اندر بڑا عنصر خوشی اور اطمینان معلوم ہوگا (میر صاحب نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوب سکیڑ کر مجھے گھورنا شروع کیا) جب کوئی شخص کسی مصیبت زدہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے تو وہ گویا اپنے اطمینان و آسائش کے مقابلے میں اس شخص کی مصیبت کو دیکھتا ہے، اور اس امر سے مطمئن ہو کر کہ میں خود بعافیت ہوں کہتا ہے "افسوس زید کس قدر بیمار ہے" وہ ڈرتا ہے کہ کہیں وہ خود اس قدر بیمار نہ ہو جائے اور خوش ہے کہ اس کی یہ حالت نہیں!! کچھ نہیں میر صاحب یہ ساری ہمدردی کچھ خوف ہے اور کچھ خود غرضی! کسی کو مرتے دیکھتے ہو تو زبان سے کہتے ہو کہ افسوس مر گیا بیچارہ، اور دل میں کہتے ہو کہ کہیں ہم نہ مر جائیں، شکر ہے کہ زندہ ہیں، بھئی فی الحال یہی غنیمت ہے کہ اسی کو موت آئی۔ ہم زندہ رہے، غنیمت ہے! یا جب کسی کو فقر و فاقہ میں مبتلا دیکھتے ہو تو کس قدر ہمدردانہ لہجے میں کہتے ہو، ہائے بیچارے پر کیسی مصیبت پڑی ہے، مگر اس وقت تم اپنے بنک کے پاس بک کی آخری میزان کا تصور کرتے ہوتے ہو اور تمہارا دل چپکے چپکے کہتا ہوتا ہے، شکر ہے، میرے پاس تو دولت کافی ہے۔ خدا نہ کرے میں فاقے کروں! تو میر صاحب قبلہ! ہمدردی ومدردی کو رکھئے بالائے طاق۔ جن کو مرنا تھا مر گئے۔ جن کو یتیم ہونا تھا ہو گئے۔ ہمارا آپ کا وقت آئیگا تو ہم بھی لٹھہ کا آدھا تھان لپیٹ کر قبر میں جائینگے، اور ممکن ہے

کہ کفن بھی نصیب نہ ہوا آخر وہ ایسی بات کیا ہے جس کے لیے آپ اخباروں کا پلندہ بغل میں ڈالے ہوئے، صبح ہی صبح میرے غریب خانے پر نازل ہو گئے

اے جناب! زلزلے تو صبح سے شام تک آتے رہتے ہیں، یہ کیا ضرور ہے، کہ جب زمین ہلے جب ہی آپ کہیں کہ زلزلہ آیا؟ جب میں کسی حسین عورت کو دیکھتا ہوں تو زلزلہ آتا ہے۔ جب آپ کی سیدانی آپ کو ڈانٹتی ہیں تو زلزلہ آتا ہے۔ جب میرے گھر کسی شب کو شراب کا گودام خالی ہو جاتا ہے تو زلزلہ آتا ہے آپ کا بڑھاپا زلزلوں سے خالی نہیں اور میری ساری جوانی زلزلوں سے معمور ہے پھر اس اختلاج قلب کے کیا معنی؟ ——— بسورتے کیوں پھر رہیے افسوس کہ میر صاحب، تم پیتے نہیں، ورنہ ایک جام لبریز پیش کرتا، اور کہتا کہ ہاں

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو

——— میں چھوٹی میز پر سے سگریٹ کا بکس اٹھانے مڑا اور پھر جو لوٹا تو دیکھا میر صاحب معہ جوتیوں کے غائب ——— سیدھے محلہ کی مسجد میں گئے ہونگے، نفل پڑھے ہونگے، توبہ کی ہو گی، میرے لیے ہدایت اور نجات کی دعائیں مانگی ہونگی اور زلزلہ کا خیال آیا ہو گا تو ردّ بلا کا وظیفہ پڑھنے بیٹھ گئے ہونگے ——— واہ میر صاحب، واہ ———

## ۱۴ر جولائی ۔

ایک مہینہ بمبئی کی سیر و تفریح میں گذرا، چند پرزوں پر وہاں کے کچھ مشاہدات لکھ لیے تھے۔ خدا جانے وہ پرچے کہاں پھینک دیئے، تھکا تھکایا گھر آیا ہوں،

سوچتا جاتا ہوں اور لکھتا جاتا ہوں۔ بہت سی باتیں یاد نہ رہیں خیر جو یاد ہیں آگئیں تو لکھ لوں۔ ہر وہ بات جس کا تعلق عورت سے ہو مجھے عموماً یاد رہتی ہے، سوائے اس عورت کے، کہ عورتیں ہوں تعداد میں زیادہ اور ایک کی یاد دوسری کی یاد پر چڑھتی چلی جائے! ——— بمبئی کی سیر زیادہ تر طالبعلمانہ تھی، یعنی "فن کے متعلق" معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ حسن فروشی کی ادنیٰ دکانوں پر اور عامیانہ بازاروں میں، ان گلی کوچوں میں جہاں "شرفا" دن کے وقت نہیں جاتے مگر رات کو جانے میں کچھ حرج بھی نہیں سمجھتے، ہر جگہ عورت کی فطرت کا "مطالعہ" پُرلطف بھی ہو سکتا ہے اور عبرت انگیز بھی۔ مجھے لطف سے کام ہے، عبرت کی آنکھ بند رکھتا ہوں۔ پھر بھی بمبئی کے اس بے تکلف اور بے حجاب طبقہ کی زندگی کا فلسفہ میرے لئے دلچسپ تھا۔ اس لئے کہ نیا تھا۔ پہلی دفعہ یہ تماشا میں نے دیکھا کہ سر بازار بلایا اور پکارا گیا ہوں، ہندوستان کی عورت مرد کے آگے بڑھنے کا انتظار کرتی ہے، مگر بمبئی کی یہ بین الاقوامی آبادی خود مردانہ وار آگے بڑھ کر مرد کو ٹوکتی ہے کدھر چلے! ادھر آؤ۔ آپ ان کے دروازوں کے قریب سے گذریئے وہ عجیب عجیب آوازوں سے مختلف اور نئی نئی زبانوں میں آپ کو مخاطب کرتی ہیں جس وقت آپ ان کے "عیش کدہ" میں داخل ہوں "مائی ڈیر" اور "ڈارلنگ" کی بھرمار رہتی ہے۔ جب آپ کے دونوں پاؤں چوکھٹ کے اس طرف پہونچ گئے تو پھر پہلا سوال ہوتا ہے "ہاؤ مچ؟" فضولیات اور تمہیدات کی وہاں اجازت ہی نہیں، وقت بہت قیمتی ہے۔ حاشیہ کی عبارت بالکل نہیں، جو کچھ ہے متن ہی متن ہے! گاہک آئے، سودا خریدے اور جائے! با فضولی چہ کار! ——— ایک دن اتفاقاً ایک ذرا پڑھی لکھی،

چھوکری مل گئیں، جب انھوں نے بھی خالص کاروباری انداز اختیار کیا تو میں نے ان سے کہا "مس صاحبہ! مجھے تو آپ کی اس تاجرانہ ذہنیت سے گھن سی آتی ہے عورت و مرد کی یکجائی کا لطف مزے مزے کی باتوں اور دلچسپ گفت و شنید میں ہے۔ جسم کی کشش تو تعیش کا محض ایک جزو ہے، یہ نہیں کہ نانبائی کی دکان پر دو خمیری روٹیاں جس طرح بنا حلق سے اتاریں، دو گھونٹ پانی پیا اور دانت کریدتے ہوئے چل نکلے۔ تعیش کی لازمی شرط اطمینان اور فرصت ہے۔ عیش پسند کھانا بھی کھاتے ہیں تو دو گھنٹہ آہستہ آہستہ منہ چلانے میں صرف کرتے ہیں تاکہ ہر لقمہ کے پورے مزے سے ان کی زبان لطف اندوز ہو جائے اور ہر کھانے کے آب و نمک سے ان کے نفس کو زیادہ سے زیادہ ممکن وقت تک مسرور ہونے کا موقع ملے۔ عورت کی مجلس آرائی کا منشا بھی ہم لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ نفس کا "کیف" شراب کے نشہ کی طرح دیر تک قائم رہے! ـــــ یہ سب سن کر وہ کہنے لگی۔ کس ملک کے جانور ہو؟ لطف صحبت میں وقت ضایع کریں تو پھر فائدے کیا کریں، تم جیسے آنے والے کوئی جاگیر یا

جائداد تو ہمارے نام لکھ نہیں جاتے ـــــ میں نے کہا، خفا کیوں ہوتی ہو! مس صاحب، انسانوں کی طرح غصہ نہ کرو، تم انسان ہی کب ہو۔ تجارتی مشینیں ہو! مشین کو غصہ نہیں آیا کرتا!" ہاں! ہم انسان نہیں!" اس نے کہا" ہاں! ہم انسان نہیں، مگر کس نے ہمیں حیوان بنایا؟ دوکاندار وہی مال تو دکان پر رکھتا ہے جس کے گاہک آتے ہوں یہ نہ کرے تو دکان کیونکر چلے! تم حیوانوں کا جو کچھ مذاق ہے اسی کے مطابق ہم اپنی دکان سجاتے ہیں۔ ایک دن میرے گھر بیٹھ کر تماشہ دیکھو، کیسے کیسے سیٹھ یہاں آتے ہیں۔ میں کبھی بھول کر دو باتیں شروع کر دیتی ہوں تو بغلیں جھانکنے لگتے ہیں گھبرا کر

بھاگتے ہیں، تم "مجلس آرائی" کی توقع کرتے ہو اور حال یہ ہے کہ میرے خریدار اس طرح میرے پاس آتے ہیں کہ گویا سگریٹ کی ایک ڈبیا خریدنے آئے تھے!" ——

ایک دن ایک مغربی خاتون سے ملاقات ہوئی۔ کہنے لگی ہمارے ملک میں جس شغل کو تم محبت اور عیش کہتے ہو وہ بھی تجارتی زندگی کے سانچہ میں ڈھل گیا ہے۔ بڑے سے بڑے سودے کم سے کم وقت میں طے ہوتے ہیں! ——

—— اصل سوال وقت کا ہے نہ مرد کے کام کا ہے نہ عورت کا! اور یہ بھی کہا: ہر شخص مصروف اور عدیم الفرصت ہے! ایسی زندگی کے نظام اوقات میں ہر شغل کے لیے نپا تلا وقت مقرر ہے، یہ نہ ہو تو مرد بھی فاقے کریں اور عورتیں بھی! ——

ایک اور ملیں، ان سے میں نے پوچھا، تم نے کبھی کسی مرد سے محبت بھی کی ہے۔ بیچاری میرا منہ تکنے لگی "محبت؟" اس نے کہا، میں تو دن رات میں چار چار مردوں سے "محبت" کرتی ہوں، جو کوئی میرے گھر آتا ہے اس سے محبت کرتی ہوں، تیرہ برس کی عمر میں یہ پیشہ اختیار کیا —— اختیار کرایا گیا —— اس وقت سے میں نے یہی سیکھا کہ ہر مرد جو آئے اس سے "محبت" کرنی چاہیے۔ جب تک وہ ٹھہرے دس منٹ، دو گھنٹہ، یا دو مہینہ۔ میں نے کہا، عجب بیوقوف ہو، میں ایسی محبت کا ذکر نہیں کرتا، اصلی محبت، اصلی! ہنسنے لگی —— کیا، محبت کی بھی قسمیں ہیں! اصلی بھی ہوتی ہے اور نقلی بھی؟ میں نے کہا بیوقوف چھوکری! وہ ہنستی رہی، تو صاحب یہ نئی بات سنی، محبت کی بھی دو قسمیں، اصلی بھی اور نقلی بھی! جیسے میرا زیور، بہت سا نقلی ہے، اور کچھ اصلی ہے! آپ کے

ملک میں دو قسم کی محبت ہوتی ہے۔ واہ سیٹھ صاحب واہ! خوب ہنسی! خوب ہنسی! میں بھی ہنسا۔ ہنستا نہ تو کیا کرتا۔ کچھ عبرت بھی ہوئی، شرم بھی آئی! پھر میں نے کہا، مجھے کیا۔ میں نے عورتوں کی ہمدردی کا ٹھیکہ تو لیا نہیں۔ جب وہ نہیں جانتی کہ محبت کیا ہے؟ تو اچھا ہے نہ جانے! ———

## ۱۶ر جولائی۔

ایک دن بمبئی میں ایک صاحب بہت ہی گھبرائے ہوئے آئے، کہنے لگے سنا آپ نے؟ نجومیوں نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ ۸ ارتاریخ کو پھر بہت بڑا زلزلہ آنے والا ہے۔ جس کا رُخ زیادہ تر بمبئی کی طرف ہوگا، اب کیا کرنا چاہئے جناب؟ میں نے کہا غلطی تو آپ ہی لوگوں کی ہے۔ اب صلاح لینے سے کیا فائدہ؟ وہ کہنے لگے خدا کے لئے! ہماری کیا غلطی ہے؟ میں نے کہا۔ سارے مکانات آپ لوگوں نے زمین پر بنا ڈالے یہ غلطی کچھ کم ہے۔ اگر پہلے ہی یہ مکانوں کو زمین سے دو گز اوپر بناتے تو پھر زلزلہ آیا کرتا، زمین ہلا کرتی، آپ بےفکر رہتے! آخر مکانوں کو زمین سے چپکا کر بنانے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ بیچارے سمجھے کہ میں نے کوئی پتے کی بات کہی، سوچنے لگے، پھر دوسرے لوگوں کو مسکراتے دیکھ کر کچھ سمجھے، کہنے لگے۔ واہ صاحب! واہ! یہاں تو جان پر بن رہی ہے اور آپ کو دل لگی سوجھی ہے! ۔

جان بہت ہی قیمتی چیز سمجھی جاتی ہے، —— جان! حالانکہ وہ انسان کے وجود میں سب سے کم قیمت چیز ہے۔ جو چیز اپنی نہ ہو، اپنے قابو کی نہ ہو اس کی قیمت ہی کیا؟ لیکن ایک دنیا ہے کہ اس "جان" کو اپنی "جان" سمجھ رہی ہے۔ باوجودیکہ یہ بھی خبر

نہیں کہ وہ ہے کیا، کہاں ہے، کہاں سے آتی ہے، کہاں جاتی ہے۔ جب وہ جانے لگتی ہے تو ایک لمحہ بھی آپ اس کو روک نہیں سکتے! پھر بھی وہ آپ کی ہے! ــــ سچ پوچھئے تو انسان کی جنس کائنات میں احمق ترین جنس ہے سرتاپا احمق کامل! پھر اس پر اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ! دعویٰ دنیا کی خلافت اور حکومت کا! حالانکہ حکومت کا تو یہ حال ہے کہ اپنے ہی جسم کی ایک انگلی پر قابو نہیں، سائنس ہے، طب ہے۔ علوم عقلی و نقلی ہیں۔ کہیں کرہ ہوائی کو فتح کیا جارہا ہے، کہیں سمندروں کی بادشاہت کا اعلان ہے۔ کہیں لوہے اور بجلی کے مصنوعی انسان بنائے جارہے ہیں، کہیں کتوں اور خرگوشوں کو مار کر زندہ کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔ کوئی مریخ تک سفر کرنے کا تہیّہ کر رہا ہے کوئی انسان کی عمر طبعی میں اضافہ کرنے کی ترکیبوں پر غور کر رہا ہے! ــــ لیکن ــــ کرہ ہوائی اور سمندر کے بادشاہ سلامت اور مریخ کے مسافر سب کا دم پٹ سے نکل جاتا ہے اور لمبے لمبے لیٹ جاتے ہیں ــــ دیوانے بیوقوف، گدھے!!

## ۱۷ر جولائی۔

شام میاں اختر بہت ہی سنجیدہ صورت بنائے ہوئے آئے مجھ سے کہا کچھ مشورہ کرنا ہے تخلیہ میں، ــــ ان کی سنجیدہ صورت دیکھ کر میں تو سمجھا کسی نئی سہ پارہ کی خبر لائے ہونگے۔ لیکن وہ اپنی حماقت کا ایک نیا شگوفہ لے کر تشریف لائے تھے۔ کہنے لگے میری والدہ کی رائے ہے کہ میں شادی کرلوں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا معاف کرنا، اگر آپ کی والدہ یہ فرماتیں

کہ میری (یعنی ان کی) یہ رائے ہے کہ میں (یعنی وہ) شادی کرکے اپنی بیوگی اور آپ کی یتیمی کا زمانہ ختم کردیں تو زیادہ مناسب ہوتا! مگر یہ کیا کہ شادی آپ کی اور رائے والدہ کی؟ دنیا میں انسان کو موت ایک دفعہ نہیں آتی۔ دو دفعہ آتی ہے۔ آدھا پہلی چوٹ میں مرتا ہے اور باقی آدھا دوسری چوٹ میں پہلی موت تو وہ ہوتی ہے جب اس نے ازدواج کی بیڑی اپنے پاؤں میں ڈالی سمجھئے کہ جوانی اور نصف زندگی کا خاتمہ ہوگیا ــــــ اور خاتمہ بھی بالخیر نہیں! شب عروسی سے بڑھاپے کا دور شروع ہوتا ہے۔ یعنی دوسری اور آخری موت کی تمہید! تم دیوانے تو نہیں ہوگئے کہ عین جوانی میں شادی! اپنی والدہ سے کہو، میرا بیاہ رچانا ہے تو کچھ دن اور زندہ رہئے، چالیس برس کی عمر ہوجائے، قوی ہونے لگیں سست، چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں ہانپنے لگوں، تب وقت آئیگا کہ میرا سہرا تیار کیا جائے، ابھی تو ان باتوں کی نوبت نہیں آئی!

کہا کیوں نہیں تم نے؟ آخر کہنے لگا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ تیری اولاد دیکھنے کی بہت تمنا ہے اور زندگی کا اعتبار نہیں، ــــــ زندگی کا اعتبار نہیں! یہ تو تمھاری والدہ کی بالکل جدید تحقیقات ہے، میاں اختر! ۸۰ برس اس دنیا میں گذارنے کے بعد ان کو معلوم ہوگیا کہ زندگی کا اعتبار نہیں!! تمھاری والدہ تو لقمان کی والدہ سے کم نہیں، ــــــ اب رہا اولاد کی تمنا کا سوال، تو مرد خدا صاف صاف کہہ کیوں نہیں دیتا کہ اولاد کی اب کیا کمی ہے جو اس کے لئے شادی کی جائے۔ تیرے کتنے ہی بچے گلیوں میں مارے مارے پھر رہے ہونگے، ان میں سے ایک کو پکڑ کر لے جا اور دکھا دے۔ لو اماں!،

اولاد تو، موجود ہے ـــــ میری جوانی کی محنتوں کا زندہ نتیجہ! دو چار پوتی پوتے ان کے حوالے کر دے، بیٹھی پالا کریں ـــــ اختر نے کہا تم اس وقت اپنی طبعی سنک میں ہو، جانے دو اس ذکر کو، میں نے کہا، یہ تو نہ ہوگا، تو نے اب ذکر چھیڑا ہے تو سن! شادی کے متعلق مجھے میرے خیالات معلوم ہیں، اب میں کہتا جاؤں تو لکھتا جا! جا کر اپنی اماں جان کو سنا دینا! ـــــ

۱۸ر جولائی ـــ

کل جو اختر نے اپنی شادی کا ذکر چھیڑا، اور میں نے حضرت کی مزاج پرسی شروع کی تو بھاگے، مگر میں کہاں جانے دیتا ہوں، پکڑ بٹھایا اور کہی ان کہی سب ہی کہی! کیسے فرمانبردار فرزند ہیں بیچارے! اماں کہتی ہیں بیاہ کر لے، سعادتمند کہتے ہیں، بہت خوب اماں! ـــــ اماں کہیں جا بیٹے کنوئیں میں ڈوب مر، یا تھوڑی سی سنکھیا کھالے، یا اپنی ناک کاٹ کر بازار میں ناچ، تو بھی فرزند دلبند شفقت مادری کے جواب میں فرمانبرداری پر کمر بستہ ہو جائینگے! واہ رے ہندوستان جنت نشان کے بیٹو اور واہ رے یہاں کی کالی کالی اماؤں!!

میں نے کہا، میاں اختر! جوانی میں بیاہ کرنا ایسا جیسے ہرن نے اپنے پاؤں میں نعل ٹھکوا لئے، اور بڑھاپے میں ایسا جیسے بکرے کی داڑھی پر مہندی لگائی! آخر نکاح کا منشا رکیا ہے؟ اگر منشا، افزائش نسل ہے، تو یہ بغیر نکاح اور برات کے بھی ممکن ہے اور اگر منشا "سماج" کا انضباط ہے تو وہ بھی "دو بول" پڑھ دینے پر منحصر نہیں، یہ سب باتیں تو اشخاص کی ذہنیت پر منحصر ہیں۔ اور ازدواجی پابندی تو اس قدیم عہد کی یادگار ہے جب دو انسان ہیولیں

کی طرح ایک مادہ کے لئے لڑتے تھے۔ جب معمولی خانگی ضروریات میں سے ایک عورت بھی تھی، لیکن اب تو ضرورتیں بدل گئی ہیں، ان ضرورتوں کو پورا کرنے والی اشیاء کی نوعیت بھی بدل گئی ہے اب اپنے گھر میں روشنی کرنے کیلئے کوئی شخص نہ بازار سے تیل لاتا ہے نہ چراغ جلاتا ہے، بجلی کا ایک ہی تار سارے شہر میں پھیلا ہوا ہے اور ہر شخص ایک بٹن دبا کر اپنی ضروریات رفع کر لیتا ہے، زیادہ متمدن دنیا کے لوگ تو گھروں میں باورچی خانہ کا دھندا بھی ناپسند کرتے ہیں بھوک لگی، سرراہ ہوٹل میں گئے، کھالیا۔ حقہ بھرنے، تازہ کرنے، سلگانے کا جھگڑا ہی ختم ہو گیا، سگریٹ کی ڈبیا جیب میں ہے! —————— رہا اولاد کا سوال تو ——— میں نے کہا ——— بیوقوف! اگر تازے تازے پھل بازار میں بکثرت میسر آسکتے ہوں تو باغ لگانا۔ درختوں کا پرورش کرنا اور آبیاری کی دردسری برداشت کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے؟ پہلے لوگ مچھلیاں پکڑنے دریا پر جاتے تھے۔ دن بھر کی سردی یا گرمی کی تکلیف اٹھاتے تھے، تب رات کو ایک مچھلی پکڑ کر کھاتے تھے، اب پکڑی پکڑائی مچھلیاں، اچھی سے اچھی ٹین کے ڈبوں میں بند جہاں چاہو خرید لو اور کھالو، پھر جو تم دریا کے کنارے بیٹھ کر انگھو تو تم سے زیادہ گدھا کون؟ رہا غلہ سو غلہ یا پھل پیدا کرنے کیلئے یہ کیا ضرور ہے کہ زمین کی زمینداری کے تمام حقوق بھی حاصل کئے جائیں!! ——— میں نے کہا ——— اپنی اماں سے کہو کہ اماں جانی! غلطی یہ ہوئی کہ آپ اپنے زمانے کے بعد بھی زندہ ہیں، قافلہ جا چکا، تم پیچھے رہ گئیں، اب دو وقت روٹی کھائے جاؤ اور دن گذارتی رہو۔ جس دریا میں تیر نہ سکو اس کے پانی سے دور ہی رہو!

—— درحقیقت انسانوں کی زندگی کی بڑی ٹریجڈی یہی ہے کہ ان کا زمانہ گذر جاتا ہے، ماحول بدل جاتا ہے، اور وہ باقی رہ جاتے ہیں، آخر عمر میں وہ تو پرانے ہوتے ہیں اور دنیا نئی، کہاں جائیں کیا کریں، کوئی ان کی بات نہیں سمجھتا، کوئی ان کو پہچانتا نہیں —— الّو کی طرح کسی ویرانے میں بیٹھے اونگھا کرتے ہیں۔ نئی دنیا ان کی سمجھ میں آتی نہیں اور جب خواہ مخواہ وہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو لوگ ان پر ہنستے ہیں اور ان کی خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ہنستے ہیں!! —— میں نے کہا اختر، نکاح اور ازدواج کی، پابندیاں عہد قدیم کی تاریکیوں کی یادگار ہیں، مہذب دنیا اب ان لغویات سے آزاد ہوتی جاتی ہے اور جنگ عظیم کے بعد تو عورت اور مرد کے جنسی اور اجتماعی تعلقات کا ایک بالکل نیا تجربہ روس میں کیا جا رہا ہے وہاں خانگی اور خاندانی پابندیاں یکسر مٹائی جا رہی ہیں اور زندگی کا سارا نقشہ بدلا جا رہا ہے۔ تم پڑھے لکھے نوجوان ہو، تم کو سمجھنا چاہیے کہ عہد جدید کے دروبست میں تمھاری اماں جان کا وجود محض بے ضرورت بلکہ ایک حد تک حارج اور مخل ہے۔ یہ مجبوری ہے کہ وہ زندہ ہیں اور زندہ رہنے پر اصرار کرتی ہیں، لیکن سانس لینے اور روٹی کھانے کے علاوہ ان کے تمام حقوق ساقط ہو چکے، اس قسم کے ماں باپ اس زمانہ میں چھٹی انگلی یا "اپنڈی سائیس" کی طرح ہیں —— بیکار مگر موجود! —— اختر کہنے لگا، خدا کے لئے اس لیکچر کو ختم کرو، میں نے کب کہا تھا کہ بیاہ کرتا ہوں، میں نے تو کہا تھا، کہ اماں کا یہ خیال ہے —— مگر —— وہ کہنے لگا —— میں نے وہیں اس کی زبان پکڑی اگر مگر کچھ نہیں! میں سمجھتا ہوں، تمھارے منتشر دماغ میں جو احمقانہ خیالات آرہے

ہیں! میاں بیوی کی الفت کے خواب اگر تم دیکھ رہے ہو تو یاد رکھو، میاں بیوی صرف وہی خوش رہتے ہیں جن کے تعلقات میں اس اصطلاح کا دخل نہ ہو جس کو محض اس لئے کہ کوئی دوسرا لغو تر لفظ میسر نہیں آتا ــــــ "محبت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ عورت اور مرد کے تعلقات اسی وقت تک پرکیف ہوتے ہیں جب تک کہ ان دونوں کے درمیان نکاح کا واسطہ قائم نہ ہو جائے!! ــــــ اگر ایک دروازے سے قاضی صاحب نکاح پڑھانے تشریف لائے ہیں تو یقین جانو کہ دوسرے دروازے سے سارا لطف زندگی نکل کر بھاگتا ہے دونوں ایک جگہ نہیں ٹھہر سکتے ــــــ نکاح اور لطف زندگی! عورت جب تک خالص عورت ہے اور مرد جب تک خالص مرد ہے ــــــ نہ وہ بیوی ہے نہ یہ شوہر ــــــ ــــــ اس وقت تک زندگی میں مزا ہے اور جب "قبول کیا میں نے اس کو" درمیان میں آیا تو دو اچھے خاصے انسان میاں بیوی بن کر رہ گئے ــــــ خشک چڑ چڑے، لڑاکا، بیمار، آزاری، یکساں بھنکتے ہوئے، منہ ٹیڑھے ــــــ اختر کچھ گرمائے کہنے لگے جو منہ میں آئے بکے جاؤ، مگر ہمیں تو یاد ہے، ابھی دو تین ہی مہینہ ہوئے کہ تم "لیلیٰ" سے نکاح کرنے کے لئے مرے پھرتے تھے، اس وقت کہاں تھا، یہ فلسفہ اور کہاں تھیں یہ موشگافیاں؟ ــــــ میں نے کہا ــــــ عارضی دیوانگی قانون کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے، اس حالت میں لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ قتل کر ڈالتے ہیں گالیاں دیتے ہیں، اینٹیں مارتے ہیں ــــــ وہ سب عقل کا فتور ہے ــــــ یہ کیا دلیل لائے تم! ــــــ اختر ہنس کر کہنے لگا، اگر وہ دیوانگی کا دورہ تھا تو پھر بھی ہو سکتا ہے وہ دورہ! کسی دن دورہ پڑ گیا۔ ایک گھر والی گھر میں لا کر بٹھا

دو گے، پھر ہم کرینگے ستر سلام! ــــــ میں نے کہا بھاگ! اُلو کہیں کا! ــــ

## ۲۹ر جولائی ـ

قدموں کی آہٹ پہچانتا ہوں ــــــ مطلوب و مقصود جب اونچی ایڑی کی جوتیاں پہنے کھٹ کھٹ کرتا آتا ہے تو میں دور سے پہچان لیتا ہوں کہ یہ کھٹ کھٹ جانکی بائی کی ہے یا رادھا بائی کی، یا زینت جان کی ــــ! مگر جب قدموں کی آواز ہوتی ہے کھٹر، کھٹر، تو میرے اعصاب پر چوٹ لگتی ہے اور متلی شروع ہو جاتی ہے ــــ اب وہ آرہے ہیں ــــــ میز پر سے گلاس وغیرہ اٹھا کر پلنگ کے نیچے رکھ دیتا ہوں، کوئی بی صاحب جلوہ افروز ہوتی ہیں تو ان سے کہتا ہوں، نیک بخت ذرا دوسرے کمرے میں چلی جاؤ، اپنا پاندان بھی لیتی جاؤ، آب آمد تیمم برخاست ــــــ اس طرح وہ تشریف لاتے ہیں ــــــ مولانا خیر الزماں صاحب ــــــ جب وہ آتے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے ــــــ کیا بتاؤں کیا چاہتا ہے! مولانا کھانستے، کھنکارتے، گلے کے بلغم کی ڈھیریاں سارے صحن میں اور سیڑھیوں پر جماتے پیک کی پچکاریاں مارتے، ڈاڑھی کھجاتے تشریف لاتے ہیں ــــــ السّلام علیکم ــــــ ابتدا اس علامے ہوتی ہے ــــــ سلامتی ہو تم پر ــــــــــــــ

مذہب، مذہب! مکر، مکر! مغرب ہو یا مشرق، زور، حیلہ، فریب، یہ سب ہماری زندگی کے جزو لاینفک ہو کر طبیعت ثانیہ ہو گئے ہیں۔ کچھ مذہب نے سکھایا کچھ تمدن نے، مگر اہل مذہب پر زیادہ الزام اس لئے کہ وہ صداقت اور پاکی کے مدعی ہو کر مکر و زور کے مرتکب ہوتے ہیں

"السلام علیکم" کہتے ہیں اور اس کے ساتھ "ورحمتہ اللہ وبرکاتہ" بھی ــــ
مگر جو زبان سے کہتے ہیں ــــــــ اس کے بالکل برخلاف دل میں ہوتا ہے
زید سے ملاقات ہوتی ہے، دل کہتا ہے مرجائے یہ شخص، تباہ ہوجائے مٹ
جائے اور زبان کہتی ہے "سلامتی ہو تم پر" دل کہتا ہے اس کو زہر بھرا ایک
پیالہ پلادو، زبان کہتی ہے "عمر دراز" ! دل کہتا ہے، اس مردود کی بوٹیاں
نوچو، زبان کہتی ہے "خدا سلامت رکھے" یہ حقیقت ہے اس پاکیزگی نفس
اور خلوص قلب کی، جس کی تعریف مشرق میں مذہب اور مغرب میں "علم اخلاق"
دیتا ہے! دل کی بددعائیں زبان پر دعائیں بن کر آئیں اور زہر شربت کی،
شکل میں پیش کیا جائے ــــــــ اس کا نام ہے اخلاق حسنہ!!
ہمارے مولانا "السلام علیکم" کہتے ہوئے آتے ہیں۔ اس لئے ان کو اپنے مدرسہ
کے لئے مجھ سے چندہ لینا ہے، ہم "وعلیکم السلام" کہہ کر مصافحہ کرتے ہیں، اس
لئے کہ ابھی تک مذہب اور عاقبت کا ایک بے معنی خوف ہمارے دلوں
میں باقی ہے ــــــــ عقل کہتی ہے کہ مذہب محض ایک
ڈھونگ ہے مگر کمزور دل لرزتا ہے کہ جنت، دوزخ کی باتیں کہیں واقعی،
صحیح نہ ہوں، کہیں مرنے کے بعد سچ مچ دوزخ کی کھڑکیاں قبر میں کھل
جائیں، ہم سے تو وہی بیوقوف اچھے جو آنکھیں بند کرکے مذہب کی پیروی
کرتے ہیں، یا وہ اچھے جو صاف صاف مذہب کے منکر ہیں، ان کو کچھ بھی،
نہیں تو ایک قسم کی یکسوئی تو حاصل ہے۔ ہم لوگ تو ادھر میں معلق ہیں ــــ
نہ بیتر نہ بٹیر!! ــــــ اصل یہ ہے کہ انسانی زندگی کی ابتدائی سادگی اور

پاکیزگی اتنے جالوں اور پھندوں میں پھنسادی گئی ہے کہ ان جالوں کے کتنے ہی
حلقے توڑ ڈالو پھر بھی پھندے باقی رہ جاتے ہیں۔ درس اخلاق سب مذاہب دیتے
ہیں مگر مذہب والوں میں عمل کی توفیق کم پیدا ہوتی ہے ــــ "وعلیکم السّلام"
مولانا تشریف لائے ــــ میں نے کہا ــــ (دل کہتا تھا کہ یہ بیوقوف کیوں
میرے اوقات کو خراب کرنے نازل ہوگیا) ــــ خیر حضرت مولانا تشریف لائے
بیٹھے، دو تین پان منہ میں ٹھونسے، اگالدان کو بلغم سے بھرا، پھر کہنے لگے ــــ
کیوں میاں! کبھی تم نے تاریخ اسلام کا بھی مطالعہ کیا، نفسیات کے نقطۂ نظر سے؟
میں نے کہا جی ہاں، میں دنیا کی تمام بڑی اقوام کے نفسیات کا مطالعہ کر چکا ہوں
فرمایا، تم نے مسلمان اور دیگر اقوام کی نفسیات میں کیا فرق پایا؟
میں نے کہا کچھ بھی نہیں، سب یکساں ہیں، جو عیب ایک میں ہے وہ باقی سب
میں بھی ہے ــــ کم وبیش ــــ اشکال مختلف ہیں ــــ ماہیت ایک
ہے۔ کہنے لگے۔ ہائیں! پھر تم نے کیا خاک مطالعہ کیا؟ میاں اسلام کی تعلیم
کو دیکھو اور دوسرے مذاہب کی تعلیم کو، زمین وآسمان کا فرق ہے! میں نے کہا
ہوگا، الفاظ مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں، اسلوب بیان بھی مختلف ہے مگر اچھی
باتیں اور بری باتیں سب مشترک ہیں اور ایک چیز سب ہی میں مشترک ہے
ــــ کہنے لگے ــــ وہ کیا؟ میں نے کہا وہ یہ کہ عمل خیر کی طاقت واستعداد
کسی میں نہیں، مگر تصنع سب میں ہے، اچھی باتیں جو ہیں وہ بے اثر ہیں، بری
باتیں عام ہیں! پادری، راہب، اسقف، پنڈت، مولانا، لباس مگر سب کے
جسم پر ہے دل میں کچھ ہی ہو عمل میں ضعف ہے اور تصنع! ان نفسیات کے متعلق

میرا مطالعہ تو صرف اتنا ہے کہ سب کے سب نفس کے بندے ہیں ——— سوائے ان چند کے جو دنیا سے قطع تعلق کر کے ہمالیہ کے کسی غار میں منہ چھپائے پڑے ہوں ——— سو راستہ ان کا بھی صحیح نہیں۔ وہ کوہ نشین متعکف ہم سے بھی سے زیادہ بزدل ہیں ——— دنیا کو سنبھال نہ سکے تو دم دبا کے بھاگے ——— مولانا کھانسے اجنت شروع کرنے سے پہلے کھانسا کرتے ہیں۔

بھائی میرے! ——— وہ بولے ——— پھر کیا تم دہریہ ہو گئے؟ لامذہب ہو گئے؟

میں نے کہا حضرت! نہ دہریہ ہوں نہ لامذہب، مسلمان ہوں بالکل ایسا ہی جیسے سب ہیں! ——— فرق صرف اتنا ہے کہ وہ کہتے نہیں، میں صاف صاف کہتا ہوں۔ دونوں عیدوں کی نماز عیدگاہ میں پڑھتا ہوں۔ گائے کا گوشت کھاتا ہوں بہت سخت قسم کا ہمدرد قوم ہوں، یعنی یہ حال ہے کہ قطب شمالی پر اگر کسی مسلمان بھائی کے اسلامی ناک میں ٹھنڈی ہوا گھس جاتی ہے تو مجھے اپنے آتشدان کے سامنے چھینکیں آنے لگتی ہیں! اگر ٹمبکٹو میں کسی مسلمان کا پاؤں پھسل جاتا ہے تو یہاں میرے جوتے میں ایک تکلیف دہ کیل نکل آتی ہے! مسلمانوں کو میں "خواب غفلت" سے بیدار کرنے کا اسلامی فرض بھی عنقریب انجام دینے والا ہوں ——— ذرا جوانی کے کاموں سے فارغ ہولوں، بڑھاپے کا گھنٹا بجتے ہی لیڈر قوم بن جاؤں گا، تمام مُردوں کو قبروں میں بیدار کردونگا۔ ——— مولانا بڑے ارادے ہیں میرے ——— پھر میں نے کہا ———

لفافہ خالی ہے مولانا، اس پر کیوں مہریں لگائی جا رہی ہیں ——— گھوڑا مُردہ ہے ناحق آپ لوگ کوڑے مار رہے ہیں ——— روٹی کمائی کسی نہ کسی طرح، ——— کچھ "کارِ خلوت" بھی کئے جائیے ——— چاہے مذہب کی آڑ میں چاہے ہم رندان بلاکش

کی طرح ـــــ جب وقت آئے چلے جائیے ـــــ جہاں سے آئے تھے ـــــ معلوم نہیں کہاں سے آئے تھے ـــــ باقی سب جھگڑوں کو چھوڑیئے! ـــــ

مولانا نے گفتگو کا رخ بدلا، کہنے لگے، تم نے سنا شہر میں طاعون شروع ہو گیا ـــــ میں نے کہا الحمد للہ! پانچ سات برس میں جب ایک دفعہ حضور وائسرائے یا گورنر بہادر اس طرف آجاتے ہیں تب تو شہر کی سڑکیں درست ہو جاتی ہیں اور نالیاں دُھل جاتی ہیں، اسی طرح دو چار برس میں جب طاعون آتا ہے تو شہر کی صفائی کا کچھ انتظام اور اہتمام ہو جاتا ہے، ان ہی دو کی وجہ سے شہر کی غلاظت کی مقدار کبھی کبھی کم ہوتی رہتی ہے! الحمد للہ نہ کہوں تو کیا کہوں، ـــــ مولانا کہنے لگے ـــــ

ـــــ میاں تم سے بات کوئی کیا کرے۔ الٹی کہتے ہو، سیدھی تو کہتے ہی نہیں اچھا یہ بتاؤ طاعون کا ٹیکہ لگوایا جائے یا نہیں؟ میں نے کہا، حضرت مولانا! اس زمانے میں الٹی باتیں ہی سیدھی ہیں! سیدھی بات بیوقوفی کی بات ہے! ٹیکہ کی ضرورت آپکو بالکل نہیں مجھے ہے، کہنے لگے، یہ کیوں؟ میں نے کہا آپ پچاس کی عمر سے گذر چکے اور میں ابھی تیس کی منزل پر بھی نہیں پہنچا۔ آپکے انتقال سے دنیا کا کوئی نقصان نہ ہوگا اور میں ابھی گاڑی کھینچنے کے قابل ہوں۔ فطرت کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہوں مجھے کچھ روز ٹھہرنے دیجئے، آپ آگے جائیے، دراصل ہم اور آپ فطرت کے رازوں سے واقف نہیں، وہ وقتاً فوقتاً وباؤں، طوفانوں، زلزلوں اور جنگ و جدل کے ذریعے گھر کی صفائی کرتی رہتی ہے۔ اس کے جھاڑو میں جس قدر خاشاک آجاتی ہے اسکو اپنے کوڑہ گھر میں پھینکدیتی ہے اس جھاڑو کا مقابلہ زمین پر پھیلے ہوئے تنکے نہیں کر سکتے۔ طاعون ایک بہت معمولی اصطلاح ہے، اس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ دو چار دن

کا بخار اور گلٹیوں کا درد اس سے تو بہتر ہے کہ ستر برس کی عمر میں آپ ذیابطیس گنٹھیا ضیق النفس سلسل البول اور خدا جانے کتنی بلاؤں میں گرفتار ہو کر ایڑیاں رگڑ رہیں اور آپ کے اہل وعیال تیمارداری کرتے کرتے پریشان ہو جائیں، دوست احباب عیادت کرتے کرتے تنگ آجائیں۔ اطبا نسخے لکھتے لکھتے تھک جائیں اور بڑی مشکل سے آپ کی روانگی کا وقت آئے ——— بیل گاڑی کا سفر کیوں کیجیے جبکہ آپ ایکسپریس یا طوفان میل میں سوار ہو کر جا سکتے ہیں!! ———

ہمارے مولانا ہنس دیئے، میں بھی ہنس دیا ——— پھر وہ اپنے بچے کچوں کا ذکر کرنے لگے، یہ تذکرہ ان کو بہت عزیز ہے اور ماشاء اللہ بچوں کے متعلق مولانا کا نظام الاوقات بھی بہت مرتب اور منظم ہے، ہر گیارہویں مہینہ کے شروع اور آخر میں ۴۴ کروڑ میں ایک کا اضافہ مولانا کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اس میں کبھی تاخیر نہیں ہوتی! نیکبخت ملانی جی مولانا سے اس معاملہ میں پورا تعاون کر رہی ہیں۔ دیکھیے کب تک مولانا کا یہ خیر جاریہ قائم رہتا ہے! ———

بچے مولانا کے سب بہت حسین ہیں ——— کوئی کانا، کوئی کالا۔ کوئی بہرا کوئی لنجا! ——— مگر مولانا کو اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے بعد وہ سب اسی خاندانی مسند رشد و ہدایت پر جلوس کرینگے اور جب تک جبہ وعمامہ کا اثر لوگوں کے دلوں میں باقی ہے ایک آنکھ، یا ایک ٹانگ، یا دو ٹانگ کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا! اللہ کے خالص بندے فانی اور جسمانی حسن صورت کے محتاج، کب ہوتے ہیں! اپنے خیال میں مولانا اسلام کی ایک بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں اور یہی کافی ہے ——— غرض یہ کہ مولانا نے دوپہر کا کھانا

میرے ساتھ کھایا، جب میں ستار لیکر بیٹھا اور مولانا سے کہا کہ سنئے کوئی گت تو وہ لاحول پڑھتے ہوئے اٹھ گئے۔

## ۹ راگست۔

پرسوں رات، کل رات، گذشتہ رات، تین دن مسلسل اس دنیا میں نہ تھا جو اخلاق و آداب اور احتیاط و اعتدال کی دنیا ہے۔ بلکہ اس دنیا میں تھا جہاں احتیاط اور اعتدال عیب ہے۔ جہاں نہ ماضی ہے نہ استقبال، حسن ہے، عیش ہے اور حال ہے! آج ذرا پلنگ پر پڑا ہوا تکان دور کر رہا ہوں! ——————

کاش کہ عیاشی میں تکان ہوا ہی نہ کرتی۔ ان تین راتوں کا خمار ہنوز سر میں ہے اور تصور کا دامن ہاتھ میں، ایک عورت پھر میرے اندر ایک تازہ "طلب" پیدا کر رہی ہے —————— کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے! میں ابھی پڑا ہوا سوچ رہا تھا کہ اگر میرے ساتھ حسن کی آویزشوں کا سلسلہ "لیلےٰ" کے واقعات کے بعد بھی جاری رہ سکتا ہے —————— تو پھر اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ "لیلیٰ" کے متعلق میری وارفتگی جس کو میں اس وقت محبت سمجھتا تھا طلب عیش کے چڑھتے ہوئے دریا کی صرف ایک موج تھی —————— اور کچھ بھی نہیں۔ کیا میں دھوکہ کھا رہا تھا جب یہ سمجھتا تھا کہ اس عورت نے پہلی مرتبہ میرے قلب پر محبت کی خاتم سلیمانی ثبت کی ہے اور وہ چیز مجھے دیدی ہے جس کو اہل دل "عشق و محبت" کہتے ہیں! دنیا کا ہر کوتاہ نظر ظاہر پرست یہی کہے گا کہ میری حسن پرستی کا یہ مسلسل دور ہوس کا ایک ہنگامہ ہے۔ ہر پندرہ دن میں ایک نئی عورت کی طلب اصطلاحی طور پر ہوس ہی ہوس کہی جاتی ہے۔ مگر میں نے

اس نکتہ کو بالکل دوسری طرح حل کیا ہے۔

انسانیت کا وہ جوہر لطیف۔ وہ "برقیت" ۔۔۔ محبت ۔۔۔ ہر عیاش اور رند کے قلب میں موجود ہے اور عورت بہ عورت منتقل ہوتی رہتی ہے یعنی ہر عورت جو اس عیاش کے آغوش میں آتی ہے ایک شب یا چند روز کیلئے اس "برقیت" کی حامل رہتی ہے پھر جب مرد کسی دوسری عورت کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ برقیت بھی اسی طرف منتقل ہو جاتی ہے ۔۔۔ اور اسی طرح منتقل ہوتی رہتی ہے ۔۔۔ عورت بہ عورت ۔۔۔ منزلیں طے کرتی ہوئی وہ "برقیت" آخر اس عورت تک پہنچتی ہے جو اسکی مقصود ہے اور وہیں مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے ۔۔۔ وہ اپنی آخری منزل پر پہونچنے کے لئے بہت سی منزلیں طے کرتی ہے ! پس یہ کہنا کہ ایک ہوس پرست عیّاش نور محبت سے محروم ہے اور اس کے آغوش میں جو عورتیں آتی ہیں وہ بھی محروم رہتی ہیں صحیح نہیں۔ اصل یہ ہے کہ وہ سب کچھ روزمرہ کی محبت سے تھوڑا بہت حصہ پاتی ہیں ، مگر ہاں ، ان کے وجود میں وہ محبت قیام نہیں کرتی ۔۔۔ گذرتی رہتی ہے ۔۔۔ تاآنکہ آخری عورت تک پہونچے ۔۔۔ میری وہ آخری عورت کون ہو گی ، معلوم نہیں ۔۔۔ یا وہ آخری عورت "لیلیٰ" ہے (یاد بخیر) جس کی طرف میں پھر لوٹنے والا ہوں ؟ ۔۔۔ معلوم نہیں ! اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ آخر کار میرے اس دریا کا سارا بہاؤ کسی ریگستان میں جا کر خشک ہو جائے ، گم ہو جائے ، ختم ہو جائے ، اور میری "برقیت" کی یہ لہر کسی آخری نقطہ تک پہونچنے ہی نہ پائے !! ۔۔۔ ابھی تو یہ لفافہ ڈاک میں ہے ۔۔۔ گذر رہا ہے ۔۔۔ ایک تھیلی سے دوسری تھیلی میں

ایک ڈاکخانہ سے دوسرے ڈاکخانہ میں!! ———

ایک دن اختر کو میں نے اپنی عیاشی کا یہ فلسفہ سنایا، وہ کہنے لگا:—
پڑھا، لکھّا پاپی اپنے پاپ کی توجیہہ و تاویل خوب کرلیتا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لفافہ ڈاک میں چلتے چلتے یونہی لا پتہ ہوجائے گا! کوئی ڈاکیہ کسی نالی میں پھینک دے گا، وہ نالی اس لفافہ کو بہا کر چہ بچہ میں لے جائیگی، کوئی خاکروب چہ بچہ سے نکال کر اُس کو کھاد میں شامل کردے گا! ——— نورِ محبت کی شعاعیں بڑھاپے کی ظلمت میں فنا ہوجائینگی! ——— یا یہ "برقیت" اس طرح عورتوں میں تقسیم ہوتے ہوتے ختم ہوجائے گی، بارود گیلی، آتش خانہ سرد!! زندہ رہے تو ——— وہ کہنے لگا ——— ہم دیکھ لینگے کہ جب گناہ کی طاقت باقی نہ رہے گی تو توبہ توبہ کروگے، کسی نیک بخت لڑکی کو شریک زندگی بنا لوگے اور ممکن ہے کہ آخر عمر کی کمزور کوششیں ایک دو بچے بھی پیدا کرلیں ——— آپ بیٹھے ہوئے اونگھا کرینگے اور اپنے باپ دادا کی طرح اونگھتے ہی اونگھتے کسی دن چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار ہوجائیں گے ——— کہاں کی "برقیت" اور کہاں کا نورِ محبت!! میں نے کہا، میاں اختر! تم جوان بھی ہو! عیاش بھی ہو، یہ سب باتیں اچھی ہیں مگر تمھیں اس فن کی "عرفانیات" سے ذوق نہیں! اس کا افسوس ہے! تمھارے نزدیک انسان کی زندگی کا ایک نظام مکمل و مرتب ہے! ——— پیدا ہوگا، جوان ہوگا، عیاشی کریگا، بڈھا ہونے لگیگا، توبہ کرے گا، پھر ایک ——— بیوی،

مہیّا کرے گا، ایک دو بچے پیدا کر ڈالیگا، آخری عمر میں اللہ اللہ کریگا ——
اور مر جائیگا! تم سمجھتے ہو کہ انسان کی زندگی میں اس کے سوا کچھ بھی نہیں. حالانکہ
واقعہ یہ ہے کہ انسان کی نفسیاتی زندگی کا دستور العمل نہ کبھی مرتب ہوا نہ ہو سکتا ہے
انتشار اور اختلال ہی اس کی زندگی کی ترتیب و ترکیب ہے —— یہ تصویر ایسی نہیں کہ
اس کو کسی چوکھٹے میں لگایا جا سکے۔ وہ چوکھٹے اور فریم میں سماتی ہی نہیں سیب
کی دنیا ایک نہیں، جتنے انسان ہیں اتنی ہی دنیائیں ہیں، ہر انسان بجائے خود
ایک دنیا ہے، وہ اپنی دنیا اپنے دل و دماغ میں لئے پھرتا ہے۔ پیدائش اور
موت کے سوا دو انسانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں، اور یہ دو چیزیں جو مشترک
ہیں نہایت خفیف اور معمولی ہیں —— جس طرح کتاب کے شروع اور آخر کا
سادہ ورق شمار میں آتا ہے پڑھا نہیں جاتا! زندگی کے ان دو معمولی حادثوں
سے قطع نظر کر لو تو پھر کوئی انسان کسی حیثیت سے دوسرے انسان کا شریک
یا مثل نہیں ہوتا —— البتہ —— میں نے کہا —— جذبہ —— یعنی شہوت
محبت، غصّہ، رنج وغیرہ اس جنس کا ایک مشترک عنصر کہا جا سکتا ہے لیکن
اس کی کارفرمائیوں اور مظاہروں کو دیکھو تو وہ بھی بالکل الگ الگ ہیں!
ہر وجدان اور کیفیت جدا جدا ہے —— کیف اور طلب مختلف ہے جب یہ حال ہو تو
انسان کی زندگی کا کوئی مشترک دستور العمل کیونکر مرتب کر سکتے ہو۔ لوگ سوانح عمریاں
لکھتے ہیں، تذکرے لکھتے ہیں، سو دو سو، چار سو صفحوں میں گویا ایک انسان کی
زندگی کا بہت سا حال لکھ جاتے ہیں —— تاریخوں کے چند سو یا چند ہزار صفحات
پر قوموں اور انسانوں کی بڑی بڑی داستانیں بیان کی جاتی ہیں —— گویا چھا چنانچہ

کی سیاہی اور کاغذ کے کاغذ سے عہد ماضی کی تاریکیوں میں چراغ روشن کر رہے ہیں!! مگر ـــــ میں نے کہا ـــــ آخر، کیا حقیقت ہے ان سوانح عمریوں تاریخوں اور تذکروں کی؟ لفافے کے ظاہری نقش و نگار بیان کیے جاتے ہیں! لیکن لفافہ کے اندر نفسیات انسانی کی جو تجلیات بیقرار رہتی ہیں ان تک مورخ، نگار اور مورخ کا خیال اور قلم کبھی نہیں پہنچ پاتا! کسی ایک فرد واحد کی معنوی زندگی کے ہجوم میں گھس کر اس کے خصائص کو ایک ایک کرکے میدان میں لانا چاہو تو کیا لا سکوگے؟ خود اپنے اوپر یا مجھ پر تجربہ کرکے دیکھو! یا فرض کرو زید کی معنوی زندگی کے کچھ نقوش قلمبند کرنا چاہتے ہو، اس کی ہر خصوصیت کے لئے ایک ایک باب مخصوص کردو۔

زید جب وہ جھوٹ بولتا ہے۔
زید جب وہ شراب پیتا ہے۔
زید جب وہ نماز پڑھتا ہے۔
زید جب وہ چوری کرتا ہے۔
زید جب وہ عورت کے قریب ہوتا ہے۔
زید جب وہ دوستوں سے ملتا ہے۔ وغیرہ، وغیرہ، وغیرہ، وغیرہ

اس میں صرف ایک ہی جزو کو لے لو یعنی "زید جب وہ جھوٹ بولتا ہے۔"
قلم میں کچھ زور ہے اور زید کے متعلق کچھ بصیرت بھی ہے تو حقیقت حال لکھنا شروع کرو کتنے جھوٹ زید نے بولے، کہاں کہاں، کس کس سے، اور کیوں؟ کتنے جھوٹ زید نے ایسے بولے جس سے دوسرے لوگوں کو شدید

نقصانات پہنچے، کتنے ایسے ہوئے جن کا منشا، اپنی عیب پوشی تھی، کتنے بے وجہ عادتاً بولے، کتنے عورت پر قبضہ کرنے کے لئے اور کتنے اپنی بیوی کو دھوکا دینے کے لئے اور کتنے اپنی اولاد کو بہکانے کے لئے ؟ ہر دفعہ؛ جھوٹ بولتے وقت زید کے محسوسات کیا تھے، جذبات کیا تھے، کتنی دفعہ وہ جھوٹ بول کر پشیمان ہوا۔ اس کے کتنے جھوٹ کامیاب رہے کتنے ناکام! ——— وغیرہ وغیرہ وغیرہ،

ساری عمر اس ایک ہی باب کے لکھنے میں ختم ہو جائیگی، اس محشرِ انتشار کا جس کو انسان کہتے ہیں، دستور العمل کیا بنا سکتے ہو؟ دلّی کا فیلسوف شاعر، خوب کہہ گیا ہے ؎

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہو

اس محشرِ خیال میں تم جیسے غوطے کھاتے ہیں اور جو اس انتشار کے متعلق کچھ بصیرت رکھتے ہیں ——— میری طرح ——— وہ ہنستے بولتے گذر جاتے ہیں! میں دوسروں کی "انجمن" کے تلاش کرنے میں کیوں اپنی جان گھلاؤں ؟ ——— میری اپنی خلوت میری اپنی انجمن ہے! ہر انسان اپنے ساتھ ایک ایسی انجمن لئے پھرتا ہے ——— کون اس کی سوانحعمری لکھ سکے، کون اس کی معنوی زندگی کا لاکھواں حصّہ بھی بیان کر سکے؟ سب کو اپنی اپنی راہ جانے دو، تم بھی بڑھے جاؤ ——— البتہ اتنا کام کیجیو کہ اگر راستہ میں کوئی حسین عورت نظر آجائے تو اس کو سمجھا دینا کہ ان کا (یعنی میرا) گھر اس طرف ہے!! بات یہ

سے ہے کہ میرے "انوارِ محبت" جن کی حامل فی الحال پر سوں رات والی ہے عنقریب کسی اور طرف منتقل ہونا چاہینگے!! ——— آخر ہنستا ہوا اور کہتا ہوا چلا گیا ——— ٹھہر جا! تو اور تیرا "نورِ محبت" لاتا ہوں بلا کے مولانا خیر الزماں صاحب کو!! ———

---

## ۱۴ اگست ۔

"گناہ کر، پکا پاپی بن جا، رات دن کا فرق بھول جا، اور سر کو مستی سے بھاری کر کے خانۂ خدا میں لڑکھڑاتا ہوا جا ———
بھوکے کتے" کو اپنے دروازہ سے لات مار کر بھگا دے اور لمبی لمبی ڈکاریں لیکر نرم بستر پر سو جا! ——— "

ایک روسی شاعر کی نظم کا یہ ترجمہ میں رات بیٹھا پڑھ رہا تھا ۔ اس کم بخت نے اس قدر خوشگوار نظم کے آغاز کا انجام وطن پرستی کے جذبہ کو قرار دیا ہے اس نے انسانی زندگی کے کیف تمام کی ایسی اچھی تصویر کھینچنی شروع کی!! سارے خطوط صحیح اور متناسب ——— مگر آخر میں آسمان سے گرا سیدھا وطن پرستی کے چپہ چپہ میں! لاحول ولا! میرے استاد نے ایک دن خوب کہا تھا ——— مر گئے بیچارے! اس لئے کہ خوب کہنے والے اکثر جلد مر جاتے ہیں ——— خوب کہا تھا انھوں نے! کہنے لگے کہ ان تمام مذاہب کے پیرو اور علمبردار جو توحید کے مدعی اور شرک کے دشمن کہے جاتے ہیں خود بدترین قسم کے بُت پرست ہیں! کعبہ کے بتوں کو تو انھوں نے گرا دیا سومنات کے بتوں کو بھی توڑ ڈالا ۔ مگر ان

مٹی اور پتھر کے مجسّموں سے زیادہ خونخوار بتوں کی پوجا شروع کردی ! اُن
ہی میں سے ایک وطن پرستی اور قوم پرستی ہے۔ انسان اپنی زندگی کے بُرے
سے بُرے جذبہ کو وطن پرستی کا لباس پہنا کر نچاتا ہے۔ جن چیزوں کو اس نے اپنے
اخلاقی دستور العمل میں بُرا اور معیوب قرار دیا ہے (میں تو خیر اس دستور العمل کا،
قائل ہی نہیں) ان سب کو وطن پرستی کے پردہ میں روا رکھتا ہے۔ میں جو
کام کرتا ہوں ——— کارہائے خلوت ——— وہی سب بلکہ ان سے زیادہ
وطن پرست کرتا ہے مگر اپنی وطن پرستی کا نام لیکر۔ میں عیاشی کرتا ہوں، مگر زمین
کے قبضہ اور ملکیت کے لئے کسی کا گلا نہیں کاٹتا، وہ ایک گز زمین کیلئے
فوجوں کی صفیں آراستہ کرکے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح،
کاٹ ڈالتا ہے اور کٹوا دیتا ہے۔ میں عورت بازی کرتا ہوں ——— بغیر
شرمائے اور چھپائے ہوئے ——— وہ بہانہ بازیاں کرکے، مکر اور فریب سے
عورتوں کو بیوہ اور بچّوں کو یتیم کرتا ہے، پھر اپنے کو دنیا کا محسن اور محافظ قرار دیتا
ہے۔ میں زنا کرتا ہوں۔ اس عورت کے ساتھ جو میرا پیسہ لے کر، یا بغیر اس کے
مجھے ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ مگر وہ دوسری قوموں کے گھروں پر بغیر اُن
کی اجازت کے قبضہ کرلیتا ہے اور پھر مفتوح اگر اس کو ڈاکو کہے تو بغاوت کا مقدمہ
چلاتا ہے! میں شراب پی کر اپنے یار کو پیار کرتا ہوں۔ وہ سپاہیوں کو شراب
پلاکر درندہ بناتا ہے ——— اس کے عیش کے دن میری عیش کی راتوں سے
بہت مختلف ہیں! زندہ باد وطن! پائندہ باد وطن!! ———

میری تو کبھی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ دنیا کے لوگ کیونکر ان پُر فریب،

اصطلاحوں سے دھوکہ کھاتے ہیں۔ جہاں ایک حسین عورت پاس ہو، ایک
صراحی شراب کی سامنے ہو ــــــــــ وہیں میرا وطن ہے۔ مگر وطن پرست
کا وطن وہ ہے جس کے لئے وہ دوسروں کی عورتوں اور دوسروں کی شرابوں
کو چھین لائے! ــــــــــــــــــــــــــــــ

میں روزانہ ایک دو اخبار پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن طلاق کے مقدمات کی
روئیدادیں پڑھتا ہوں۔ سینما اور تھیٹر کے اشتہارات پڑھتا ہوں، حسن و عشق
کا کوئی قصہ ہو تو وہ پڑھتا ہوں، مگر جب اس مطالعہ کے سلسلے میں کوئی سرخی
نظر سے گذرتی ہے جیسے :-

"جاپان میں وبا۔"
"امریکہ میں سونے کے ذخائر کی کمی۔"
"رومانیہ میں بغاوت۔"
"اسپین میں دستوری حکومت"۔
"فرانس کی مجلس وزراء کا استعفا"

تو صرف سرخی پڑھ کر گذر جاتا ہوں، کبھی ان لغویات میں اپنا وقت ضایع نہیں
کرتا! اگر فرانس کی وزارت نے استعفیٰ دیدیا یا اگر رومانیہ میں بغاوت ہو گئی، یا
اگر امریکہ میں سونے کے ذخائر کی مقدار کم ہو گئی تو میں نے کیا قصور کیا ہے کہ
میں اس آدھے یا سوا کالم کے پڑھنے میں اپنا وقت ضایع کرنے پر مجبور کیا جاؤں
اگر "دیبی" کے ہم جنسوں نے اپنے پیشہ سے استعفیٰ نہیں دیا، تو مجھے کیا پرواہ ہے
اگر سارے یورپ کے وزرائے اعظم استعفیٰ دیدیں!! اگر وہسکی کے کارخانوں

ہیں کافی وہسکی تیار ہو رہی ہے تو پھر امریکہ میں سونے کی مقدار کے کم ہو جانے سے مجھے کیا غرض ؟ اگر ہندوستان میں کوئی ایسی بیماری نہیں ہے، جس کے جراثیم کا زہر قاطع باہ ہو تو پھر جاپان کی وبا کے حالات پڑھ پڑھ کر میں کیوں ماتم کرنے لگوں ؟ دنیا کے سارے وطن پرستوں کو میرے مقابلہ میں لے آؤ، سب کو ہارنا پڑیگا! ـــــــ میری دلیل بہت قوی ہے، ـــــــ لاجواب ہے۔ بڑے بڑے منطقی دوستوں کی زبان بند کر دیتا ہوں ـــ وہ آخری حجّت ہے ـــــــ عورت اور مینائے مے!! ـــــــ دیسی ہو یا بدیسی مجھے تو وطن پرستی، قوم پرستی، تہذیب تمدن اور اسی قسم کی تمام بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے ـــــــ عورت اور مینائے مے !! اُس بیوقوف روسی شاعر کا قلم میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ـــــــ یوں اس کی نظم کو ختم کرتا۔

"گناہ کر، پکا پاپی ہو جا، رات دن کا فرق بھول جا،
ـــــــ بھوکے کُتّے کو اپنے در وا زے سے
لات مار کر بھگا دے اور لمبی لمبی ڈکاریں لے کر نرم بستر
پر سو جا ـــــــ صبح کو اگر روس کی زمین پر امریکہ کا جھنڈا
نصب ہو جائے تو ووڈکا کے بجائے بیئر پینی شروع کر دے
اور اگر انگلستان کا قبضہ ہو جائے تو وہسکی پی۔ فرانس قابض
ہو جائے تو انگوری پی، اور اگر مہاتما گاندھی کا چرخہ
چلنے لگے تو سیندھی پی ٹھرا پی ـــــــ اور یاد رکھ

"—— اخبار کبھی نہ پڑھ۔"

## ۱۶ اگست۔

لاکھوں برس پہلے، جب ہنوز انسان جنگلوں میں ننگا پھرتا تھا ——
کیا اچھے تھے وہ دن —— جب وہ درختوں پر اور غاروں میں زندگی بسر کرتا تھا، ایک دن اس کی صحرائی آبادی میں ایک انسان درخت کی بلند شاخ، سے نیچے کیچڑ میں گر پڑا۔ اس کے دوسرے ساتھی دوسری شاخوں پر جھول رہے تھے اس کو کیچڑ میں سنا ہوا دیکھ کر خوب ہنسے ان میں سے ایک ہنستے ہنستے بے قابو ہو کر خود بھی اسی طرح کیچڑ میں گرا، ہنسنا بھول گیا، چوٹ بھی لگی، کیچڑ میں لت پت ہو گیا، مُنہ پھلائے ہوئے اٹھا اور صحرائی چشمہ کی طرف چل دیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ چشمہ کے پانی سے اپنا بدن صاف کرے مگر کنارہ پر پہونچکر اس چشمہ کے شفاف پانی میں دفعتاً اس کو اپنا عکس نظر آیا —— کیچڑ میں لت پت، مُنہ سنا ہوا، ہاتھ پاؤں لتھڑے ہوئے، ناک پر مٹی کا ایک تودا چپکا ہوا —— ہیئت کذائی نہایت تمسخر انگیز —— وہ پانی پر اپنے اس عکس کو دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑا۔ باوجود چوٹ کی تکلیف کے اس کو اپنے حال پر ہنسی آ گئی —— اس وقت پہلی دفعہ انسان نے جرأت مردانہ کی بہترین مثال پیش کی —— یہ جرأت کہ اپنی چوٹ اور اپنے دُکھ پر ہنس دے !! آج بھی لاکھوں برس بعد وہی انسان مرد ہے جو تکلیف دہ چیزوں کے تمسخر انگیز پہلو بھی دیکھ سکے، اپنی مصیبتوں

میں تبسم آفریں جزئیات کا پتہ پالے، اپنی تکلیف میں مسکرانے کا موقع نکال لے!!

——— یہ قصہ مجھے اس لئے یاد آیا کہ اختر نے آج صبح مشترضانہ کہا تھا کہ تم کبھی سنجیدہ نہیں ہوتے اور موقعہ اور بے موقعہ ہی ہی ہاہا کرتے رہتے ہو، واقعہ یہ ہوا کہ میاں اختر اپنی ایک معشوقہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس کے دروازے کے قریب ہی سامنے سے اپنے چچا میاں کو آتے دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ دروازے میں گھس گئے وہاں تھا اندھیرا اور راستے میں پڑا تھا ایک تخت، ٹھوکر کھا کر گرے تو ناک پر چوٹ آئی، جھنجھلائے ہوئے اندر پہونچے تو مسماۃ کسی دوسرے چاہنے والے کے ساتھ تخلیہ فرما رہی تھیں۔ جلے بھنے میرے پاس آئے، میں نے شروع کیا مذاق! بالکل آگ ہو گئے ——— اصل یہ ہے کہ اپنی حماقت کے تکلیف دہ نتائج پر خود ہی ہنسنا ہے بہت مشکل کام اور جو لوگ ایسا کر سکتے ہیں ان کی اخلاقی سطح درحقیقت بہت بلند ہوتی ہے ——— میاں اختر ابھی کچے ہیں!

---

## ۱۹ را گست۔

خانہ بدوش ——— آوارہ گرد ——— وہ سب ہیں جو انسان اور آدمی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں، ایک ویرانہ ہے، یہ دنیا۔ زندگی ایک لمبی سڑک ہے جو نہ معلوم کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوتی ہے۔ ایک انبوہ کثیر ہے جس میں ہم سب ایک دوسرے کو دھکے دیتے۔ کہنیاں مارتے، کچلتے، روندتے، گرتے پڑتے، دوڑتے یا لنگڑاتے چلے جا رہے ہیں، خراب وخستہ

——— اس کا نام زندگی ہے!! کسی ستم ظریف خالق نے ہمیں اپنا کھلونا بنایا ہے ——— گدھے بنائے ہیں اور ان سے کھیل رہا ہے کسی کا کان اینٹھ دیا، کسی کی ٹانگ توڑ دی، کسی کی دم کھینچ لی، کسی پر پتھر اور کسی پر جواہرات لا دیئے۔ کسی کو اتنا کھلا دیا کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور کسی فاقہ زدہ کے مُنہ کا نوالا بھی چھین لیا ——— یہ سب گدھے دوڑے پھر رہے ہیں ——— کدھر ہے؟ کہاں ہے؟ کون ہے؟ کوئی مسجد کے مینارے پر چڑھ کر پکارنے لگا۔ کسی نے مندر میں گھنٹے بجانے شروع کر دیئے، کوئی کتابوں کے ورق اُلٹنے لگا ——— بحثیں چھڑ گئیں، یہ نہیں وہ ہے، وہ نہیں یہ ہے! خدا ایسا ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا۔ بیچ میں کوئی صاحب بول اُٹھے۔ ہوتا بھی ہے ہے بھی؟ پھر سب طرف سے بھونک شروع ہو گئی، پنجوں اور دانتوں سے لڑنے لگے۔ گلے کی رگیں پھول گئیں، مُنہ سے کف گرنے لگا ——— گوشت خر دندان سگ!! نتیجہ؟ نتیجہ سب بجباں ——— یوں ہی لڑتے لڑتے مر گئے ——— اور مرنے کے بعد؟ کسی نے کہا جنت! اور حوریں، شہد کی نہریں اور دودھ بھرا حوض! کسی نے کہا شکتی اور مکتی، کسی نے کہا آواگون ——— معلوم کسی بیوقوف کو کچھ نہیں! اللہ اللہ کرنے والے بھی گئے، رام رام کرنے والے بھی مرے، خاک میں دبائے گئے یا آگ میں جلائے گئے ——— باقی کوئی نہ بچا! اور اللہ اگر کوئی ہے تو وہ وہیں کا وہیں رہا جہاں تھا، مرتے رہو، مٹتے رہو روتے رہو، لبسورتے رہو ——— مختار نہیں ہو، مجبور رہو، اس ساری زندگی میں جو موت سے زیادہ غمناک اور دوزخ کی آگ سے زیادہ جلانے والی

ہے شعریت اور بہار کا کوئی پہلو ہے تو وہ صرف عورت ہے اور اس کیلئے
مرد کی طلب"! مگر قیامت ہے کہ روشنی کی اس ذراسی شعاع کو بھی مذہب والے
مٹائے ڈالتے ہیں، آنکھیں نیچی رکھو، تاکو مت، آنکھ سے آنکھ نہ ملاؤ، ہاتھ سے
ہاتھ مس نہ کرو! پھر یہ دھمکیاں کہ ہاتھ کاٹ ڈالے جائینگے، آنکھیں پھوڑ دی
جائینگی۔ دوزخ کے سرخ دہکتے ہوئے انگارے حلق میں ٹھونسے جائیں گے
ستر ہزار برس مبتلائے عذاب رکھے جاؤ گے، ستر ہزار کوڑے مارے جائیں گے
ستر ہزار سانپ تمھارے جسم سے لپٹیں گے، ستر ہزار بچھو تمھارے ڈنک ماریں گے
________ تنگ آگیا ہوں، تنگ آگیا ہوں، اس
تمام جبر و قہر سے میں اس ذلیل محکومیت اور جابرانہ تخویف سے اپنی
آزادی کا اعلان کردینا چاہتا ہوں، پکار کر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی کا
محکوم نہیں، صرف حسن ازل کا غلام ہوں، اور اگر خدا بھی حسن ازل ہے
تو مجھے اس کی خدائی سے انکار نہیں، مگر یہ نہ ہوگا کہ جبر و قہر اور تخویف و
تعذیر میری فطرت کے تقاضوں کو دبا سکے۔ حسن کی غلامی عین آزادی ہے
جس طرح ایک قطرہ پیالہ میں مقید اور دریا میں آزاد ہوتا ہے۔ اسی طرح
میرا وجود مذہب کے پیالے میں بند رہنا قبول نہیں کرتا۔ وہ بہتے دریا میں
آزاد رہنا چاہتا ہے ________ کس کو سمجھاؤں
کس کو بتاؤں ؟ تمام دنیا کے بیوقوف خدا کو حسن دیکھنے کے بجائے
جبر و قہر کے لباس میں دیکھتے ہیں۔ اس کو ازلی اور ابدی کہتے ہیں۔ مگر
حسن کو ازلی اور ابدی نہیں کہتے !! ________ کھوپڑیاں

الٹی چپکائی گئی ہیں !!

## ۲۵ راگست۔

رات صحن چمن میں حبس تھا اور گرمی کی شدت نے مجھے اور اُس کو بوکھلا دیا تھا۔ ہوا نام کو نہ تھی، وہ مخمور تھی اور میں مست، اس نے کہا لب بام چلو، وہاں کچھ رمق ہو گی۔ چاندنی کھلی ہوئی تھی، میں اس کو گود میں اٹھا کر زینہ پر لے چلا۔ اس کا جسم میرے بازوؤں پر رکھا ہوا تھا۔ اور اس کی صندلی بانہیں میری گردن میں لپٹی ہوئی تھیں۔ پہلے زینہ پر میں اُس کو لے کر ایک سانس میں چڑھا۔ جیسے کڑی کمان کا تیر! وہ میرے آغوش میں آنکھیں بند کئے ہوئے قدم بقدم بلند ہونے کا مزا لوٹ رہی تھی، ——— پہلے زینہ کو ختم کر کے میں نے ایک لمحہ توقف کیا کہ ذرا اپنے آغوش کی گرفت کو درست کر لوں۔ پھر میں دوسرے زینہ پر چڑھا، رفتار ذرا سست تھی، مگر کیف باقی تھا۔ ہوا کے دو چار معطر جھونکے کسی فروغ شے سے تمتمائے ہوئے چہرہ پر بہت خوشگوار معلوم ہوئے، میں نے یہ زینہ بھی ختم کر لیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ میرے گلے کو آہستہ آہستہ پیار کر رہے تھے ——— میں نے پھر اس کو اپنے آغوش میں سنبھالا، ذرا دم لیا تیسری منزل دور نہ تھی، مگر جی چاہتا تھا کہ دوسری ہی منزل پر ٹھہر جائیں گی کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ تو تھک گیا" دل نے کہا، میں نے پھر ہمت کی اور اُس کو گود میں سمیٹ کر تیسری منزل کے زینہ پر چڑھنے لگا۔ اس کو کچھ خبر نہ تھی،

مگر میرے لئے اس تیسری منزل کا ہر قدم کس قدر گراں اور مشکل ہوگیا تھا۔ پسینہ آگیا، ان چند سیڑھیوں میں ہر سیڑھی ایک کڑی منزل تھی، سانس کا سلسلہ تیز ہوگیا ہر دو قدم کے بعد دو منٹ دم لینے لگا۔——

——اس کو اب بھی کچھ خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے —— میں ہانپ رہا تھا، جی چاہا کہ ایک سیڑھی پر بیٹھ کر ذرا استالوں، یا اُس کو گود سے اتار دوں —— اندر سے آواز آئی —— ایسا نہ کیجئیو، وہ سمجھے گی تم تھک گئے —— مردوں کی تھکن کتنی ہی ہو، پر عورت اس کو نہ سمجھے —— مردانہ نخوت نے سہارا دیا، باقی سیڑھیاں کسی نہ کسی طرح طے کیں، صحن بام پر پہونچکر میں نے کہا۔ "لو اب گود سے اترو" اُس نے اپنی نیم ہوشیار آنکھیں کھولیں —— "بس آگئے؟ پہونچ گئے —— ایک منزل اور ہوتی تو میں اسی طرح تمھاری گود میں سوار چڑھتی" اُس "بس" کی بلاغت نے مجھے شرما دیا۔ میں نے کہا، اب اگلی منزل اور تو کوئی نہیں، آسان ہے، کہو تو اُدہر کا رُخ کروں؟ ——

دل کہہ رہا تھا کب یہ گود سے اتریں گی!! —— تیسری منزل کے کھلے ہوئے صحن میں ایک نرم قالین پر میں نے اس کو اپنی گود سے اس طرح، لوٹ دیا —— بکھیر دیا —— جس طرح دامن سے پھولوں کو! میں پسینہ میں نہا رہا تھا، ہانپ رہا تھا، کمر میری کمان ہو رہی تھی، مگر وہ میری آغوش کی گرمی سے مست و مخمور تھی، اس کا دل اس طرح میرے دل کے پاس دھڑک رہا تھا! جس طرح عورت کا دل مرد کے آغوش میں دھڑکتا

ہے! کس قدر مختلف تھی میری اور اُس کی حالت! وہ سُرور عیش میں غرق، میں تھکا ہوا!! گویا وہ کہتی تھی بس نہیں! ——— اور" ——— اور میں شرمایا جاتا تھا! ——— اسی کا نام بڑھاپا ہے! ——— شباب کے روانہ ہونے والے قافلہ کی پہلی گھنٹی! جب آدمی پھولوں کی ایک گٹھری کو لیکر تین منزل بھی نہ چڑھ سکے تو سمجھ لیجئے کہ "رستم خانی" ختم ہوئی! ——— اپنے اس انحطاط کو ہر مرد عورت سے چھپاتا ہے، مگر کب تک؟ وہ تھک جاتا ہے، اس کے بوسے بھی تھک جاتے ہیں، اس کے آغوش کی گرفت بھی تھک جاتی ہے اور کوئی اُس کے کان میں کہتا ہے:-

اٹھئے بس اب کہ لذّتِ خواب سحر گئی

## ۵ ستمبر

میاں اختر کے ایک دوست نے کل کسی وجہ سے خودکشی کرلی، اختر بہت مغموم آیا۔ کہنے لگا۔ خودکشی دیوانگی ہے یا بے اختیاری و بزدلی میں نے کہا، ان میں سے کوئی بات بھی خودکشی کے فلسفہ کی تشریح نہیں کرتی اگر مان بھی لیا جائے کہ خودکشی دیوانگی کا ایک مظاہرہ ہے تو بھی یقیناً وہ ایک بڑا کام ہے ——— ہر بڑا کام دیوانگی کی حالت میں انجام پاتا ہے۔ کوئی بڑا کام بغیر دیوانگی کے انجام نہیں پاتا۔ اگر دیوانگی ہی کو خودکشی کا سبب مان لیا جائے تو بلاشبہ وہی سبب اس فعل کے

ارادہ کی بلندی کا ثبوت ہے۔ بے اختیاری اور دیوانگی بغیر مچھر اور انسان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اب رہی بزدلی تو خودکشی کے فلسفہ میں تو بزدلی کو کوئی دخل ہی نہیں، دوسروں کی جان لینا اکثر بزدلانہ جذبات پر مبنی ہو سکتا ہے مگر خود اپنی جان لینا یا دینا بہادری اعالی حوصلگی خود مختاری اور آزادی کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے۔ اس فعل کی معنوی حیثیت پر غور کرو تو مذہب و اخلاق کے فیصلے اور فتوے بالکل لغو اور بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ انسان کی زندگی کا سب سے اعلیٰ تخیل آزادی کا تخیل ہے ——— عمل ضمیر اور ایمان کی آزادی، جس پر مذہب قبضہ جمائے بیٹھا ہے۔ خدا اور اس کی شان جبر و قہر کے تخیل نے آزادی کی معنویت کو فنا کر ڈالا۔ گویا انسان ایک ایسا بندہ ہے ——— لاچار اور مجبور ——— اپاہج اور کوڑھی ——— جس کی ناک میں ایک مضبوط نکیل پڑی ہوئی ہے اور یہ بیل اس نکیل کی رسی کے ذریعہ سے کھینچا جاتا ہے۔ دوڑایا جاتا ہے، گھسیٹا جاتا ہے، باندھا جاتا ہے ———

وہ خود اپنی مرضی سے نہ ایک قدم اٹھا سکتا ہے۔ نہ بغیر اجازت آنکھ کھول سکتا ہے، نہ ایک لمحہ سوچ سکتا ہے، پھر جب ان بیلوں میں سے کوئی ایک ناک کو نکیل سے نکال کر رسی کے پھندے توڑ ڈالتا ہے اور آزاد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو مرتد کہلاتا ہے، کافر کہلاتا ہے، مردود و ملعون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے! میں نے اختر کو ایک مشہور روسی مصنف کے چند فقرے سنائے جو وہ اپنے ہیرو کی زبان سے ادا کراتا ہے!

یہ ہیرو خودکشی کرنے کے متعلق اپنے ارادہ پر انسان کی خود مختاری اور آزادی کے فلسفہ کو دلیل لاتا ہے اور کہتا ہے :-

"مجھے تعجب ہوتا ہے کہ سب لوگ کیونکر بلا تامل جیتے رہتے، ہیں ——— اس غلامی کی حالت میں ——— کیا اس دنیا میں ایک بھی ایسا مرد نہیں۔ جو اپنی شخصی آزادی کا معتقد ہو کر اپنی ہستی کے سب سے نازک معاملے میں خود مختاری جتانے کی ہمت کر سکے؟

——— میں اپنی خود مختاری ثابت کرنا چاہتا ہوں

میں اسے ثابت کروں گا چاہے مجھے ایک بھی پیرو اور شریک کار نہ ملے۔ مجھ پر لازم ہے کہ اپنے گولی مار لوں کیونکہ اپنے ہاتھوں سے فنا ہونا خود مختاری کی انتہا ہے! ———"

اختر اپنے دوست کے غم میں اور اس غم سے زیادہ اپنی دیرینہ توہم پرستی میں مبتلا تھا، وہ میرے اس نکتہ کو سمجھنا تو کیا۔ شاید اس نے سُنا بھی نہیں، کہنے لگا۔" اب اس بحث سے فائدہ کہ مرحوم کا فعل اچھا تھا یا بُرا؟ مجھے تو اپنے دوست کی جُدائی کا غم بے حال کئے دیتا ہے"!!

میں نے کہا اختر! غم کی حقیقت بہت ناقابل اعتنا ہے۔ وہ محض ایک اصطلاح ہے ——— بے معنی ——— ایک نہایت عارضی کیفیت ہے، جو کمزور دل و دماغ پر طاری ہوتی ہے، دل و دماغ جس قدر کمزور ہوتا ہے اسی قدر زیادہ یہ کیفیت طاری ہوتی ہے۔ کوئی غم باقی نہیں رہتا۔ اگر ہر شخص اپنی عمر کے مغموم کرنے والے واقعات کا حساب لگائے تو ابتدا سے انتہا تک

اس کو اپنی زندگی کے سینکڑوں، ہزاروں واقعات ایسے یاد آئیں گے جو اس کے انتہائی غم و الم کا باعث ہوئے تھے اور جن میں سے ہر غم ایسا تھا کہ وہ اسکو جانگداز سمجھتا تھا۔ لیکن غم گذر گیا اور جان موجود ہے! مثلاً جب اکلوتا بیٹا مرا تو اس نے دیواروں سے اپنا سر ٹکرایا، وہ ہفتوں، مہینوں برسوں، مبہوت اور بے حال رہا، برسوں اُس کے آنسو خشک نہ ہوئے وہ قبر پر مجاور بن کر بیٹھا، وہ تمام لذات دنیا سے دست کش ہو گیا، اس کو یقین تھا کہ وہ اسی غم میں گھُل گھُل کر مرجائے گا! ——————

مگر —— ہوا کیا؟ ہوا یہ کہ چند روز بعد وہی انسان ہے، وہی دیواریں ہیں وہی خشک آنکھیں ہیں، وہی دنیا کی لذتیں ہیں! بیٹے کی قبر پر نہ اب چراغ ہے، نہ پھول ہیں! غمگین باپ اب غمگین نہیں! اُس کو رفع غم کے بہت سے ذرائع مل گئے، —— اب اسکی زندگی کا وہ حادثہ ایسا ہے جیسے کسی نے بہتے دریا کے ساحل پر کھڑے ہو کر ایک سنگریزہ پانی پر پھینکا، اس سنگریزے کے گرنے کی آواز آئی، تھوڑی دیر تک پانی کی سطح پر گول دائرے بنتے رہے۔ اس کے بعد پانی کی سطح پھر ہموار ہو گئی —— دریا کا، بہاؤ ایک لمحہ کے لئے بھی نہ رک سکا ——————

میں نے اختر سے کہا کہ تم پہلے اپنے ہی باپ کا حال دیکھ لو۔ جب تمھاری ماں ان کی چہیتی بیوی مری تھیں تو دو برس تک وہ کس طرح زمین پر لوٹا کرتے تھے اور تم لوگ سمجھتے تھے کہ وہ پاگل ہو کر اسی حال میں مرجائیں گے! ——

لیکن ہوا کیا؟ دریا کی وہ موج گذر گئی۔ ہمارے چچا صاحب قبلہ نے ۵۲ سال

کی عمر میں دوسرا بیاہ رچایا، اولاد پیدا کی، ڈاڑھی پر خضاب لگانے لگے۔ بچوں
گو گود میں لئے شاداں و فرحاں، ہنستے مسکراتے، پھرا کرتے ہیں۔ کوئی
کہہ سکتا ہے کہ یہ بڑے میاں وہی ہیں جو دس برس پہلے دیوانوں کی طرح،
قبرستان کی قبروں سے سر ٹکراتے پھرتے تھے۔ اس عارضی اور نقش بر آب
کیفیت کو ———— میں نے کہا ———— آدمی پیدا
ہی کیوں ہونے دے۔ وہ تکلیف جو چند روز بعد یقیناً رفع ہو جانے والی
ہے چند روز بھی کیوں ہم پر مسلّط رہے۔ اس کیفیت کو ہم پیدا ہی کیوں
ہونے دیں۔ میری خود تو یہ حالت ہے کہ میرا کوئی عزیز، دوست،
یا معشوق مر جائے تو میرا توحش اور تردد بمشکل اس وقت تک باقی رہے گا
جب تک اس کے کفن دفن سے فراغت حاصل ہو، اس کے بعد، جو چیز
گذر گئی، اس کو یاد رکھ کر میں اپنے قلب کو چند روز بھی افسردہ رہنے کی
اجازت نہیں دیتا۔ یہ سچ ہے کہ مجھے اس انسانی کمزوری کو رفع کرنے کی
———— جس کو غم کہتے ہیں ———— تھوڑی سی کوشش ضرور کرنی
پڑیگی۔ مگر یقین جانو، میں نے اکثر کامیابی کے ساتھ یہ کوشش کی اور دوسروں کے
کے مقابلہ میں اپنی اس کمزوری کو بہت کچھ رفع کرلیا ہے۔ آخر کہنے لگا۔ خدا وہ
دن نہ لائے۔ لیکن اگر کوئی وقت ایسا آیا تو تمھاری عمر ربا طاقت کے کرشمے
ہم بھی دیکھیں گے۔ پھر وہ کہنے لگا۔ تم بھول گئے "لیلیٰ" کے عشق میں تمھارا کیا
حال ہوا تھا۔ میں نے کہا تو بیوقوف ہے۔ جس کو تو غم سمجھا وہ غم ہی نہ تھا
مستی کا ایک جھونکا تھا۔ "طلب" کا ایک جذبہ تھا ———— محبت کی

شراب بالکل میٹھی ہو تو بے کیف ہو جاتی ہے ، اس کے اندر تھوڑی تلخی بھی باقی رہنی چاہیے ۔عیش کے پجاری اپنی آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں وہ آنسو خود جزوِ عیش ہوتے ہیں ۔ ان آنسوؤں کو اُن آنسوؤں سے کیا علاقہ جو کفنانے دفنانے مُردے کے لئے بہائے جائیں ! آنسو بہانے ہوں تو کسی جیتے جاگتے دلرُبا کے لئے بہاؤ ۔ میں اعتراض کروں تو گنہگار !

---

## اا ستمبر ۔

حسین عورت کی محبت دل اور دماغ اور جسم کے تمام قویٰ کو متاثر ، ماؤف اور مجبور کر دیتی ہے ، مگر معدہ اور آنتیں اپنی آزادی اور خود مختاری اُس حال میں بھی قائم رکھتی ہیں ! "عشق" کا کتنا ہی شدید حملہ ہو مگر بھوک ضرور لگتی ہے اور نہ بھی لگے تو بھی کھائے بغیر مفر نہیں ، تقاضا ہو یا نہ ہو معدہ اور آنتوں کو ان کا خراج ہر حال میں ادا ہی کرنا ہوتا ہے ! عشق کی شہنشاہیت کو آنتیں کسی طرح قبول نہیں کرتیں ! جو لوگ اس حقیقت کو یاد رکھتے ہیں وہ حسن پرستی کی زندگی کو اپنے لئے قدرے آسان بنا لیتے ہیں میرے ایک دوست تھے خدا بخشے ــــــــــــ ۶½ فٹ کے قریب ان کا قد ، جسم کے وزن کا یہ حال کہ معمولی کرسی یا پلنگ اس کا حریف نہ ہو سکے ۔ مزاج شاعرانہ ، طبیعت رندانہ ، ذات کے ٹھیٹھ پٹھان ، متوسط حیثیت کے زمیندار ، دلّی کی ایک بازاری عورت پر مفتون تھے ان کے عشق کا موسم مقررہ تھا ۔ زمینداری میں تحصیل وصول

کا وقت سال میں دو دفعہ آتا ہے، ایک دفعہ جولائی میں، ایک دفعہ دسمبر میں۔
یہی خان صاحب کی عشق کی تجدید کا زمانہ ہوتا تھا۔ گاؤں سے چار پانچ ہزار
روپیہ وصول کیا بجنسہٖ لوہے کے بکسوں میں بھرا اور سیدھے دلّی آگئے
"عشق" اپنی پوری شدّت کے ساتھ شروع ہوگیا بی صاحبہ بھی خان صاحب
سے جوابی التفات کرنے لگیں۔ دو تین مہینے دن اور رات محفل عیش جمی،
خان صاحب کا یہ حال کہ ایک لمحہ کے لئے بھی معشوقۂ طنّاز کا آنکھوں سے
اوجھل ہونا گوارا نہیں، اسی حالت میں رفتہ رفتہ لوہے کے بکس خالی ہونے لگے
آخر کار جس دن ملازم نے دست بستہ عرض کیا کہ سرکار! اب صرف ریل کے کرایہ
کے بقدر روپیہ باقی ہے، خان صاحب کے عشق کا سمند بادپا دوڑتے دوڑتے
دفعتاً رُکا، سامان بندھنا شروع ہوگیا، دو روز بعد خان صاحب رخصت ہوگئے
بی صاحبہ اسٹیشن تک اُن کو "خدا حافظ" کہنے آئیں، خان صاحب وطن کو
سدھارے ——— تین چار مہینہ بعد جب خریف کی فصل کا روپیہ
وصول ہونے لگا تو عشق کے جراثیم بھی بیدار ہونے لگے اور پھر دلّی کے کسی
ہوٹل میں حسن و عشق کی وہی آویزش شروع ہوگئی، تقریباً ۲۰ برس تک خان صاحب
اسی وضعداری کے ساتھ "عشق" کرتے رہے، اور اُن کی معشوقہ بھی اُن کے ساتھ
نباہتی رہیں حتیٰ کہ ان ہی کی گود میں ایک دن خان صاحب نے ایسی
آنکھیں بند کیں کہ پھر کبھی نہ کھولیں! مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ معدہ پر عشق
کا زور نہیں چلتا۔ جسم کا بادشاہ دماغ سمجھا جاتا ہے یا دل مگر دونوں حسن
و عشق کے مقابلہ میں اپنی حکومت سے دست بردار ہو جاتے ہیں لیکن

معدہ حضرت عشق کا حکم کسی طرح نہیں سنتا! دونوں وقت پیٹ بھر کر روٹی ملتی رہے تب ہی حسن کا جوہری ان موتیوں کو پرکھ سکتا ہے! پیٹ خالی ہو تو چودھویں کا چاند اور آسمان کا تارا اُس کی "طلب" کو تسکین نہیں دے سکتا ——— مٹھی بھر آردِ گندم اس سب پہ بالا ہے!!

## ۱۹ ستمبر ـ

بیوقوف، گدھے، عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ سائنس سائنس، سائنس، سنتے سنتے تھک گیا ہوں! خدا جانے کس طرح بی۔اے کے درس میں پروفیسر نے یہ بلا میرے دماغ میں ٹھونسی ہو گی، اُس دن کے بعد سے آج تک پھر تو میں نے کبھی نام نہیں لیا۔ کہتے ہیں کہ علم کی افزونی انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی کا باعث اور عقل کی ترقی و وسعت اسکی دنیوی زندگی میں راحت کا موجب ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ دنیا کو تباہ کیا علم کی افزونی اور عقل کی افزائش نے۔ ہم کو راحت اور سکونِ قلب سے محروم کیا علوم کی ترقی نے ——— انسانوں کے قلوب مجبور کر ڈالے، زندگی کا سکون و اطمینان خاک میں ملا دیا ——— سانس لینا مشکل ہو گیا ——— علم کی اس ترقی اور عقل کے اس ارتقا کی بدولت! جو کام پہلے مذہب کرتا تھا وہ اب سائنس انجام دیتی ہے، اوّل تو مذہب نے انسانوں کو انسانوں سے لڑایا، خون کی ندیاں بہائیں، مخلوق کو بھوکا مارا، کسی طرح مذہب کا زور ٹوٹا تو اب سائنس کا عفریت میدان میں بل کھاتا ہوا آیا۔ پہلے اللہ اور رسول کا نام لے کر

"تہذیب" اور "اخلاق" کے عَلم بلند کیے جاتے تھے اور ان عَلموں کے سایہ میں خون پیا جاتا تھا اور ہڈیاں چبائی جاتی تھیں، اب سائنس اور عقل کا دیوتا ہمارے دماغوں پر چھایا ہوا ہے۔ مفر کی صورت کوئی بھی نہیں!! یہ تو سب کہتے ہیں کہ سائنس نے انسان کو بہت فائدہ پہونچایا مگر ثابت کوئی نہیں کر سکتا کہ فائدہ پہونچایا گیا، سوال کیجئے تو کہیں گے، واہ، یہ ریل یہ تار برقی، یہ بجلی، یہ ٹیلیفون، یہ آلاتِ ہوائی ——— یہ اور یہ اور یہ! ان سب بے وقوفوں سے پوچھیے کہ جب یہ نعمتیں دُنیا میں نہ تھیں تو انسان آج سے بہتر حالت میں زندہ تھا یا نہیں؟ مانا کہ اس کے سفر لمبے اور تکلیف دِہ، اس کے کھانے بیزہ اور پھیکے، اس کا لباس موٹا اور بھاری تھا، مگر اُس کی عمر آج کے مقابلہ میں کتنی زیادہ، اس کے قویٰ کس قدر مضبوط اس کا دل کیسا مطمئن تھا! یہ سچ ہے کہ رکابدار ایسے نہ تھے، درزی اپنے فن میں اس قدر ہوشیار نہ تھے، دھوبی اس قدر صاف کپڑے نہ بجلی کی مشینوں سے نہ دھو سکتا تھا مگر دل میلے نہ تھے۔ بے چین اور کمزور بھی نہ تھے، اُس گذرے ہوئے زمانہ میں جس کو آج کل کے نام نہاد اہلِ علم "زمانۂ جاہلیت" کے نام سے یاد فرماتے ہیں زندگی کے متعلق انسان کے عقائد سیدھے سادے تھے۔ زندگی کا تار اس قدر اُلجھا ہوا نہ تھا۔ اسی لئے اس کا معدہ غذا کو اطمینان اور آسودگی کے ساتھ بہ آسانی ہضم کر لیتا تھا۔ آج جبکہ مذہب اور عقائد میں ایک طرف اور دُنیوی معاملات میں دوسری طرف، بال کی کھال نکالی جا رہی ہے۔ جب کلیسا اور مسجدوں کے

ممبروں سے چیخ چیخ کر لمبے لمبے وعظ سنائے جا رہے ہیں۔ جب قوموں کے لیڈر اور ڈکٹیٹر قوم پرستی اور وطن پرستی کے گیت گا رہے ہیں، انسان ایک وقت کی روٹی سکون کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھا سکتا۔ "عہدِ جاہلیت" کے مقابلہ میں آج اس کو کھانے بے انتہا لذیذ ملتے ہیں، لیکن وہ کرے کیا اس کا معدہ ان لذائذ کا حریف نہیں ہو سکتا! بستر بھی اس قدر نرم ہیں جیسے کہ پہلے کبھی نہ تھے مگر دماغوں میں خشکی ہے، نیند رات بھر نہیں آتی! زندگی کے دریا کے کنارے علم و فضل کے بہت اونچے اونچے مینار بنائے جا رہے ہیں مگر یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ دریا کا پانی کس قدر گدلا ہو گیا ہے۔ آب مصفا کے بجائے کیچڑ اور دلدل زیادہ ہے! زندگی کا فلسفہ ہزاروں لاکھوں کتابوں سے لدی ہوئی الماریوں میں محفوظ ہے۔ لیکن فلسفہ زیادہ اور زندگی کم، کوئی دن آئے گا کہ فلسفہ ہی فلسفہ رہ جائیگا اور زندگی نام کو بھی نہ رہے گی آدمی مشین بن کر رہ جائیں گے۔ جو ریاضی کے اعداد کی ضرب اور جمع کا حساب لگا لگا کر سانس لیا کرینگے، آنکھوں اور کانوں اور ناکوں میں سائنس کے معمل کی نلکیاں ٹھنسی ہوئی ہونگی۔ عقل پر فلسفہ کا غلاف چڑھا ہوگا! یہ حالت آج بھی کچھ کم نہیں، مدرسوں اور علمی اداروں میں کہیں :-

"دعویٰ مفروض کامل"۔

"مقدم و ائمہ"

"اصطلاحات"

"اولیات عامہ"

"علّتِ مستقیم"
"منافی کامل یا ناقص"
"تعمیمات تجربی"
"مغالطات منافات"
"علّت قریبہ" اور علّتِ غیر مستقیم"
"قضیہ سالبہ و موجبہ"
کی بحث جاری ہے اور طلباء گتھے ہوئے ہیں! کہیں
"تفاعیل زائدی"
"سلسلہ اہتزازی"
"علم مثلث"
"قانون تقسیمی"
"ترکیب تحلیل"
کے جھگڑے پڑے ہوئے ہیں، پھر اگر ایک طرف
"مابعد الطبیعیات"
"روحانیات"
"سرمدیت"
"ہیولیت" اور
"فوق العقلیت"
کی الجھنوں میں طالبانِ علم کی عمریں ضایع ہو رہی ہیں تو دوسری طرف

"مذہب تشبیہ"

"تلازم اختراعی"

"محور استوائی"

"اختلاف استلزامی"

"نفس اجتماعی"

"جذبات لاقوتی"

"حقیقت خارجیہ"

"ردعمل"

"شعور ذات" اور

"شعور اجتماعی"

کے قلعے بنائے جا رہے ہیں اور گرائے جا رہے ہیں" لطافت وکثافت نوعی" کے گنبد میں طبعیات کے ماہرین" خارجی" اور" داخلی" عمل کی رسہ کشی کر رہے ہیں اور اپنے افکار عالیہ (۱) کے نقوش بناتے ہیں اور بگاڑتے ہیں بناتے ہیں اور بگاڑتے ہیں! ——— کہیں دماغوں کے خلا" میں" رطوبت نباجیہ" اور" تعاول غیر قایم" کے نظریئے کو دائے اور دوڑائے جا رہے ہیں! ——— نظریئے ہیں کہ آپس میں ٹکرا رہے ہیں! بنتے دیر نہیں ہوتی کہ بگڑ جاتے ہیں، علوم کی فہرست دیکھیے تو وہ ایک شیطان کی آنت ہے۔ علم سیاست، علم نباتات، علم الافلاک، آثار قدیمہ، اقتصادیات، معاشیات، علم النفس، منطق، فلسفہ، ہندسی، مخطوطات،

مجسمات، علم مثلث، طبعیات، مابعد الطبعیات، ریاضی، طبقات الارض اور خدا جانے کیا کیا؟ کد و کاوش کی کوئی انتہا نہیں، اس تمام کد و کاوش کا آخری نقطہ، نتیجہ، ماحصل؟ یہ ہے کہ:۔

وانکس کہ نہ داند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدہر بماند

اس جہل مرکب کا نام ہے۔ تہذیب، تمدن اور علم و فضل!! اصطلاحیں ہیں اور الفاظ کی ترکیبیں اور دماغی الجھٹے! سلجھائے جاؤ، الجھائے جاؤ!! ـــــــــــــــ

ایک دن کسی رسالہ میں ایک مزیدار لطیفہ پڑھا تھا، کسی پروفیسر صاحب نے اپنی ساری عمر حساب لگانے میں صرف کی، تب وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ دنیا کی عمر اب بیس لاکھ سال اور باقی ہے، انھوں نے زمین کے طبقات کا مطالعہ کیا، موسموں کے تغیرات پر غور کیا، زمین کی رفتار کا حساب لگایا، اجسام فلکی کے حالات پر نظر ڈالی۔ سمندر اور خشکی کے گھٹتے بڑھتے رقبہ کو محسوب کیا، ساری عمر اس مصیبت میں مبتلا رہے تب کہیں اس نتیجے پر پہنچے کہ دنیا ۲۰ لاکھ سال بعد ضرور ختم ہو جائیگی، ایک دوسرے پروفیسر صاحب نے جب ان کا مضمون پڑھا تو وہ ایک صفر کم پڑھ گئے اور سمجھے کہ اول الذکر پروفیسر صاحب کی رائے میں دنیا کی عمر صرف ۲ لاکھ برس باقی ہے، انھوں نے اسی بنیاد پر ایک جوابی مضمون لکھا اور ثابت کیا کہ دنیا کی عمر ۲ لاکھ سال سے بہت زیادہ باقی ہے! پھر

دونوں طرف سے رسائل میں بحث و مباحثہ کا ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ گویا کہ ۲۰ لاکھ اور ۲ لاکھ کے فرق پر ان دونوں پروفیسر صاحبان کی زندگی کا انحصار تھا، ان بیوقوفوں کی نظر اس پیش پا افتادہ حقیقت سے دور ہی رہی کہ دنیا کا خاتمہ تو اسی دن ہے جس دن ان کی دنیوی زندگی کا خاتمہ ہوگا۔ سوال تو صرف دس پانچ سال کا تھا — اِدھر یا اُدھر — اور بحث ہونے لگی بیس لاکھ اور دو لاکھ کے فرق پر! ——————

اسی طرح ایک زمانہ سے اجرام فلکی اور دنیا کے درمیان طول مسافت ناپا جا رہا ہے۔ سفر کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مریخ سے پیام و سلام کے ذرائع پیدا کئے جا رہے ہیں، گویا کہ اس دنیا اور مریخ کے درمیان ڈاکخانہ اور تار گھر قائم کر کے ہماری دنیا پر بڑا ہی احسان کیا جائیگا۔ گھر کے صحن سے دروازہ تک، اور دروازے سے سڑک تک کے سفر پر تو اختیار حاصل نہیں اور انتظام ہو رہے ہیں ۵ کروڑ میل کا سفر ۵ دن میں طے کرنے کے!

تو کارِ زمیں را نکو ساختی،
کہ با آسماں نیز پرداختی،

—————— کوئی پوچھے کہ احمقو! اگر تم نے یہ معلوم بھی کر لیا کہ اس دنیا اور مریخ کے درمیان صحیح فاصلہ کیا ہے تو ساری عمر اسی حساب میں کھپا دینے کے بعد تمھاری احمقانہ محنتوں کا نتیجہ کس کے کام آئے گا۔

اصل یہ ہے کہ ہماری ساری زندگی مصطلحات اور محاورات اور قیاسات اور تصوّرات کے الجھنے میں الجھی ہوئی ہے، انسان کا تمام تر مادی اور روحانی

وجود اس الجھنے میں اس طرح پھنسا ہوا ہے، جس طرح جال میں ایک چڑیا!
واہمہ کی عمارتیں بہت بلند اور بہت عالیشان بنائی جاتی ہیں، مگر ان سب
کی بنیاد اُس حقیقت مسلمہ پر ہوتی ہے جس کا نام "قانون فنا" ہے!!
ماہرین علوم بنیاد کو تو دیکھتے نہیں، مُنہ اٹھائے اونچی محرابوں اور بلند میناروں
اور عالیشان گنبدوں کو دیکھنے میں محو ہیں۔ ـــــ آسمان کی طرف مُنہ اٹھائے
ہوئے ہیں۔ زمین کی طرف ان کی گردن جھکتی ہی نہیں! ہر شخص اپنے واہمہ
پر ایک لیبل لگا دیتا ہے۔ جبّہ و عمامہ کے لیبل الگ ہیں، سائنس اور علوم
کے لیبل الگ ہیں، ان کے خدا کو یہ نہیں مانتے اور ان کے خدا کو وہ نہیں
مانتے! دنیا اور عاقبت کے فیصلے دونوں کر رہے ہیں ـــــ اپنے اپنے
حلقۂ حمق میں! کچھ اصطلاحی صفات مقرر کر لی گئی ہیں، اچھے بُرے کا ایک
معیار مقرر کر دیا گیا ہے ـــــ یہ اچھا، یہ بُرا! یہ گناہ، یہ ثواب، یہ صحیح
یہ غلط، یہ پاک، یہ ناپاک ـــــ کیوں؟ وجہ؟ ثبوت؟ ـــــ جواب
کا تو ذکر ہی کیا، سوال کرنا بھی گناہ ہے!! مولانا کا عصا، ماہر علوم کا قلم
دونوں میں گتھم گتھا ہے: بیچ میں پس رہا ہے وہ غریب جو اس دُنیا میں
امن، آسودگی اور سکون قلب کے ساتھ اپنی مختصر زندگی گذارنا چاہتا ہے اور
نہیں گذار سکتا۔ اس کو احکام دیئے جاتے ہیں ـــــ دلائل سے بے نیاز، اس پر
فیصلے عاید کئے جاتے ہیں ـــــ اس کے فہم و ادراک سے بعید! ہدایات
نافذ کی جاتی ہیں ـــــ چون و چرا سے بالا ـــــ
ـــــ زندگی کے اس گھرے کُہر میں مجبور و معذور انسان ٹٹولتے

۴۷۵

ٹھوکریں کھاتے، گرتے، گھسٹتے چلے جا رہے ہیں، کچھ نہیں جانتے ——— سوائے اس کے کہ "اختیار" کچھ نہیں اور "جبر" بے پناہ ہے! ———

——— اختر کہنے لگا، تمھارا روزنامچہ چھاپا جائے تو کیا ہو؟

میں نے کہا ہوگا کیا؛ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ مذہب اور عقل کے ٹھیکیدار مجھ سے خفا ہو جائینگے، ہو جائیں! اگر مذہب والے مجھے جنت کی نعمتوں سے محروم کر دیں اور عقل والے مجھے پاگل خانہ میں داخل کرا دیں تو میرا کیا نقصان ہے۔ میں نہ مذہب کی دی ہوئی جنت کی تمنا رکھتا ہوں، نہ عقل کی محفلوں میں بار پانے کی خواہش، پھر جو دنیا اور دین کے یہ ڈکٹیٹر مجھ سے خفا ہو جائیں تو مجھے کیا پروا ——— ہو جائیں خفا!!

## ۲۸ ستمبر۔

روزنامچہ کے گذشتہ اندراج کو اختر نے بہت ناک بھوں سکیڑ کر پڑھا، کہنے لگا، یہ سب پاگلوں کی سی بکواس ہے، زندگی کے سارے راستے بند کرتے ہو اور خود کوئی راستہ پیدا نہیں کرتے۔ چاہتے کیا ہو؟ میں نے کہا صاحبزادے، زندگی کے راستے کہیں پیدا کرنے سے پیدا ہوا کرتے ہیں، ہوا پچھوا یا ہو تو تم اس کو پوروائی نہیں بنا سکتے، موسم برسات کا نہ ہو تو تم بادل کہاں سے لاؤ گے، یہ سب کارخانہ مقرر ہے، مقرر نہ بھی ہو تو ہمارے تمھارے اختیار سے باہر ہے ——— ساری زندگی اختیار سے باہر ہے، تم جو ہوا کے لئے رفتار اور بادلوں کے لئے بارش کے قواعد و ضوابط نافذ کرنا چاہو تو یہ کس کے بس کی بات ہے، زندگی چلتی ہے، جس طرح چلتی رہی ہے

قافلہ کا رخ تم بدل نہیں سکتے، منزلیں مقررہ ہیں، راستہ کہیں ہموار کہیں ناہموار جیسا ہے ویسا ہے، تم جو کہو، لاؤ بیمنٹ کی ایک اعلیٰ سڑک تیار کر کے اس پر سفر کریں تو یہ گرہ بھر کی زبان ہل کر رہ جائیگی، ہونا کچھ بھی نہیں اسی لئے کہتا ہوں ان جھگڑوں میں نہ پڑو، جس طرح گذر رہی ہے۔ گذارے جاؤ دھوپ ہو تو تم سایہ پیدا نہیں کر سکتے، رات ہو جائے تو تم سورج کو نکال نہیں سکتے، نہ اندھیرے میں اُجالا کر سکتے ہو، نہ اُجالے میں اندھیرا دونوں حالتوں میں ——— ہر حالت میں گذرے چلے جاؤ! لڑکپن، جوانی بڑھاپا، جس منزل پر گذرو، اسی منزل کے دستور کی پابندی کرو، ——— اور کچھ بھی کرنا نہیں ——— نہ سوچنا، نہ دیکھنا، نہ شکایت نہ شکوہ، نہ آرزو نہ کوشش! ———

اختر ہنس کر کہنے لگا، آج کل بازار حُسن کچھ "مندا" ہے۔ تم عشق بازی میں مُبتلا رہتے ہو تو کم از کم یہ تو ہوتا ہے کہ اس قسم کی ہجو اس نہیں کرتے میں نے کہا بازارِ حسن میں بھی خرید و فروخت اختیاری نہیں، جبری ہے جب وقت آتا ہے جب ہی عشق کا دورہ بھی شروع ہوتا ہے، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی مجھ سے فرمائش کرے کہ عاشق ہو جاؤ اور میں بہ "تعمیل ارشاد" یا "بپاس خاطر آں عزیز" فوراً عاشق ہو جاؤں! ———

۲۸ / اکتوبر

باپ، بیٹا اور روح القدس، مسیحیت کی تثلیث ان ہی تین پر

مشتمل ہے، اسی طرح دوسرے مذاہب کے بھی مقررّہ ارکان ہیں، میرے مذہب کے ارکان بھی تین ہیں، جرمنی میں ہٹلر کا قومی نشان "سواسٹیکا" ہے، میرا نشان ایک مثلث ہے، جس کی تثلیث اس طرح قائم ہے:-

اس مثلث کے تین اضلاع کے اندر میری تمام دنیا بند ہے۔ ان ہی اضلاع پر گھومتا رہتا ہوں اور اسی چکّر میں مست ہوں۔ جس شخص کو اس تثلیث میں سے ایک ہی میسّر آئے وہ کس قدر خوش نصیب ہے، میری قسمت کی قسم کھاؤ کہ مجھے تینوں حاصل ہیں، کس قدر مشکل ہے، ان تینوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا، حسن، موسیقی اور شراب! ان میں سے ایک بھی ہاتھ آئے تو باقی دو حاصل ہو جاتے ہیں، حُسن آتا ہے تو شراب کی مستی اور موسیقی کے کیف تمام کو بھی ساتھ لاتا ہے! شراب آتی ہے تو اکثر حُسن اور موسیقی کو بھی ساتھ لاتی ہے، موسیقی آتی ہے تو حسن اور شراب اس کے دامن
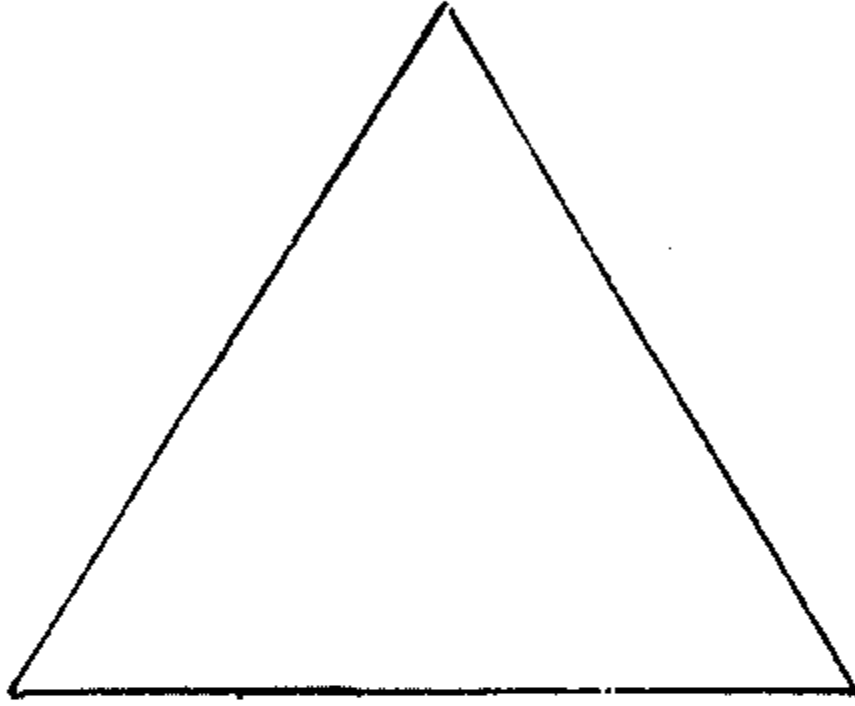
سے لپٹے ہوئے آتے ہیں! کون بدنصیب ہے جو اس مثلث سے باہر جانا چاہے ـــــ سوائے مولوی خیر الزماں صاحب قبلہ کے، وہ شخص ایک جوہر خام ہے جو حسن پرست ہو اور موسیقی سے بے تعلق رہے، یا جوئے نوش ہو اور کمبخت حسن پرست نہ ہو! زندگی کی تکمیل تو اسی وقت ہوتی ہے۔ جب اس مثلث کے تینوں اضلاع مکمل اور زاویئے مرتب ہوں! ـــــ

۱۰/ اکتوبر

خواب میں تصویریں دیکھتا ہوں، جیسے سینما کے پردے پر، گذرے ہوئے افسانے تازہ ہو جاتے ہیں، مُردے قبروں سے نکل نکل کر میری آنکھوں میں گھس جاتے ہیں، بھولی ہوئی باتیں یاد آتی ہیں، ایک ایک تصویر پردہ پر نمودار ہوتی ہے، میں اس کو پہچانتا ہوں ـــــ گذر جاتی ہے ـــــ یہ کون ہے؟ کملا دیوی! کیا قیامت تھی کمبخت! ـــــ یہ کون؟ نورجہاں! کس قدر شوخ تھی اس کی جوانی! ـــــ یہ موہنی! وہ خاص باغ کی راتیں، مرمریں حوض کے کنارے، چاندنی کا عکس پانی کی ہلکی ہلکی لہروں پر، فوارے کی بندیاں، میں اور میرے آغوش میں موہنی! ـــــ خدا جانے کہاں ہے ـــــ یہ انجمن آرا! میرے محفل شباب کی نورانی شمع ـــــ کس قدر جلد خاموش ہوگئی ـــــ تیتری کی طرح رنگین مگر جان ہار! صبح کے ستارے کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے غروب ہوگئی!! یہ کون ہیں؟ نام یاد نہیں آتا صورت یاد ہے، مجھ سے روٹھ کر چلی گئی تھی، پھر کبھی لوٹ کر نہ آئی ـــــ

یہ وہ ہیں جنھوں نے دو برس مجھے دنیا سے بیخبر رکھا ——— نظر میں نشہ، باتوں میں مستی، اداؤں میں کیف، دو برس اس طرح آغوش میں رہی کہ وہ مزا اب تک یاد ہے! ——— ایسی کتنی تصویریں میرے وجود معنوی کے پردے پر نمایاں ہوتی ہیں، مگر ان سب میں ماضی کے اس تمام منظر عام میں، اس تمام انتشار میں، ایک دھندلی سی تصویر اور بھی ظاہر ہوتی ہے، ظاہر ہوتی ہے، پھر غایب ہو جاتی ہے، پھر ظاہر ہوتی ہے، ابھی اچھی طرح دیکھا نہیں کہ پھر غایب ہو جاتی ہے!

آنکھوں کا پردہ اٹھتا ہے اور گرتا ہے، بار بار جلدی جلدی، آنکھوں کو دیکھنے کی مہلت نہیں ملتی، مگر دل بیچین ہو ہو کر کہتا ہے، ہو نہ ہو یہ "تو" اُس کی تصویر ہے! ——— میں بھولا کیوں نہیں اب تک؟ میں بھول کیوں نہیں سکتا؟ وہی ہے، اگر یہ تو پھر؟ کیا وہ کانٹا ابھی تک دل میں اٹکا ہوا ہے؟ یاد آتی ہے؟ گذری ہوئی محبتوں کے مجمعے میں، سب سے الگ نظر آتی ہے، وہ سب بھلائے جا چکے، جن کی تصویریں کبھی کبھی نظر کے سامنے آتی ہیں مگر ——— یہی ایک ہے جس کو بھولا نہیں بھلا نہیں سکا! ———

لیلیٰ! لیلیٰ!! لیلیٰ!!!

---

۱۲/ اکتوبر ـــ

کوئی کہتا ہے تجھے دستاویز پر دستخط کرنے ہونگے، اقرار نامہ لکھنا ہوگا،

—— تو بھاگ نہیں سکتا تو بچ نہیں سکتا، تو سستے سودے کرنے کا عادی تھا، مگر یہ سستا سودا نہیں ہے، یہ معاملہ ہی کچھ اور ہے! ——
میں گھبرا گھبرا کر کہتا ہوں مجھے گرفتار نہ کرو، میں دستاویز پر دستخط نہیں کر سکتا میں نے کبھی ایسا نہیں کیا، میں کبھی ایسا نہ کرونگا۔ میں "بازاری" آدمی ہوں، وہ "بازاری" عورت ہے، ہم دونوں ہم جنس ہیں یکساں ہیں کوئی کسی کا پابند نہیں، کوئی کسی کا احسانمند نہیں، کوئی کسی کا مقروض نہیں، بازار کا سودا ہے، پھر کیوں کہتے ہو کہ "دل و دیں نقد لا"! "دل و دیں" سے کیا بحث؟ —— کوئی نہیں سنتا اور ایک بھاری چادر ہے —— بے خبری، مجبوری اور بے اختیاری کی۔ جس میں میں لپٹا جا رہا ہوں!! —— کہاں ہے؟ ہنوز بازار میں ہے، یا کسی گوشۂ عزلت میں یا قبر کی تاریکی میں؟ کہاں ہے؟ معلوم کرنا چاہتا نہیں مگر خبر کا منتظر ہوں! کچھ سننا نہیں چاہتا مگر گوش بر آواز ہوں!
—— کیا ہونا ہے؟ اگر وہ ہونا ہے جو نہ ہونا چاہیئے تو پھر ہو کر رہے گا جو کچھ ہونا ہے، یوں ہی سہی، اگر نہ بچ سکنا ہی مقدر ہے تو یوں ہی سہی!! "جبر" ہے۔ "اختیار" نہیں! —— ——

۱۴ راکتوبر ء

—— لیلیٰ! —— لیلیٰ!!
—— لیلیٰ!!!

۱۹ر اکتوبر۔

لیلیٰ! ——— لیلیٰ!! ———————

لیلیٰ!!! ————

~~~~~~~~

۲۰ر اکتوبر۔

صبح ——————— لیلیٰ!

شام ——————— لیلیٰ!

شب ——————— لیلیٰ!

~~~~~~~~

۲۱ر اکتوبر۔

روزنامچہ کے بہت سے اوراق خالی ہیں، میری زندگی میں ایک خلا پیدا ہوگیا ہے ——— میر صاحب خبر لائے ہیں کہ وہ بنارس میں ہے۔ حسن کی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہے۔ ————

بنارس! میرے شانوں پر پر پیدا ہو رہے ہیں! ————

خط لکھوں ——— بلاؤں ——— کسی کو بھیجوں؟ ——— خود ہی جاؤں ——— کرنا کیا ہے؟ ————

~~~~~~~~
~~~~~~~~

## ۱۱ر دسمبر

تقریباً ۱½ ماہ کے بعد آج یہ روزنامچہ کھولا گیا، یہ ۱½ مہینہ بنارس میں گذرا، اس طرح کہ خبر نہیں، کب آیا، کیونکر آیا، یہ زمانہ کیسے گذرا؟ اختر اور میر صاحب میرے پاس موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ میں سخت بیمار تھا، لب گور تھا، اطبا جواب دے چکے تھے، احباب مایوس ہو چکے تھے ——

—— میں کہتا ہوں یہ سب غلط ہے —— جب میرے سرہانے لیلیٰ نے ۴۵ دن اور ۴۵ راتیں گذاری ہوں، اس کے ہاتھوں نے میرے خشک لبوں کو پانی سے تر کیا ہو، اس کی انگلیاں میری نبض پر کھیلی ہوں، اس کی آواز کی موسیقی نے میرے دل و دماغ کو سکون بخشا ہو —— تو کس کی مجال ہے کہ وہ کہے کہ میں بیمار تھا! حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی عمر میں کبھی اتنا تندرست نہ تھا، جس قدر کہ گذشتہ ڈیڑھ ماہ میں رہا جب میرے جسم کی حرارت ۱۰۵ اور ۱۰۶ درجہ پر تھی!! زندگی کا شعلہ میرے جسم میں کبھی پہلے اس قدر روشن نہ تھا میری روح کبھی اس قدر قوی نہ تھی —— یہ آنکھوں کے اندھے مجھے بیمار کہتے ہیں، بیماری تو اب شروع ہوتی ہے، جبکہ میرا سرہانا خالی ہے اور تیماردار چلا گیا! ——

وہ کہتی ہے، تم اس شہر میں اجنبی تھے، مجھ سے ملنے آئے تھے، میرے مہمان تھے، میں نے حق مہمانداری ادا کیا، اب تم اپنے وطن جاؤ، میں اپنے کاروبار میں مشغول ہوتی ہوں! میں نے کہا، شہد کے بعد اب یہ زہر کیوں؟ کہتی ہے، تم معذور تھے اس لئے میری توجہ کے مستحق تھے۔ اب تم معذور نہیں ہو

——— اپنے گھر جاؤ اور اگر میری دکان پر آنا چاہتے ہو تو ایسے آؤ جیسے سب گاہک آتے ہیں! ———

میر صاحب اور اختر کے طعنوں نے کلیجہ پکا دیا ہے، زہر میں بجھے ہوئے تیر مجھ پر دن رات چلائے جا رہے ہیں! بس! ترکی تمام شد! مرد میدان نے ہتھیار ڈال دیئے! کمر کھول دی! سرفرازوں کے سر اس طرح بھی خاک پر رکھے جاتے ہیں، شہسوار یوں بھی گھوڑوں کے قدموں میں روندے جاتے ہیں! یہ بھی ہوتا ہے؟ یوں بھی ہوتا ہے؟ آسمان کا تھوکا حلق میں! ——— فتحمندی کے دعوے فنا ہوئے، اس عبرتناک شکست میں، بس! ——— میں کچھ نہیں کہتا، بستر پر پڑا ہوا چھت کی کڑیاں گنا کرتا ہوں!

---

## ۹ر نومبر۔

جب حسن و عشق کی الجھنوں سے گھبراتا ہوں اور زندگی کی کشمکش سے دل اکتا جاتا ہے، مذہب کے نام سے چڑ پاتا ہوں اور اخلاق و قانون کی پابندیوں سے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے تو کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ دنیا میں انسان کا سب سے زیادہ فطری مذہب "مذہب تشکیک" ہے، اس مذہب کی تعلیمات کو دنیا میں کیوں نہ پھیلایا جائے ——— مختلف ناموں سے پہلے بھی اس قسم کے عقاید کی تبلیغ کی جا چکی ہے۔ لیکن "مذہب تشکیک" کی کامیابی کے

لئے گذرے ہوئے زمانے کچھ زیادہ موزوں نہ تھے۔ لیکن اب ـــــ عقل ومذہب کی آویزش نے اس مذہب کے لئے نہایت موزوں فضا پیدا کردی ہے! ـــــ کوئی وجہ نہیں کہ میں خود اس مذہب کا داعی اور پیغمبر بن کر میدان میں نہ آجاؤں اور اپنی تمام موجودہ اور آیندہ نسلوں کو اس مذہب کی طرف دعوت دوں۔ اب تک جتنے مذاہب دُنیا میں آئے اُن سب میں شیطان کی قوت رحمانی قوتے پر غالب رہی، کوئی مذہب یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے "شیطانیت" کو نابود یا مضمحل کردیا ہو، بلکہ تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ مذہبی اقوام کی زندگی میں "اہرمن" کی رعایا تعداد میں "یزدان" کے غلاموں سے زیادہ رہی ہے ـــــ اصل یہ ہے کہ خود مذاہب نے "اہرمن" اور "شیطان" کو بہت قوی پیدا کیا ہے، اور قیامت تک کے لئے ان کی قوت کو انسان پر حاوی ومسلط کردیا ہے، اس کے بعد اپنے بندوں کو ہدایت کی ہے کہ اس قوت سے لڑو، ـــــ مقابلہ کرو، مارو، گراؤ، کہ یہی راہ نیکوں کی ہے!! "مذہب تشکیک" مذہب کی اس قدیم فرقہ بندی سے بالکل آزاد رہے گا۔ وہ "اہرمن" اور "یزدان" کی تفریق ہی کو سرے سے مٹا دے گا اور انسان کی دُنیوی زندگی کے پیش پا افتادہ حقایق پر اپنی تعلیمات کی بنیاد رکھے گا۔ نظم اور ضبط سے اس کے پیرو آزاد رہیں گے۔ اس لئے کہ نظم وضبط ہی سب سے زیادہ بدنظمی اور افراط و تفریط کا باعث ہے ـــــ "مذہب تشکیک" میں زندگی کی تعریف

ہوگی کہ :-

"زندگی یکسر انتشار ہے، ناقابل علاج، کسی چیز کو جزو عقائد نہ بناؤ، کسی چیز کا یقین نہ کرو، اشیاء اور اشخاص کی بُری اور اچھی صفات محض اصطلاحی الفاظ ہیں، ناقابل اعتبار، جو کچھ تمہارے سامنے آئے، اس کو شک کی نظر سے دیکھو اور زندگی کا نہ کوئی اصول بناؤ نہ کوئی کلیتہ قائم کرو، کسی اصول اور کلیہ کو تسلیم نہ کرو، "مذہب تشکیک" میں تسلیم و اقرار ارتداد سے بدتر اور عین کفر ہے۔ آزاد اور لاعلم اور بے خبر رہو جیسے تم پیدا ہوئے تھے، جستجو اور تلاش ایک جرم ہے، بصیرت گناہ ہے، تمہارے اندر سے فطرت جو اشارہ کرے اس کی تعمیل کرو، عقل اور فہم کی بیہودگیوں سے اپنا دامن پاک رکھو! ــــــ"

لوگ پیغمبری کے دعوے کرتے ہیں مگر مذہب کے قدیم تخیل سے آزاد نہیں ہو سکتے ایک ہی ہیولہ کو مختلف صورتوں میں دنیا کے سامنے لاتے ہیں، اور کسی نہ کسی صورت میں "اہرمن" اور "یزدان" کا ایک تخیل لوگوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں، یہ سب غلط ہے۔ میں پیغمبری کے دعوٰی کرنے میں جلدی نہیں کرنا چاہتا، عدم تکمیل اور انتشار کی ایک انتہائی صورت دنیا کے سامنے لانے والا ہوں، تیاریاں کر رہا ہوں تاکہ میرے پیغمبرانہ پیغام میں ضبط

ونظم کی کوئی خامی باقی نہ رہ جائے۔ صرف چند زندہ اصول دنیا کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں جو میری "امت" کی زندگی کے فرضی توازن کو مبدل بہ انتشار کامل کر دینگے۔ وہ انتشار کامل جو زندگی کے تمام حقائق میں سب سے زیادہ ناقابل انکار حقیقت ہے!۔

رات میر صاحب سے میں نے کہا کہ میں چند روز بعد اپنی پیغمبری کا اعلان کرنے والا ہوں، ان بیچارے کا چہرہ شرقاً غرباً لمبا ہو گیا۔ کچیا داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے، میاں! توبہ کرو! آج پیغمبری کا ارادہ ہے تو کل خدائی کا دعویٰ کروگے؟ میں نے کہا، میر صاحب "مذہب تشکیک" کا پہلا مبلغ تم ہی کو بناؤں گا! ———— جو لوگ زیادہ اللہ والے بنتے ہیں، ان ہی میں ارتداد اور کفر کی اہلیت بھی زیادہ ہوتی ہے، ان کا کفر خفی، مرتد کے کفر جلی سے زیادہ شدید ہوتا ہے ———— میر صاحب بیچارے تمہید کے دو چار ہی کلمے سن کر عشاء کی نماز کے لئے اٹھ گئے!!

~~~~~~~~

۱۳؍ دسمبر۔

کل پھر نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ جواب بھی پا لیا۔ اس نے کہا ———— تقدیر میں یہی ہے تو مجھے "ہاں" کہنے کی ضرورت نہیں، وہی ہونا ہے، جو ہوگا، لیکن میرے تمہارے معاملہ میں تدبیر اور رضا و رغبت کو بھی کچھ دخل ہے تو مرجاؤنگی لیکن "ہاں" نہ کہونگی ———— نہیں!
~~~~~~~~

نہیں !! نہیں !!! ــــــــــــــــ

پھر اس نے میر صاحب سے کہا: "تم کہہ دینا کہ ان تعلقات کی شعریت میں نکاح کی خشک اور بے نمک سنجیدگی کو شامل کر کے کیوں مجھے بے مزہ کرتے ہو ــــــــــــ تیتریوں کی رنگینی اور بلبلوں کے نغموں کو قفس میں بند کروگے تو رنگ اڑ جائے گا۔ نغمے فنا ہو جائیں گے! تم جو اپنی حُسن پرستی پر مذہب کی جانب سے جواز کی مہر لگانا چاہتے ہو تو مجھے اپنی طرح بیوقوف کیوں سمجھتے ہو کہ میں بھی اپنی شعریت کو مذہب کے تخیل پر قربان کر ڈالوں؟ محبت مجھ سے ہے تو کرو، گر قبضۂ مالکانہ کی فکریں کیوں؟ جب مجھے خطرہ تھا کہ کہیں تمہاری "طلب" مجھے اسیر نہ کر لے میں بھاگی تھی۔ مگر اب جو تم وہی پیام پارینہ لے کر یہاں آئے ہو تو میں تمہاری "طلب" سے ذرا بھی نہیں ڈرتی! جواب مانگتے ہو؟ جواب یہ ہے کہ۔ اپنے گھر جاؤ، کسی شریف خاندان کی ایک معصوم بچی کا ہاتھ پکڑ کر قاضی صاحب سے دو بول پڑھوا لو۔ وہ تمہاری قانونی داشتہ اور مملوکہ ہو جائیگی اور تم اُس کے آقا اور مالک ــــــــ بلا شرکت غیرے! وہ غریب جو پندرہ بیس برس تک گھر کی چار دیواری کے اندر ماں باپ کی غلامی کر چکی ہے۔ تمہاری قید میں بھی قدرے آسودہ ہو گی، اس لئے کہ اس نے آزادی کا مزہ کبھی چکھا ہی نہیں! وہ زندگی کے صرف ایک ہی رخ سے واقف ہے اور اسی میں خوش رہتی ہے اس کو کیا معلوم ــــــــ معصوم بچی ــــــــ کہ غلامی کی اس دنیا کے پرے ایک اور دنیا بھی بستی ہے، جہاں عورت، مرد موذی کے دھوکہ میں نہیں

آتی، جہاں عورت اس طرح نہیں پہچانی جاتی کہ یہ فلاں کی بیوی یا بیٹی یا بہن یا ماں ہے بلکہ وہ اپنی شخصیت علیحدہ رکھتی ہے ـــــــ مرد کے پھندوں سے آزاد اور سربلند! پھر اس نے میر صاحب سے کہا، میری طرف سے کہدینا مجھ سے محبت کرو، جس قدر کرنا چاہو، مگر میرے حال پر مہربانی کر کے اپنی جیب سے ہتکڑیاں اور زنجیریں نکال کر مجھ سے یہ فرمائش نہ کیا کرو کہ میں یہ زیور پہن لوں! جب تم ان زنجیروں کو نکالتے ہو تو تمھارے آغوش میں مجھے جہنم کی آگ بھڑکتی نظر آتی ہے ـــــــ میں بھاگتی ہوں ـــــــ اور تم وہ زنجیریں ہاتھ میں لئے ہوئے میرے پیچھے پیچھے بھاگتے ہو! ـــــــ یوں میرا ہاتھ آنا مشکل ہے۔ دُنیا بہت وسیع ہے، میرے پنکھ بہت طاقتور ہیں، آج تک کسی مرد کی مجال نہیں ہوئی کہ ان پر ہاتھ ڈال سکے! جب تک مجھے چاہتے ہو، میں تمھاری چاہت کے مزے لوٹ رہی ہوں، مگر جب تم نکاح کا حربہ لیکر میری طرف بڑھتے ہو، تو زمین پر حقارت کے ساتھ تھوک کر آگے بڑھ جاتی ہوں ـــــــ تم اور تمھارا نکاح کا پیغام! محبّت کا دعویٰ کرتے ہو اور نکاح کا پیغام دیتے ہو! محبت کو نکاح سے کیا واسطہ؟ کہدینا ـــــــ اس نے ہنسکر میر صاحب سے کہا ـــــــ کہ یا تو تم بالکل گدھے ہو یا نہایت چالاک بدمعاش!!

## ۱۵ ر دسمبر،

گدھے اور بدمعاش کے القابوں سے میری تواضع ہو رہی ہے۔ وہ کہتی ہے تم تو مذہب کے قایل ہی نہیں، پھر میرے اپنے درمیان مذہب کا نام کیوں

لیتے ہو؟ یہ کیا تماشہ ہے، ایک ہی چیز تمھاری رائے میں تمھارے لئے زہر قاتل
گر میرے لئے شہد خالص ہے ——— میں بھی سوچتا ہوں تو بات
بے تکی معلوم ہوتی ہے، یہ بات کیا ہے کہ جب لیلیٰ کا قدم درمیان میں آتا ہے
میری زندگی کا فلسفہ یکسر درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یا تو یہ ہے کہ میں ایک مکار
مرد کی طرح عورت کے لئے ایک ایسا قانون نافذ کرنا چاہتا ہوں جو مجھ پر کسی
طرح عاید نہ ہو سکے، جو آزادیاں اور حقوق اپنے کو دیتا ہوں وہی عورت کو
دینا گوارہ نہیں کرتا، چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی کا ضابطہ میرا بنایا ہوا ہو! یا تو یہ بات
ہے اور یا یہ بات ہے کہ میری خواہش نے مجھے اتنا مجبور اور حواس باختہ کر دیا ہے
کہ میں ہر صورت سے خواہ وہ میرے عقاید کے موافق ہو یا منافی اس عورت کو اپنا
بنا لینا چاہتا ہوں، لیکن وہ تو میری دلیلوں اور میری منطق کی کمزوریوں
کو دیکھ رہی ہے، مرد چاہتا ہے کہ عورت کو اس کی بھی اجازت نہ دی جائے!! جب
"عیش" کی حالت میں ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ زندگی یہی ہے، لیکن جب عشق
کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو کہتا ہوں، میرا کوئی اصول نہیں، میرا کوئی عقیدہ
نہیں، اس لئے کہ میں عاشق ہوں، وہ ہنستی ہے اور میرا منہ چڑا دیتی
ہے۔ میں "عشق" سے خفا ہو کر پھر "عیاشی" کرنے لگتا ہوں اور "عیش" خوش کرنے
کے لئے دنیوی زندگی کے تمام سنجیدہ اصولوں پر لات مارتا ہوں، مگر "عیش"
جب تھکا دیتا ہے تو پھر "عشق" مسلط ہو جاتا ہے، پھر میں نئی نئی بحثیں اور
نئے نئے مسئلے پیدا کرتا ہوں، ان گھوڑوں کو "عشق کے میدان میں دوڑاتا
ہوں، وہ ہنس ہنس کر تالیاں بجاتی ہے، میں رو رو کر سینہ پیٹتا ہوں

کبھی کوئی دوست کہتا ہے ایک ارادہ کرلو، میں بھی کہتا ہوں کہ ایک ارادہ کیوں نہ کرلوں ——— یا اِدھر یا اُدھر ——— لیکن ارادہ کے نام سے "عیش" بھی ناخوش ہوتا ہے اور "عشق" بھی، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اس جنس کا گذر نہیں! "ارادہ" جب تک ساتھ ہوگا ہماری بارگاہ میں گھسنے نہ پاؤگے، ان دو دیوتاؤں کے درمیان میں بہا چلا جا رہا ہوں ——— ایک دریا کا دھارا ہے کہ مجھے بہائے لئے جا رہا ہے، پہاڑیوں کی وادیوں میں میدانوں اور صحراؤں کے سینہ پر، جنگلوں اور نخلستانوں کے سایہ میں اور تپتے ہوئے بیابانوں میں! کب تک یہ حال رہیگا۔ کہاں لیجا کر یہ دھارا مجھے سمندر کی سطح پر پٹکے گا؟ ——— سوچتا ہوں! پھر اپنے سے بگڑتا ہوں کہ سوچا کیوں، پھر سوچتا ہوں! عیش، عیش، عشق، عشق ——— ان دونوں کے درمیان کوئی راستہ پیدا ہوتا، ان دونوں سے الگ کوئی دروازہ کھلتا! کبھی کبھی مجھے فرنگی شاعر کے وہ الفاظ یاد آتے ہیں:-

اندھیری رات میں بچہ روتا ہے ——— روشنی کیلئے

---

## ۱۹ دسمبر

اختر کہتا ہے، گھر چلو، اپنی عقل درست کرو، دماغ کے جو پیچ "ڈھیلے" ہوگئے ہیں ان کو پھر تھوڑا کس دو، عورت کے لئے بیقرار ہونا، مرد کی مردانگی سے بعید ہے، شیر اگر بکری کے عشق میں مبتلا ہو کر رویا کرے تو فاقے کرتے کرتے مرجائے ——— شیر اور بکری کی مثال دل پر چپکتی ہے۔ کہتا

ہوں کہ لاؤ "لیلیٰ" کے دروازے کے سامنے ہی عورت کی ساری نسل کو ذلیل کروں اور کہوں کہ دیکھ، او سنگدل اور بیمروت، مرد ایسے ہوتے ہیں! ——— دوسرے ہی لمحہ میں یہ سب ارادے ہوا ہو جاتے ہیں — لمبا لمبا لیٹ جاتا ہوں، اختر پھر دن بھر کچوکے دیتا ہے! ———

——— رات اختر ایک بنارسی مسمات کو کہیں سے پکڑ لایا، بہت شوخ وطرار، زبان قینچی، آنکھیں بجلی، ہاتھ پاؤں چنچل بھویں تنی ہوئی ——— وہ تو آکر کھیل پڑیں۔ کبھی وہ میری گود میں کبھی میں انکی گود میں۔ ظالم نے اس قدر پلائی کہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ آدھی رات گذر گئی، مجھے ہوش نہ تھا کہ کہاں ہوں! ہزاروں قصے، ہزاروں داستانیں حسن کی کار فرمائیاں، عشق کی فتحمندیاں، سب ہی کچھ کہا اور سنا گیا۔ اس نے اپنے عاشقوں کے قصے سنائے، میں نے اپنے معشوقوں کے افسانے، کہنے لگی بتاؤ تم نے سب سے زیادہ کس کو چاہا؟ میں نے کہا "لیلیٰ" کو ——— مگر اب اس سے نفرت ہے! کہنے لگی، اگر نفرت ہے تو تم جھوٹے ہو تم نے چاہا ہی نہیں! میں نے کہا، — چاہا تو ایسا کہ کوئی کیا چاہے گا؟ مگر اس نے قدر نہ کی۔ ———

کہنے لگی، وہ تمھیں پہچان گئی ——— خالی ڈھول کو ہر عورت پہچان لیتی ہے ——— میں نے کہا ——— کم ظرف ہے، وہ کہنے لگی، کم ظرف وہ نہیں تم ہو ——— اس کے آئینہ میں تم نے اپنی صورت دیکھ لی ——— غرض بات بڑھتی گئی ——— شراب کا دور چلتا گیا، بات بڑھتی گئی ——— میں نے کہا، میں اسے جلانا چاہتا ہوں، ذلیل کرنا چاہتا ہوں، دکھا دینا چاہتا ہوں کہ اس سے زیادہ حسین

عورتیں مجھے نصیب ہیں ——— چل! میں نے کہا، چل ذرا "لیلیٰ" کے گھر چلیں، تو ذرا اس سے دو باتیں کرا اور میں ذرا اپنے کلیجہ کے چھالے پھوڑوں ——— میں سمجھتا تھا، وہ نہ راضی ہوگی، وہ تو راضی ہوگئی! ہم دونوں اسی وقت "لیلیٰ" کے گھر پہنچے، بمشکل سے دروازہ کھلوایا، بستر پر لیٹ چکی تھی، مجھے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ میں نے ہاتھ پکڑ کر نرسی سمات کو آگے بڑھایا ——— "معاف کرنا "لیلیٰ" ہم اور یہ ہوا خوری کے لئے نکلے تھے۔ جی چاہا کہ تم سے بھی ملتے چلیں" ——— وہ مسکرائی، "تشریف رکھئے، چشم ما روشن ——— آدھی رات کی ٹھنڈی ہوا کچھ میرے لئے بھی لائے ہوتے ——— بہت حساس ہے۔" دونوں کا تعارف کرا کے میں تو فرش پر لیٹ گیا ——— دیکھوں یہ دونوں تیتریاں کس طرح ایک دوسرے پر حملے کرتی ہیں ——— "لیلیٰ" ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ اس کے چہرے پر میری اس عجیب حرکت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔ اس کے لبوں پر وہ لازوال تبسم جو میں نے کسی دوسرے کے لبوں پر آج تک نہیں دیکھا، بدستور موجود تھا۔ آنکھوں میں ایک قہقہہ جھوم رہا تھا، لہجہ میں شرارت تھی جو اثر میں پیدا کرنا چاہتا تھا اس کا ہلکا سا عکس بھی نمایاں نہ ہوا۔ میں نے مایوس ہو کر آنکھیں بند کرلیں ——— تمہیں نیند آ رہی ہے، سو جاؤ، میں دوسرے کمرے میں آرام کر لونگی، یہ کہہ کر اس نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ دیا، نشہ میرا تیز تھا، اس ہاتھ سے نکل کر بجلی کی ایک رو جسم میں دوڑی ——— میں نے کہا، نہیں، میں جاؤنگا، کھڑا ہوگیا، ٹانگوں نے

سہارا نہ دیا، پھر بیٹھ گیا ـــــــ "لیلیٰ" نے کہا۔ "اب تم دونوں کو نہ جانے دونگی
میرا بستر خوش قسمتی سے آج خالی ہے ـــــــ وہ مسکرائی ـــــــ تم
دونوں آرام کرو ـــــــ اس کے بعد کچھ میں
نے کہا ـــــــ یاد نہیں کیا کہا، ـــــــ کچھ اس نے کہا، یاد نہیں
کیا کہا ـــــــ صبح آنکھ کھلی تو میں نے اپنے کو اُس کے
بستر پر پایا، میرے پہلو میں وہ بنارسی مسمات سو رہی تھیں، اُن کے مُنہ کی
بھاپ میرے رخساروں سے ٹکرا ٹکرا کر سارے کمرے کو گرم کر رہی تھی
ـــــــ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا! ـــــــ
"لیلیٰ" ـــــــ "لیلیٰ" اختر نے کمرے کا دروازہ کھولا،
ـــــــ "کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔ اختر نے کہا۔ "وہ تو چلی
گئیں، صبح میرے یہاں آنے سے پہلے ہی روانہ ہو چکی تھیں، ایک ملازم
اور کچھ سامان باقی ہے، ملازم کہتا ہے کہ بمبئی گئیں،
ـــــــ خدا ہی جانے! ـــــــ تمہارے نام یہ ایک پرچہ لکھ کر دے گئی
ہیں ـــــــ لکھا تھا:۔ "رات کا کھیل بھونڈا تھا،
مگر میں خوش ہوں، اپنی زندگی کی شعریت کو فنا نہ ہونے دو۔ کھیلے جاؤ،
زندگی کے اس چٹان پر زمانے کے طوفانوں کی کچھ پروانہ کرو، جھولوں میں
جھولو، باغوں میں کھیلو، اور کبھی سوچو مت! جب تک غور و فکر سے
آزاد رہوگے، سوچنا موت کا پیام ہے، کچھ مت سوچو! یہ وہ نسخہ ہے جو میں
خود بھی استعمال کرتی ہوں ـــــــ میں توکل سے

پہلے ارادہ کرچکی تھی، بنارس جانا ضرور تھا، تمھاری نبست کو خراب کرنا مناسب نہ سمجھا ـــــــــــــ یہ دنیا بہت تنگ ہے، اس لئے یقیناً کسی دن پھر ہم تم ملیں گے ـــــــــــــ گم نہیں ہو سکتے ـــــــــــــ خدا حافظ!"

# خاتمۂ کلام،

رات میں نے اُس کو قتل کر ڈالا تھا!
وہی جو میرے اندر بیٹھا رہا کرتا تھا ––
وہ جو مجھے ڈراتا تھا، دھمکاتا تھا، ––––
وہ جو ہر وقت میرے دل کو کریدتا رہتا تھا
کبھی کہتا تھا یہ نہ کیجیو، یہ گناہ ہے
کبھی کہتا تھا یہ کرو، یہ ثواب ہے
کبھی کہتا تھا، تو دوزخ میں جائے گا
کبھی کہتا تھا، تو جنت کے قابل بن جا،
وہ جو میرے عیش کو چٹکیاں لیکر پراگندہ کرتا تھا
وہ جو سوئیاں چبھو کر مجھے بیچین کرتا رہتا تھا،
کبھی جنت یاد دلاتا تھا، کبھی دوزخ! ––
کبھی روح اور خدا اور موت کے فسانے سناتا تھا
کہانیاں، –– جھوٹی! داستانیں، –– لغو حکایتیں، –– بے معنیٰ!!
رات میں نے اس بے تمیز کو قتل کر ڈالا!!
اور میں مطمئن ہو کر سو گیا! ––––––––

صبح میں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا، یہ سمجھ کر کہ مقتول کی جگہ خالی ہوگی
لو! وہ تو پھر وہاں موجود تھا! ——— وہی کمبخت! ———
——— اس نے کہا، گدھے! تو ہر رات مجھے قتل کریگا،
میں ہر صبح زندہ ہو کر اپنے مسکن میں آ بیٹھوں گا! ———
ہر روز، ہر صبح تو مجھے یہیں پائیگا جہاں ہوں ———
مہذب، متمدن، ——— جانور!° ———

———

اب کوئی مجھے بتائے میں کیا کروں؟؟

# LAILA KE KHUTOOT
AND
# MAJNOON KI DIARY

BY
Qazi Abdul Ghaffar

Urdu Research Institute
PATNA